آئینۂ صدق و صفا

یعنی

داستانِ اربابؓ وفا

سوانح حیات

ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب

و

حضرت مرزا ایوب بیگ صاحب

نوراللہ مرقدھما

—تالیف:—

میرزا مسعود بیگ (ایم اے۔ ڈبلیو۔ پی۔ ای۔ ایس)

—:شائع کردہ:—

احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور

حضرت ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب مرحوم و مغفور

۱۸۷۲ء - ۱۹۳۶ء

حضرت ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب مرحوم و مغفور

۱۸۷۲ء - ۱۹۳۶ء

پیش لفظ

انجمن کی طلائی جوبلی کے موقع پر یہ تجویز ہوا تھا کہ ایک تصنیف انجمن کی پچاس سالہ کارگزاری پر اور ایک تالیف "یادر فتگاں" کے نام سے جماعت کے اکابر اور خلصین کے حالاتِ زندگی پر شائع کی جائے اس سلسلہ میں محترم مرحوم ومغفور ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب کے سوانح حیات لکھنے کے لیے راقم الحروف سے کہا گیا۔ لیکن جب میں نے لکھنا شروع کیا تو مجھے محسوس ہوا کہ مرزا صاحب مرحوم کی ذات اور خدمات کا تذکرہ ایک الگ تصنیف چاہتا ہے اور ایک مختصر سے مضمون میں ان کی زندگی کے تمام پہلوؤں پر روشنی نہیں ڈالی جا سکتی۔ دراصل میرا اپنا بھی عرصہ سے یہ ارادہ تھا کہ مرحوم کے حالاتِ زندگی کو کتابی شکل میں شائع کیا جائے مگر بوجوہ اس ارادہ کی تکمیل میں التوا ہوتا رہا۔ اللہ تعالیٰ نے ہر کام کے لیے ایک وقت مقرر کیا ہوتا ہے اور شاید اب ہی موزوں وقت تھا کہ مرزا صاحب مرحوم کے سوانح قوم کے نوجوانوں کے سامنے رکھے جائیں کیونکہ اب ایسے وجود کم ہوتے جا رہے ہیں جنہیں دیکھ کر قلوب میں گرمی اور خیالات میں حرکت اور امنگوں میں زندگی پیدا ہو سکے۔ مرزا صاحب کے ہمعصر اب بہت تھوڑے رہ گئے ہیں اس لیے ایسے نادر لوگوں کے حالات قوم کے سامنے رکھنے کی ضرورت ہے تاکہ ہماری نئی نسل بھی اپنی زندگیاں اسی قالب میں ڈھال سکے۔

مرحوم کی زندگی کا خلاصہ تین لفظوں میں پیش کیا جا سکتا ہے یعنی خدا پرستی، نیکی اور خدمتِ خلق اور ان کی کسی قدر تفصیل آئندہ اوراق میں نظر آئے گی۔ کامیاب زندگی کے متعلق دنیا میں مختلف نظریات ہیں لیکن حقیقی کامیاب زندگی یہی ہے کہ انسان دنیا میں اعمالِ حسنہ کرے۔ خدا پرستی، نیکی، سچائی اور خدمتِ خلق کو شعار بنائے اور جب دنیا سے رخصت ہو تو حسرت ویاس کی بجائے اطمینان وامید سے اس کا دل بھرپور ہو۔ مرزا یعقوب بیگ کی زندگی اس لحاظ سے ایک اعلیٰ درجہ کی کامیاب زندگی تھی اب مرحوم کو تو ہماری تحسین اور جذباتِ عقیدت کی چنداں ضرورت نہیں کیونکہ وہ اعمالِ حسنہ کا کثیر اندوختہ لیے

ہوئے خدا کی بارگاہ میں پہنچ چکے ہیں۔ البتہ ہمیں ضرورت ہے کہ ہم ان کی مومنانہ سیرت سے اقتباس کریں اور ان کی درخشندہ زندگی کو مشعل راہ بنائیں۔

کتاب کے دوسرے حصہ میں مرزا صاحب مرحوم کے چھوٹے بھائی مرزا ایوب بیگ صاحب مرحوم کے سوانح حیات پیش کیے گئے ہیں۔ یہ بھی سلسلہ احمدیہ میں ایک غیر معمولی شخصیت کے مالک اور عدیم النظیر انسان تھے جو عین عالم شباب میں بہت سی روحانی منازل طے کر کے راہئ ملک بقا ہوئے۔ ان کے حالات مرزا یعقوب بیگ صاحب کے رقم کردہ ہیں اور اس کتاب کی اشاعت ناگزیر حالات کی بنا پر ملتوی ہوتی رہی۔ سب سے اول مرزا صاحب مرحوم نے "سیرۃ ایوب" کی طباعت مطبع "الحکم" قادیان کے ذریعہ ۱۹۰۱ء میں شروع کرائی۔ کچھ حصہ چھپ بھی گیا لیکن کتاب شائع نہ ہو سکی۔ ایک ڈاکٹر کی مصروف زندگی میں پھر کوئی فرصت کا موقع نہ آیا۔ ۱۹۳۵ء میں آپ کچھ عرصہ آرام کرنے کے لیے ڈلہوزی تشریف لے گئے اور کسی قدر فرصت ملی تو سیرت ایوب کے مسودہ کو پھر ترتیب دینا شروع کیا۔ جو مسودہ انہوں نے مجھے لاہور میں بھیجا اس کی کتابت بھی شروع کرادی گئی لیکن کام پھر بھی ادھورا ہی رہا۔ اس کے جلد ہی بعد آپ کو ریاست خیرپور میرس سے بلاوا آگیا اور آپ ہائی نس خیرپور میر علی نواز خان مرحوم کے علاج کے لیے تشریف لے گئے اور چند ماہ وہاں قیام فرمایا۔ آخر دسمبر ۳۵ء میں آپ واپس تشریف لائے اور شروع ۳۶ء میں خود بھی دنیا سے رخصت ہو گئے۔

اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اب یہ کام پایۂ تکمیل کو پہنچ گیا ہے اور ہر دو بھائیوں کے سوانح حیات احباب جماعت کے سامنے پیش کیے جا رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں فائدہ اٹھانے کی توفیق عطا کرے۔ آمین۔ اب بھی کتاب کی طباعت جلدی جلدی عمل میں آئی ہے اور ممکن ہے بہت سے سقم رہ گئے ہوں۔ احباب سے عفو اور درگذر کی درخواست ہے۔

میں انجمن کا شکر گزار ہوں کہ اس مفید سوانح عمری کی اشاعت کا فیصلہ کیا گیا۔ طلائی جوبلی کے موقع پر جماعت کے لیے یہ ایک گرانقدر تحفہ ہوگا۔ میرے عزیز دوست محمد اعظم علوی سپرنٹنڈنٹ دفاتر انجمن نے طباعت کے کام میں بہت تعاون فرمایا۔ فجزاہ اللہ خیرا۔

والسلام

مسعود بیگ،

۱۲۔اے وحدت کالونی لاہور۔ ۲۱ دسمبر ۱۹۶۴ء

فہرست مضامین سوانح مرزا یعقوب بیگ صاحب

سوانح حیات ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ مرحوم و مغفور

خاندانی حالات

پیدائش اور وطن ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ مرحوم ۱۶ اپریل ۱۸۷۲ء کو بمقام کلانور (ضلع گورداسپور) پیدا ہوئے۔ آپ مرزا نیاز بیگ صاحب رئیس کلانور کے تیسرے فرزند تھے۔

کلانور پنجاب کے قدیم ترین تاریخی مقامات میں سے ایک مشہور قصبہ ہے۔ ہندوؤں کے زمانہ میں بھی کلانور کا ذکر تاریخ میں نظر آتا ہے اور مسلمانوں کے عہد حکومت میں تو اس قصبہ نے خاص اہمیت حاصل کر لی تھی۔ سب سے پہلا مسلمان فرمانروا جو کلانور میں آیا وہ فیروز تغلق تھا جس نے ۱۳۵۳ء میں یہاں قیام فرمایا۔ اس کے بعد بھی کئی بادشاہ یہاں آتے رہے۔ ظہیر الدین بابر کی کلانور میں آمد کا ذکر "تزک بابری" میں موجود ہے اور اس کے جانشین بھی مختلف اوقات میں یہاں جلوہ افروز ہوتے رہے۔ چنانچہ اس قصبہ کو نہ صرف علاقہ گورداسپور بلکہ سارے صوبہ میں خاص اہمیت حاصل تھی اور یہ مثل مشہور تھی "جس نے دیکھا نہیں لاہور وہ دیکھے کلانور"

مرزا یعقوب بیگ صاحب مرحوم کا خاندان شہنشاہ اکبر کے زمانہ میں کلانور میں آباد ہوا۔ اس خاندان کے مورث اعلیٰ مرزا عبدالحکیم بیگ اُس فوج کے اکابر سرداروں میں سے تھے جو بادشاہ ایران شاہ طہماسپ صفوی نے ہمایوں کی امداد کے لیے ارسال کی تھی اور جس کی مدد سے ہمایوں نے دوبارہ ہندوستان پر قبضہ کیا۔ ہمایوں کی وفات کے بعد جب اکبر بادشاہ ۱۵۵۶ء میں کلانور میں تخت نشین ہوا تو اُس نے وہاں اپنی

یادگار قائم کرنا چاہی۔ مرزا عبدالحکیم بیگ کو بھی کلانور کا پُر فضا علاقہ پسند آیا اور مرزا صاحب موصوف اور اُن کا خاندان اکبر بادشاہ کے حکم سے کلانور میں آباد ہُوئے۔ کلانور کے محاصل میں سے ایک چوتھائی اور اُس کے نواح میں ایک وسیع علاقہ جو بہت سے دیہات پر مشتمل تھا بطور جاگیر انہیں دیا گیا۔ ان مواضعات میں سے ایک موضع حکیم پور جو مرزا عبدالحکیم بیگ کے نام پر آباد ہوا تھا اور کلانور سے تین میل بہ جانب جنوب واقع ہے۔ ۱۹۴۷ء تک مرزا یعقوب بیگ صاحب مرحوم کے خاندان کی ملکیت میں تھا۔

کلانور میں آباد شدہ مغل خاندان کا رابطہ مرکزی سلطنت سے قائم رہا۔ اپنی تخت نشینی کے بعد بھی اکبر بادشاہ دو مرتبہ کلانور میں آیا اور کافی عرصہ قیام کیا۔ اسی طرح جہانگیر اور شاہجہان کی کلانور میں آمد کا ذکر "تزک جہانگیری" میں موجود ہے۔ جہانگیر نے اپنے قیام کے دوران حکیم پور میں ایک نو تعمیر کنوئیں کا سنگِ بنیاد رکھا اور یہ "چاہ جہانگیری" کے نام سے موسوم ہوا۔ (اور یہ بھی ۱۹۴۷ء تک مرزا صاحب کے خاندان کی ملکیت میں تھا) انہی ایام میں کلانور کے مقام پر مشہور بزرگ حضرت میاں میر صاحب علیہ الرحمۃ کی ملاقات جہانگیر سے ہُوئی اور بادشاہ بہت تعظیم سے پیش آیا۔

اس کے بعد حالات کے تغیّر اور سلطنت کے ضعف کے ساتھ اس خاندان کے حالات بھی دگرگوں ہوتے رہے، اور پھر طوائف الملوکی اور انتشار و بدامنی سے کافی نقصان پہنچا اور جائداد اور جاگیروں کا اتلاف ہُوا اور ادبار کا دور آیا۔ تا آنکہ اٹھارویں صدی عیسوی کے آخر میں ایک صاحبِ اقبال بزرگ مرزا رحیم بیگ (۱۱۷۲ھ تا ۱۲۵۵ھ) کی پیدائش سے اس خاندان کے حالات پھر بدلنا شروع ہُوئے۔

مرزا رحیم بیگ

مرزا رحیم بیگ ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ کے پردادا تھے۔ یہ ایک متقی، پرہیزگار اور سخی اِنسان تھے۔ حافظِ قرآن اور علوم مروّجہ میں دسترس رکھنے کے علاوہ فنونِ سپہ گری اور سیاسی تدبّر میں بھی بہت اُونچی حیثیت رکھتے

تھے۔ سکھ حکومت میں یہ مہاراجہ رنجیت سنگھ کے مصاحبین میں شامل تھے اور اس سے قبل ریاست ٹونک میں وزارت کے عہدہ پر فائز تھے اور سات سو روپیہ ماہانہ پاتے تھے۔ جب رنجیت سنگھ کو پنجاب میں عروج حاصل ہوا تو نواب امیر خان والئی ٹونک نے مہاراجہ سے دوستانہ مراسم قائم کرنے کے لیے مرزا رحیم بیگ کو سفیر بنا کر رنجیت سنگھ کے دربار میں بھیجا۔ مہاراجہ کو جب یہ علم ہوا کہ مرزا رحیم بیگ کلانور کے رہنے والے ہیں تو اُس نے انہیں وطن واپس آنے کے لیے بہت مجبور کیا۔ چنانچہ کچھ عرصہ بعد مرزا رحیم بیگ نواب امیر خان سے اجازت لے کر واپس آ گئے اور دربار لاہور میں مہاراجہ کے مصاحبین میں شامل ہوئے۔ مہاراج کی سواری میں جو استغاثہ پیش ہوتا تھا اس کا فیصلہ مرزا رحیم بیگ فرماتے تھے اور سواری میں کسی کی عرض معروض جو مہاراجہ تک پہنچانی ہو تو اُس کی سماعت بھی انہی کے توسل سے ہوتی تھی اور رنجیت سنگھ ان کی بہت قدر کرتا تھا۔

مرزا رحیم بیگ کے تین بیٹے مرزا اسمٰعیل بیگ، مرزا محمد بیگ اور مرزا احمد بیگ نامی تھے۔ مرزا اسمٰعیل بیگ سکھوں کے زمانہ میں فوج میں کپتان تھے اور ایک فرانسیسی افسر جنرل ونطورہ کے ماتحت کام کرتے تھے۔ زاں بعد آپ کشمیر میں نواب شیخ امام الدین گورنر کشمیر کے وکیل السلطنت اور دستِ راست کے طور پر کئی سال خدمات بجالاتے رہے اور انگریزوں کی عملداری کے اوائل میں دیوان مول چند کی بغاوت یعنی معرکۂ ملتان اور دیگر مقامات پر نمایاں خدمات کے بعد پنشن یاب ہوئے۔ مرزا محمد بیگ رنجیت سنگھ اور شیر سنگھ کے دفتر فارسی میں معزز عہدوں پر کام کرتے رہے اور انگریزی عملداری میں ڈپٹی کمشنر کے سررشتہ دار ہوتے۔ مرزا احمد بیگ اوّل رنجیت سنگھ کے بیٹے کھڑک سنگھ کے دربار سے متعلق رہے، اور زاں بعد کشمیر میں فوجی خدمات سرانجام دیتے رہے۔ آپ فوج میں کمیدان (میجر) تھے، اور کچھ عرصہ کاردار یعنی تحصیلدار بھی رہے۔ انگریزوں کے عہد میں آپ نے پھر فوجی ملازمت اختیار کی اور رسالہ ہاڈسن ہارس سیکنڈ رجمنٹ میں رسالداری کے عہدہ پر فائز ہوتے اور

دہلی ۔میرٹھ ۔لکھنؤ ۔فیض آباد۔ گونڈہ وغیرہ مقامات پر نمایاں خدمات اور بہت نیک نامی کے بعد پنشن یاب ہوئے۔ آپ ایک وسیع القلب، خوش اخلاق، بہادر اور سخی انسان تھے۔ آپ نے رفاہِ عامہ، تعلیم کی ترویج اور مخلوقِ خدا کی بھلائی کے بہت سے کام کئے اور لفٹنٹ گورنر سے سندات خوشنودی حاصل کیں۔ ۱۸۸۰ء میں آپ نے وفات پائی۔

مرزا نیاز بیگ مرزا احمد بیگ کے بیٹے مرزا نیاز بیگ سلسلۂ احمدیہ کے اوّلین بزرگوں میں سے تھے اور ۱۸۹۳ء میں حضرت مسیح موعودؑ کی بیعت سے مشرف ہوئے۔ آپ کا اور آپ کے تین فرزندوں کا شمار حضرت اقدسؑ کے تین سو تیرہ اصحاب میں ہوا۔ چنانچہ "ضمیمہ انجام آتھم" میں مطبوعہ فہرست ۳۱۳ صحابہ میں آپ کا نام ۳۹ نمبر پر ہے اور ۴۰ نمبر پر ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ اور ۴۱ نمبر پر مرزا ایوب بیگ کا نام اور ۲۲۱ نمبر پر مرزا اکبر بیگ کا نام درج شدہ ہے۔ یہ اعزاز اللہ تعالےٰ کے خاص فضل کا مظہر ہے۔

مرزا نیاز بیگ ایک حلیم الطبع، نیک مزاج، صوفی منش اور پارسا بزرگ تھے۔ جواں سالی میں انگریزی فوج میں بھرتی ہوئے لیکن چند سال بعد یہ ملازمت ترک کر دی اور پھر تارک الدنیا ہو کر سید امام علی شاہ صاحب سجادہ نشین اتر چھتر کی خدمت میں حاضر ہو کر درویشانہ زندگی بسر کرنے لگے۔ کافی عرصہ بعد شاہ صاحب موصوف کے ترغیب دلانے پر گھر واپس آ کر پھر ملازمت کی طرف رجوع کیا اور ۱۸۶۷ء میں محکمہ انہار میں ضلعدار مقرر ہوئے اور ۱۸۹۷ء میں مرزا یعقوب بیگ کے امتحان ڈاکٹری پاس کرنے کے ساتھ ہی آپ پنشن یاب ہوئے۔

مرزا نیاز بیگ کو اللہ تعالےٰ نے دینی سربلندی اور دنیاوی وجاہت دونوں نعمتیں عطا کیں۔ آپ کا شمار پنجاب کے معزز رئیسان میں ہوتا تھا۔ چنانچہ سر لیپل گریفن کی کتاب "تاریخ رئیسان پنجاب" میں آپ کا نام بزمرۂ پراونشل درباریان پنجاب درج ہے۔ نیز ضلع گورداسپور کے سرکاری گزٹیئر بابت ۹۲-۱۸۹۱ء میں مقتدر افراد و قبائل کی ذیل میں آپ کا اور آپ کے خاندان کا ذکر موجود ہے۔ آپ ایک سخی مزاج، غریب پرور، عالی حوصلہ، وسیع مشرب اور

بلند اخلاق بزرگ تھے اور ہندو، مسلمان، سکھ، عیسائی سب قوموں میں بڑی عزت و تکریم کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔ آپ نے رفاہِ عامہ کے بہت سے کام کیے، کئی ایک جگہ مساجد تعمیر کروائیں اور کنوئیں لگوائے اور یتامے و بیوگان کی مستقل امداد، غلّہ، پارچات اور نقدی سے اخیر عمر تک کرتے رہے۔

حضرت مسیح موعود سے وابستگی کے بعد وہ نیک جوہر جو شروع سے آپ کی طبیعت میں موجود تھا اور بھی چمکا اور آپ نے سلوک و ریاضت اور یادِ خداوندی کی بہت سی منازل طے کیں۔ سلسلہ کے کاموں اور مہمات دینیہ میں پورے جوش و اخلاص سے حصہ لیا کرتے تھے۔ کتاب "ست بچن" کی تصنیف سے قبل حضرت اقدس نے ایک اہم خدمت ان کے سپرد کی۔ یعنی اس امر کی تحقیق کہ آیا باوا نانک صاحب نے ملتان میں حضرت شاہ شمس تبریز کے روضہ پر چلّہ کشی کی تھی یا نہیں۔ چنانچہ حضرت مسیح موعود فرماتے ہیں "میں نے اپنے ایک معزز دوست کو جو ایسے امور کی تحقیقات کے لیے ایک طبعی جوش رکھتے تھے اس بات کے لیے تکلیف دی کہ وہ ملتان جا کر برسرِ موقعہ تحقیقات کریں کہ درحقیقت باوا نانک صاحب نے ملتان میں کوئی چلّہ کیا ہے یا نہیں۔ چنانچہ ۳۰ ستمبر ۱۸۹۵ء کو ان کا خط معہ نقشہ موقعہ کے بذریعہ ڈاک مجھ کو ملا جس کی اصل عبارت ذیل میں لکھی جاتی ہے"۔ اس کے نیچے وہ خط درج ہے جو مرزا نیاز بیگ نے (جو ان دنوں کگڑہٹہ ضلع ملتان میں ضلعدار تھے) ۲۸ ستمبر کو حضرت اقدس کی خدمت میں رقم کیا اور دلائل قویہ سے یہ ثابت کیا کہ باوا نانک صاحب جب حج بیت اللہ سے واپس آئے تو ملتان میں قیام کیا اور روضہ حضرت شمس تبریز پر چالیس روز چلّہ میں بیٹھے رہے۔ اس خط کو نقل کرنے کے بعد حضرت مسیح موعود فرماتے ہیں "یہ وہ خط ہے جو میرزا صاحب مقدم الذکر نے کمال تحقیقات کے بعد ہماری طرف لکھا اور اس کے ساتھ انہوں نے نہایت محنت اور تحقیق سے ایک نقشہ موقعہ چلّہ کا بھی مرتب کر کے بھیجدیا ہے اور وہ یہ ہے"۔ اس طرح ایک اہم مسئلہ یعنی باوا نانک

کے مسلمان ہونے کی تحقیق میں مرزا صاحب نے حصہ لیا۔ اور "چولا صاحب" کی زیارت اور اُس کے متعلق تفصیلات حاصل کرنے کی سعادت منجملہ دیگر اصحاب کے ان کے فرزندان مرزا یعقوب بیگ اور مرزا ایوب بیگ کو حاصل ہوئی۔

جماعت احمدیہ ایک منظم جماعت تھی جس کی بنیاد اخوت اور بھائی چارہ پر رکھی گئی تھی۔ اس باہمی موانست اور برادری کو ترقی دینے کے لیے جماعت کے اندر رشتہ ناطہ اور آپس میں شادیاں کرنے کا خیال کئی لوگوں کے دلوں میں تھا، لیکن اس کو ایک باقاعدہ تحریک کے رنگ میں حضرت اقدس کی خدمت میں پیش کرنے کا شرف بھی مرزا نیاز بیگ کو حاصل ہُوا۔ چنانچہ آپ نے حضرت اقدس کو توجہ دلائی کہ مرکز میں ایک ایسا رجسٹر کھولا جائے جس میں لڑکے اور لڑکیوں کے کوائف درج کئے جائیں اور حسب موزونیت مرکز کے توسط سے نئے رشتے قائم ہوں۔ اس کی اس لیے بھی ضرورت تھی کہ کئی لوگوں کو بوجہ قبول احمدیت ان کی اپنی برادری اور خاندان میں رشتے نہیں ملتے تھے اس لیے احمدیہ برادری کو ترجیح دینے کی اشد ضرورت تھی۔ حضرت مسیح موعود نے مرزا صاحب موصوف کی اس تجویز کو بہت پسند فرمایا اور اس کو جماعت کے لیے مفید تصوّر کرتے ہوئے جماعت کو بذریعہ اشتہار و اعلان توجہ دلائی گئی کہ وہ رشتہ ناطہ کی ضرورت کے لیے مرکز کی طرف رجوع کریں اور اپنے کوائف ارسال کریں۔ حضرت اقدس کی طرف سے متذکرہ صدر خط حکیم فضل الدین صاحب مرحوم کا لکھا ہوا تھا جس کا عکس عرصہ ہُوا میں نے اخبار پیغام صلح میں شائع کیا تھا۔ لیکن اس وقت وہ خط مجھے دستیاب نہیں ہوا۔

مرزا نیاز بیگ صاحب ۱۸۹۷ء میں پنشن یاب ہو کر فراغت کی زندگی بسر کرنے لگے اور اکثر قادیاں جا کر حضرت اقدس اور مولانا نورالدین صاحب اور دیگر بزرگان سلسلہ سے فیض حاصل کرتے رہے۔ حسب ضرورت اپنے بیٹوں کے پاس بھی قیام کرتے اور ان کی بعض ضروریات میں مدد فرماتے۔ مثلاً احمدیہ بلڈنگس لاہور میں مرزا یعقوب بیگ

صاحب کے رہائشی مکانات کی تعمیر ان کی نگرانی میں ہوئی۔ لیکن زیادہ وقت آپ اپنے وطن کلانور میں ہی بسر کرتے۔ جہاں آپ کا شغل یاد الہٰی اور خدمت خلق کے علاوہ تصوف کی کتابوں کا مطالعہ ہوتا تھا۔ آپ کو مثنوی مولانا روم۔ دیوان شمس تبریز اور دیوان حافظ وغیرہ کتب سے بہت شغف تھا اور ایک معقول ذخیرہ کتب کا آپ کے پاس موجود تھا۔ ۱۹۱۴ء میں جب جماعت میں اختلاف رونما ہوا تو آپ نے جماعت احمدیہ لاہور میں شمولیت اختیار کی۔ اللہ تعالےٰ نے باقی نعمتوں کے علاوہ آپ کو نیک اور صالح اولاد عطا کی تھی۔ آپ کی تین صاحبزادیاں تھیں اور پانچ صاحبزادے مرزا رسول بیگ (ضلعدار) مرزا اکبر بیگ (سب انسپکٹر پولیس) ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ۔ مرزا ایوّب بیگ اور مرزا سکندر بیگ نامی تھے۔ اس وقت آپ کی صرف ایک صاحبزادی حیات ہیں اور باقی اولاد دارالبقا میں پہنچ چکی ہے۔ آپ نے ۸ مارچ ۱۹۱۷ء کو انتقال فرمایا اور کلانور میں دفن ہوئے۔

زمانہ طالبعلمی | مرحوم مرزا یعقوب بیگ نے ابتدائی تعلیم قصبہ قصور (ضلع لاہور) اور اس کے بعد گورنمنٹ ہائی سکول امرتسر میں حاصل کی جہاں آپ کے والد بزرگوار بسلسلۂ ملازمت تعینات تھے۔ ۱۸۸۶ء میں آپ کے والد صاحب کا تبادلہ امرتسر سے لاہور ہو گیا اور مرزا یعقوب بیگ و مرزا ایوب بیگ اور ان کے برادر کلاں مرزا اکبر بیگ اول ایچیسن سکول میں اور بعد ازاں گورنمنٹ ہائی سکول میں تعلیم حاصل کرتے رہے اور پھر باقی تمام زمانہ طالب علمی کا لاہور ہی میں گذارا۔ ۱۸۹۰ء میں جب ان کے والد بزرگوار تبدیل ہو کر ضلع ملتان چلے گئے تو بھی ہر سہ برادران تعلیم کی خاطر لاہور ہی میں رہے اور اول موری دروازہ کے باہر ایک کوٹھی میں اور پھر انارکلی احاطہ نہال چند میں کرایہ کے مکان میں ایک خدمتگار کے ساتھ رہا کرتے تھے۔

اس زمانہ میں انگریزی تعلیم کی طرف مسلمانوں کی توجہ بہت کم تھی۔ لیکن مرزا نیاز بیگ صاحب دیندار اور متقی انسان ہونے کے ساتھ ساتھ روشن خیال بھی تھے اور اپنے بچوں کی تعلیم کو بہت اہمیت دیتے تھے اور ان کے آرام و آسائش اور اعلےٰ تعلیم کے لیے آپ نے ہر طرح کی قربانی کی اور انہیں زیورِ تعلیم سے آراستہ کیا۔

مرزا یعقوب بیگ صاحب نے انٹرس کا امتحان پاس کر کے میڈیکل کالج لاہور میں داخلہ لیا اور ۱۸۹۷ء میں ڈاکٹری کا آخری امتحان پاس کیا۔ اس کے علاوہ آپ نے پرائیویٹ طور پر غالباً کلکتہ یا الٰہ آباد یونیورسٹی سے بی۔ اے کا امتحان بھی پاس کیا۔ ان دنوں اس قسم کی رعایت بھی تھی کہ بذریعہ خط و کتابت تدریس ہو سکتی تھی اور پرائیویٹ امتحان دیا جا سکتا تھا۔ چنانچہ آپ نے ایل ایم۔ ایس کا فنی امتحان پاس کرنے کے علاوہ بی۔ اے کا امتحان بھی پاس کیا۔ ان دنوں بہت کم مسلمان گریجویٹ نظر آتے تھے۔ اسی طرح مرزا ایوب بیگ نے انٹرس کے بعد گورنمنٹ کالج لاہور میں تعلیم حاصل کی اور ۱۸۹۷ء میں بی اے کے امتحان میں شامل ہوئے اور اسی سال سینٹرل ٹریننگ کالج لاہور کا وظیفہ مل جانے پر ایس اے وی کلاس میں داخل ہو گئے اور جون ۱۸۹۸ء ایچیسن چیفس کالج لاہور میں سائنس ماسٹر مقرر ہوئے۔

سلسلہ احمدیہ میں شمولیت اور اس کی برکات

ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب ۵ فروری ۱۸۹۲ء کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بیعت میں داخل ہوئے۔ ان دنوں حضرت اقدس لاہور میں تشریف لائے ہوئے تھے اور "محبوب رایوں" کی حویلی واقع ہیرا منڈی میں مقیم تھے۔ حضرت صاحب کی طرف آپکی رہنمائی کرنے والے ڈاکٹر عبد الحکیم خان پٹیالوی تھے۔ جو ان دنوں میڈیکل کالج میں تیسرے سال میں پڑھتے تھے۔ جب آپ حضرت اقدس کی جائے قیام پر پہنچے تو صحن میں بیٹھے

ہُوئے اشخاص میں سے اوّل حضرت مولانا نورالدین صاحب سے آپ کا تعارف کرایا گیا۔ اس کے متعلق میں عم مرحوم کی اپنی بیان کردہ روایت نقل کرتا ہوں "میں نے مصافحہ کے لیے ہاتھ بڑھایا تو آپ (مولانا نورالدین) نے فرمایا کہ اس طرح سے ملاقات میں لطف نہیں آتا۔ آپ نے محبت سے مجھے بغلگیر کیا جس سے مجھے ایک قسم کا سرور حاصل ہُوا اور میرا سینہ سرد ہو گیا اور ایسا معلوم ہوا کہ گویا ایک بجلی کی رَو ہے میرے اندر داخل ہو کر خاص قسم کی طمانیت اور لذت اور سرور سے میرا سینہ بھر دیا ہے۔ یہ وہ کیفیت تھی کہ اس سے پہلے میں اس سے آشنا نہ تھا ——— پھر ہم جب بیٹھک میں گئے تو حضرت مرزا صاحب کو وہاں بیٹھا ہوا پایا۔ آپ نہایت کشادہ پیشانی سے لوگوں کے ساتھ بالکل بے تکلف ہو کر بات چیت کر رہے تھے۔ لوگ سوالات کرتے تھے اور آپ جواب دیتے تھے۔ یہاں تک کہ ایک شخص وارد ہُوا اور اس نے حضرت صاحب کو ان کے منہ پر بے نقط گالیاں دینی شروع کیں۔ حضرت صاحب سر نیچا کر کے اس کی گالیاں سنتے رہے جب وہ گالیاں دیتے دیتے تھک گیا تو حضرت صاحب نے فرمایا کہ بھائی کچھ اور بھی کہہ لے۔ اس سے وہ بہت شرمندہ ہُوا اور حضرت صاحب سے معافی مانگنے لگا اور کہا کہ مجھے معاف کر دیں میں نے آپ کو پہچانا نہ تھا۔ اتفاق سے سامعین میں ایک تعلیم یافتہ ہندو بھی تھا۔ اُس نے کہا کہ حضرت مسیحؑ کے تحمل اور بردباری کا قصّہ تو کتابوں میں پڑھا ہے۔ مگر اس رنگ میں رنگین کوئی شخص دیکھنے میں نہ آیا تھا۔ مرزا صاحب کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ ان کو اس رنگ میں رنگین پایا ہے۔ اس نے یہ بھی کہا کہ یہ شخص کامیاب ہو جائے گا ——— حضرت صاحب کا چہرہ دیکھ کر اور ان کا یہ رویہ دیکھ کر مجھے پختہ یقین ہو گیا کہ یہ شخص صادق ہے جھوٹا نہیں۔ مسئلہ مسائل کی تو ہمیں اس وقت واقفیت نہ تھی اور نہ ہی ان کی ضرورت سمجھی۔ حضرت صاحب غالباً مغرب کا وقت قریب ہونے کی وجہ سے اُٹھ کر اوپر تشریف لے گئے۔ عبدالحکیم خاں صاحب نے مجھے کہا کہ چلو گھر کو چلیں۔ میں نے کہا

کہ نہیں میں تو بیعت کر کے جاؤں گا۔ چنانچہ انہوں نے حضرت صاحب کو حامد علی (مرحوم) ملازم کی معرفت اطلاع دی۔ حضرت صاحب نے ہم کو بالاخانہ پر بلا لیا اور مجھ سے بیعت لی۔ اس زمانہ میں پوری دس شرائط بیعت کا اعادہ کرا کر آپ بیعت لیتے تھے۔ چنانچہ مجھ سے بھی اسی طریق پر بیعت لی۔ اگلے روز میرے چھوٹے بھائی مرزا ایوب بیگ مرحوم بھی اتفاق سے حضرت صاحب کے ہاں جا پہنچے۔ انہوں نے بھی پہلی ملاقات پر حضرت صاحب کی بیعت کر لی جس سے حضرت صاحب بہت خوش ہوئے۔ مگر اس زمانہ میں مخالفت کی شدت کی وجہ سے عوام پر بیعت کا اظہار نہ کیا جاتا تھا۔ اس لیے یکایک نہ میری بیعت کا ان کو علم ہوا اور نہ ان کی بیعت کا مجھے علم ہوا۔ بعد میں یہ حقیقت کھل گئی۔"

("پیغام صلح" قبول احمدیت نمبر نومبر ۱۹۳۳ء)

بیعت کے تاثرات

"بیعت کے بعد ہم دونوں میں ایک خاص تبدیلی پیدا ہوئی یعنی اس سے قبل صوم و صلوٰۃ و دیگر شرعی احکام کی ہم کو آگاہی نہ تھی اور عام نوجوانوں کی طرح شعائر اسلامی کی کوئی خاص اہمیت و عزت دل میں نہ تھی۔ مگر بیعت کے بعد پنج وقتہ نماز بلکہ تہجد پر بھی ہم قائم ہو گئے اور نماز میں خاص رقت اور دلسوزی پیدا ہو گئی اور سچی خوابیں آنی شروع ہوئیں جو کہ ایک بالکل نئی اور دلکش کیفیت اپنے اندر رکھتی تھیں۔ اس وقت تک میں نے قرآن مجید سوائے ایک آدھ پارہ کے نہ پڑھا تھا۔ میں نے قرآن شریف پڑھنا شروع کیا۔ حضرت مولوی رحیم اللہ صاحب ہماری جماعت کے ایک صوفی منش انسان تھے۔ وہ ہم سے بہت محبت کرتے تھے۔ آپ شہر میں واٹر ورکس کے نزدیک سکھوں کی گلی میں ایک مسجد کے امام تھے (جہاں اب مرزا خدا بخش صاحب کا مکان ہے) وہ ہر روز مجھ کو قرآن شریف پڑھانے کے لیے ہمارے مکان واقع انارکلی میں تشریف لاتے اور قرآن مجید پڑھاتے۔ چنانچہ میں نے سیکنڈ ایر کلاس میں تمام قرآن مجید ختم کر لیا۔"

(زیر حوالہ مندرجہ بالا)

مرزا صاحب مرحوم کے والد بزرگوار نے اپنی اولاد کی اعلےٰ تعلیم کا انتظام تو کیا مگر وُہ ان کی دینی بے رغبتی اور شعائرِ اسلام سے لاپرواہی پر بہت آزردہ خاطر رہتے تھے اور اکثر اپنے اس فیصلہ پر افسوس کیا کرتے تھے کہ انہوں نے کیوں اپنے بچوں کو انگریزی تعلیم کے مدرسوں میں داخل کیا اور محض دینیات کی تعلیم پر کیوں اکتفا نہ کیا۔ لیکن حضرت مسیح موعود سے بیعت کرنے کے بعد جب اُن کے صاحبزادگان تعطیلات میں والد صاحب کے پاس گئے تو وُہ اُن میں غیر معمولی تبدیلی دیکھ کر حیران ہو گئے۔ نمازوں میں باقاعدگی اور خشوع وخضوع، تہجد کا التزام، قرآن مجید کی تلاوت، نشست و برخاست میں خوبصورتی اور اعمال میں یکسر تبدیلی سے ان کے والد صاحب بہت متعجب اور مسرور ہوئے اور اللہ تعالےٰ کا شکر کرنے لگے۔ ہر دو بھائیوں نے اپنی بیعت کا واقعہ والد صاحب سے پوشیدہ رکھا تھا، کیونکہ اِن دنوں حضرت صاحب کی مخالفت بہت زوروں پر تھی اور یہ جوان خائف تھے۔ مبادا والد صاحب ناراض ہوں لیکن ع مشک آنست کہ خود ببوید۔ ان کی زبان بیشک بند رہی لیکن صورت حال سے ان کے والد صاحب سمجھ گئے کہ انہیں کوئی مرشدِ کامل مِل گیا ہے۔ آخر انہیں علم ہو گیا کہ یہ حضرت مرزا صاحب کے انفاسِ طیبہ کا اثر ہے اور وُہ بھی حضرت صاحب کے دعاوی کی طرف متوجہ ہُوئے اور پہلا خوشگوار اثر اُن کی طبیعت پر ان کے بچوں کی دینداری سے پیدا ہُوا۔ اس کے بعد مرزا یعقوب بیگ صاحب نے اپنے والد بزرگوار کو بذریعہ خط وکتابت تبلیغ شروع کر دی اور ایک مرتبہ قادیان میں چند روزہ قیام کے دوران آپ نے اسّی صفحات کا ایک خط حضرت مسیح موعود کے دعاوی اور بشارات پر مشتمل اپنے والد صاحب کو لکھا۔ یہ خط حضرت اقدس کی مجلس میں سنایا گیا تھا جس پر حضرت صاحب بہت خوش ہُوئے اور فرمایا کاش ہمارے بیٹے بھی ایسے ہوتے۔ کچھ عرصہ بعد امرتسر میں پادری عبداللہ آتھم سے مباحثہ کے ایّام میں دادا صاحب کی حضرت اقدس سے ملاقات ہُوئی جس سے آپ بہت

متاثر ہوئے۔ آپ چونکہ تصوّف اور ریاضت میں کافی دسترس رکھتے تھے اس لیے آپ کو اولیاء اور خدا کے بندوں سے خوشبو آیا کرتی تھی۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ حضرت اقدس کے وجود سے انہیں اس قدر خوشبو آئی جیسے عطر سے بھرا ہُوا شیشہ آپ کے سامنے رکھا ہو۔ چنانچہ آپ نے جون ۱۸۹۳ء میں حضرت مسیح موعود سے بیعت کی۔ حضرت مولانا نورالدین صاحب علیہ الرحمۃ نے بھی ہمارے دادا صاحب کی عزت افزائی کی خاطر ان کے ساتھ تجدید بیعت کی۔

چند اور برکات حضرت مسیح موعود سے تعلق جوڑنے کے بعد دین و دنیا میں بھلائی ہی بھلائی نظر آنے لگی اور کئی قسم کی نیک تبدیلیاں اور فوائد ظہور میں آنے لگے۔ چند کیفیات مرزا یعقوب بیگ کے اپنے الفاظ میں تحریر کی جاتی ہیں:۔

"میں اپنی پڑھائی میں پہلے سے زیادہ کوشاں ہوگیا اور میرا حافظہ بہت زیادہ ترقی کر گیا اور پُوری توجہ سے میں اپنی کتابیں پڑھتا ہوں۔ جس مضمون کو اب میں ایک بار دیکھ لوں مجھے ازبر ہو جاتا ہے۔ لڑکے جو وقت اپنا کھیل کود اور گپ بازی میں صرف کرتے ہیں وہی وقت میں نماز اور قرآن مجید کے مطالعہ میں صرف کرتا ہوں۔ چنانچہ اس کا نتیجہ یہ ہُوا کہ اگرچہ میں انٹرنس پاس تھا اور میرے ساتھ کئی طالبعلم ایف۔ اے اور بی۔ اے پاس تھے لیکن میں بیعت کے بعد ہمیشہ اوّل نمبر پر پاس ہوتا رہا۔ پہلے سال میرا وظیفہ نہ تھا مگر آخری چار سال حضرت صاحب سے تعلق کی وجہ سے اور برکت سے مجھے وظیفہ ملتا رہا اور آخری امتحان میں اوّل آنے کی وجہ سے مجھے ہاؤس سرجن کیا گیا۔ یہ عہدہ جماعت کے بہترین لڑکے کو دیا جاتا تھا۔"

نوجوانی کے مشاغل حضرت مسیح موعود کی بیعت کے بعد جب کہ آپ کی عمر ۲۰ برس کے قریب تھی جو نمایاں تبدیلی آپ میں پیدا ہُوئی اس

کا مختصر ذکر اُوپر گذر چکا ہے۔ لیکن بیعت سے قبل یہ کیفیت نہ تھی۔ نہ صرف نماز روزہ سے
لاپرواہی اور قرآن مجید سے لاتعلقی تھی بلکہ بعض اور اشغال بھی اصلاح طلب تھے۔ عم مرحوم
کے بڑے عزیز دوستوں میں سے ایک بزرگ مولوی احمد دین وکیل تھے جو بازار حکیماں اندرون
بھاٹی دروازہ میں رہائش رکھتے تھے۔ یہ علامّہ اقبال کے بھی ابتدائی دوستوں میں سے تھے،
اور علامہ کے ابتدائی دَور کی ادبی اور شعری مجالس کے پُرجوش ممبر تھے۔ اقبال پر سب سے
پہلی تصنیف بھی انہی مولوی احمد دین مرحوم کی لکھی ہوئی ہے۔ زندگی کے آخری چند سالوں
میں مولوی صاحب مرحوم ایک طویل بیماری میں مبتلا رہے اور عم مرحوم اکثر انہیں دیکھنے
جایا کرتے تھے اور ایک دو مرتبہ مجھے بھی ان کے ہمراہ جانے کا اتفاق ہُوا۔ ایک دن آپ
نے مولوی صاحب موصوف سے اپنے پرانے تعلقات مودت اور زمانہ طالب علمی کی
باتیں سنائیں اور احسان شناسی کے رنگ میں بیان فرمایا کہ میں مولوی صاحب کا شکر گذار
ہوں کہ انہوں نے میری ایک لغو عادت کی اصلاح کی تھی۔ فرمانے لگے کہ زمانہ طالبعلمی میں
مجھے ناول پڑھنے کی بہت عادت تھی اور اپنی درسی کتابوں کو چھوڑ کر میں ان بازاری ناولوں
کے مطالعہ میں وقت ضائع کیا کرتا تھا۔ مولوی احمد دین صاحب عمر میں چند سال مجھ سے
بڑے تھے اور ایک بڑے بھائی کی طرح میری حرکات و سکنات کی نگرانی بھی کیا کرتے تھے۔
ابتدا ان تعلقات کی یوں ہوئی کہ مرزا صاحب مرحوم کے والد صاحب لاہور میں علاقہ میانیر
کی نہر پر ضلعدار تھے اور اندرون شہر لوہاری منڈی میں ان کی سکونت تھی۔ ان کی ہمسائیگی میں
مولوی احمد دین صاحب کے والد ڈاکٹر الہ دین کی رہائش تھی جو جیل میں ڈاکٹر تھے۔ ۱۸۹۰ء
میں جب مرزا صاحب کے والد صاحب کی تبدیلی ضلع ملتان میں ہوگئی تو وہ اپنے بچوں کو
تعلیم کے لیے لاہور ہی چھوڑ گئے اور ان کے پرانے احباب وقتاً فوقتاً ان کی خبرگیری کرتے
رہتے تھے۔ اس تعلق کی بنا پر مولوی احمد دین صاحب نے ایک مرتبہ جب عم مرحوم کو
ناولوں سے بہت شغف کرتے دیکھا تو اپنے دوست کو یہ عادت ترک کرنے پر مائل کیا۔

بظاہر یہ ایک معمولی سی بات ہے۔ لیکن مرزا یعقوب بیگ عمر بھر مولوی صاحب کے احسان مند رہے اور ان کی اس نیکی کو یاد کرتے رہے۔

نوجوانوں کے لیے کھیل کود کے علاوہ اچھے اور صحت مند مشاغل کی بہت ضرورت ہوتی ہے اور دنیا کی مہذب اور متمدن قومیں اپنے جوانوں کی اس ضرورت کو پورا کرنے کی طرف خاص دھیان دیتی ہیں۔ اگر سوسائٹی اچھے مشاغل مہیا نہ کرے تو نوجوان خود بخود اپنے لیے مشاغل ڈھونڈ لیتے ہیں جو اکثر غیر صحت مند اور برائی کی طرف لے جانے والے ہوتے ہیں۔ اللہ تعالٰی نے ان لوگوں پر بہت بڑا انعام کیا، جنہیں عین عنفوان شباب میں حضرت مسیح موعود کی شناخت کی توفیق ملی۔ یہ لوگ سراسر نیکی کے سانچے میں ڈھل گئے اور **و الذین ھم عن اللغو معرضون** کے مصداق بن گئے۔ امام پاک کی صحبت سے ان میں پاکیزگی پیدا ہو گئی اور یہ طبعاً بدی سے نفرت اور نیکی سے محبت کرنے لگے۔ فراغت کے اوقات میں یہ قرآن پاک کے علوم سے سیراب ہوتے تھے اور ان کی مجالس بزرگان دین اور اہل علم کے ساتھ ہوتی تھیں۔ نمازوں میں باقاعدگی اور تہجد کا التزام ان کے قلوب کو منور کرنے کا ذریعہ تھا اور یہ خدمت اسلام کے جذبہ سے سرشار ہو کر مجاہدین کی صف میں شامل ہونے لگے۔

حضرت مسیح موعود نے اشاعت قرآن کو اس زمانہ کا جہاد قرار دیا اور اپنے متبعین کو اسی جہاد کے لیے جسے قرآن نے بھی جہاد کبیر کے نام سے موسوم کیا ہے تیار کیا۔ اس زمانہ میں اسلام پر چاروں طرف سے حملوں کی یورش تھی۔ دیدمت، عیسائیت، دہریت، لادینی مادہ پرستی اور ہر قسم بہت سے حملہ آور مسلمانوں کو پریشان کر رہے تھے اور مسلمانوں پر کفار کا رعب طاری ہو چکا تھا اور وہ مغلوب ہوتے ہوئے نظر آتے تھے۔ عین اس کمزوری اور مایوسی کے عالم میں حضرت مسیح موعود نے اسلام کی سربلندی اور تفوق کا نعرہ بلند کیا اور سب مخالفین اور حملہ آوروں کو نہ صرف للکارا بلکہ ان کو دلائل سے پچھاڑا اور سب معترضین

کے ایسے دانت کھٹے کئے کہ انہیں پھر اسلام پر حملہ کرنے کی جرأت نہ ہوئی۔ آپ کو رات دن ایک ہی فکر تھی کہ کس طرح اسلام کا بول بالا ہو اور کس طرح دنیا میں قرآن کا پیغام پہنچایا جاتے اور لوگ عقائد باطلہ اور اعمال شنیعہ کو چھوڑ کر اسلام کے دامن میں پناہ لیں اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی کا شرف حاصل کریں۔ یہی روح کم و بیش جماعت کے باقی احباب میں آپ نے سرایت کی اور سب ایک ہی مقصد کو عزیز جانتے تھے کہ ساری دنیا میں اسلام کو سربلند کیا جائے اور تمام ادیان پر اس کا غلبہ ثابت کیا جائے۔ جماعت کے بزرگوں کا بھی یہی وظیفہ تھا اور نوجوانوں کی عملی قوت کے لیے بھی یہی ایک امتحان تھا۔

جوشِ تبلیغ

مرزا یعقوب بیگ صاحب مرحوم ان جوانوں میں سے تھے جو مسیح موعود کے ہر ارشاد کو دل میں جگہ دیتے تھے اور اپنے مرشد کے ساتھ کئے ہوئے عہد " میں دین کو دنیا پر مقدم رکھوں گا " پر ہمہ وقت عمل پیرا رہتے تھے۔ زمانہ طالب علمی میں آپ سلسلہ میں شامل ہوئے اور اس وقت سے لے کر زندگی کے آخری لمحہ تک آپ نے دین کو دنیا پر مقدم کرنے کا عہد نبھایا اور بڑی بڑی آزمائشوں اور کڑے امتحان کے وقت بھی آپ کے قدم ڈگمگائے نہیں بلکہ پوری ثابت قدمی سے آپ اس عہد پر قائم رہے اور آخر دین کی عزت اور غیرت کے لیے جان پر بھی کھیل گئے۔

طالب علمی کے زمانہ میں بھی آپ مختلف مذہبی مجالس اور سوسائٹیوں کے ممبر تھے اور ان مجالس میں شامل ہو کر اسلام کے محاسن پر لیکچر دیا کرتے تھے اور مذہبی مناظروں میں حصّہ لیا کرتے تھے۔ نیوگ اور طلاق کے مسائل، وید اور قرآن کا مقابلہ، ضرورتِ الہام، تعدد ازدواج اور اسی قسم کے اعتراضات کے جواب دینے میں باقی جوانوں سے پیش پیش تھے۔ بظاہر میڈیکل کالج کے طالبعلموں کے پاس فرصت کا وقت نہیں ہوتا۔ ان کی تعلیم کے تقاضے ایسے ہیں کہ رات دن انہیں محنت کرنی پڑتی ہے اور پانچ سال کے لیے دیگر اشغال سے قطع نظر کر کے سارا وقت اپنی پڑھائی پر صرف کرنا پڑتا ہے۔ لیکن مرزا صاحب مرحوم اپنی تعلیمی مصروفیات

کے باوجود دینی مجالس اور قومی تحریکات کے لیے وقت نکال لیا کرتے تھے۔ ان دنوں احمدی نوجوانوں نے اشاعتِ اسلام کے لیے ایک انجمن کی بنیاد رکھی تھی جس کا نام "انجمن فرقانیہ" تھا مرزا یعقوب بیگ صاحب مرحوم ڈاکٹر سید محمد حسین شاہ صاحب مرحوم اور میاں معراج الدین عمر مرحوم اور چند اور نوجوانانِ قوم اس انجمن کے روحِ رواں تھے۔ مرزا یعقوب بیگ صاحب آریہ سماج، برہمو سماج، سناتن دھرم پرتی ندھی سبھا اور عیسائی صاحبان کی مجالس میں بھی شریک ہوتے تھے اور صداقتِ اسلام پر اور دوسرے مذاہب کے بارہ میں اسلام اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مسلک پر لیکچر دیا کرتے تھے نیز باہمی رواداری کو بڑھانے کے لیے دوسرے مذاہب کے نمائندوں کو اپنے جلسوں میں مدعو کیا کرتے تھے۔ مسلمانوں میں بھی ایک ایسی مجلس یا انجمن تھی جو مذہبی جلسوں اور اسلام کے پرچار کا اہتمام کرتی تھی۔ البتہ ان دنوں ایک اور بھی انجمن نوجوانوں کی تھی جو مسلمانوں کو تعلیم کی طرف متوجہ کرتی اور معاشرتی برائیوں اور ہندوؤں سے مسلمانوں کے تقابل وغیرہ موضوعات پر توجہ کرتی۔ اس مجلس کا نام غالباً ینگ مینز محمڈن ایسوسی ایشن تھا اور میاں شاہ دین مرحوم جو بعد میں پنجاب چیف کورٹ کے جج مقرر ہوئے اور ہمایوں تخلص کرتے تھے اس مجلس کے صدر اور روحِ رواں تھے۔

مرزا یعقوب بیگ مرحوم اس مجلس کے بھی پُرجوش اور سرگرم کارکن تھے اور ترکِ رسومات اور معاشرتی برائیوں کے انسداد وغیرہ عنوانات پر لیکچر دیا کرتے تھے۔ آپ کو اسلامی مسائل اور شرعی احکام کا بہت وسیع علم تو نہیں تھا کیونکہ آپ میڈیکل سٹوڈنٹ تھے۔ لیکن اللہ تعالٰے نے اپنے فضل سے آپ کو ذہنِ رسا اور قلبِ صافی عطا کیا تھا اور حضرت مسیح موعود کے انفاسِ قدسیہ نے دین سے محبت اور قرآن مجید کا عشق دل میں پیدا کر دیا تھا اور اسلام کی صداقت کے چند موٹے موٹے اصُول آپ نے ایسے ازبر کر لیے تھے کہ ہر مجلس میں پوری خود اعتمادی کے ساتھ اسلام کی صداقت اور قرآنی تعلیم کی فوقیت پر لیکچر دے آتے تھے۔ کتابی علم سے زیادہ کام کی چیز دل کی لگن اور جوشِ ایمانی ہوتا ہے جو مرزا یعقوب بیگ

صاحب کو خدا نے بحصہ وافر عطا کیا تھا اور اُسی کی برکت سے آپ ہر میدان میں فتح پاتے تھے۔ ویسے حضرت مسیح موعود کی کتب میں مناظرانہ دلائل بھی ایسے قوی ہیں کہ ان کو پڑھ لینے کے بعد ہر احمدی عیسائیوں اور آریوں اور دیگر منکران الہام وغیرہ سے بخوبی بحث کر سکتا ہے چنانچہ یہ احمدی نوجوان ان کتب سے بھی حسب ضرورت استفادہ کرتے تھے۔

طالب علمی کے بعد جب آپ سرکاری ملازمت میں آگئے تو پھر بھی یہ جوش تبلیغ جاری رہا اور آپ جہاں بھی ہوتے جماعت کی تبلیغی سرگرمیوں میں حصہ لیتے رہتے اور اعلائے کلمتہ الحق کے کاموں میں ڈاکٹری پیشہ کی مصروفیات کے باوجود پورے انہماک سے مصروف رہتے۔ ذیل میں ایک خط حضرت میر حامد شاہ صاحب مرحوم سیالکوٹی کا درج کیا جاتا ہے۔ خط پر ۸ اگست تاریخ ہے مگر سنہ درج نہیں۔ اس لیے میں نہیں کہہ سکتا کہ یہ کس سال کا خط ہے۔ البتہ اتنا ظاہر ہے کہ جس زمانہ میں مرحوم مرزا یعقوب بیگ لاہور میڈیکل کالج میں پروفیسر تھے یہ اُس زمانہ سے متعلق ہے۔ بہر حال یہ مرحوم کے جوش تبلیغ اور خدمات دینی کا ایک آئینہ ہے۔

"سیالکوٹ ۸ اگست

جی فی اللہ ڈاکٹر صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

اس آسمانی سلسلہ میں آپ کی تازہ بتازہ خدمات آریوں کے مقابل میں میری بہت ہی خوشی کا باعث ہوتی رہی ہیں ——— جب سنتا ہوں کہ آپ جیسے صالح جوان اپنے پیارے مسیح کی رضا حاصل کرنے اور اپنے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی پاک اور مطہر روح کو خوش کرنے کے لیے اور پھر سب سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ کے اس عظیم الشان امر میں جو آخر دنیا پر اس کے مظہر مسیح اور ناپاک دجال اور اس کے حامی ملعون شیطان کے مقابلہ میں پیش آیا ہے۔ مسیح کی فوج کے ایک بہادر اور کارکن سپاہی بننے

کی کوشش کرتے ہیں۔

میرے پیارے ڈاکٹر صاحب۔ آپ کی روح نے بھی صحابیت کی رنگینی حاصل کی ہے اور یہ جوش آپ کا واقعی مجھ کو صحابہ کا زمانہ یاد دلاتا ہے۔ میرا دل آپ کے لیے بہت محبت کا جوش رکھتا ہے اور اس جوش سے چونکہ مجھے ذاتی خوشی حاصل ہوتی ہے۔ اس لیے میں اس جوش میں کمی آجانے سے تکلیف محسوس کرتا ہوں اور چونکہ میرا جوش آپ کے اس جوش سے جو آپ اس سلسلہ کی تائید میں دکھلاتے ہیں پیدا ہوتا ہے۔ اس لیے میں نہیں چاہتا کہ آپ کا جوش بھی کسی وقت کم ہو۔ اور کیوں کم ہو جب اس جوش میں ہی ہماری اس زندگی کی جو ہم دنیا میں بسر کرنا چاہتے ہیں روح بھری ہوئی ہے اور میں اپنی دلی محبت سے آپ کے اس جوش کے ظاہر ہونے کا ایک اور موقعہ آپ کے سامنے پیش کرتا ہوں۔ اور یہ موقعہ صرف میرے ہی دل کی آرزو کو ساتھ نہیں رکھتا بلکہ میرے پرجوش بھائی شیخ مولابخش صاحب مالک کارخانہ بوٹ و شوز کی بھی بہت ہی دلی آرزو کو اپنے ساتھ رکھتا ہے۔ بلکہ اور بھی چند اصحاب کی آرزو کو جنھوں نے اس موقعہ کو آپ کی خدمت میں پیش کرنے کے واسطے مجھے اس عریضہ کے ارسال خدمت کرنے پر مامور کیا ہے۔

فھو ھذا

شیخ مولابخش صاحب اپنے محلہ میں گرد و پیش اس سلسلہ آسمانی کی اشاعت کا بہت ہی جوش رکھتے ہیں اور وہ چاہتے ہیں کہ ان کے محلہ میں کوئی تعلیمیافتہ آدمی یا کم سے کم کوئی فہیم روح اس پاک سلسلہ کی قدر کرنے سے باقی نہ رہ جائے۔ آج کل ان کو یہ دھن لگی ہوئی ہے کہ میاں رمضان یا محمد رمضان صاحب جو ان کے قریب تر محلہ کی جماعت معماران کا ایک تعلیمیافتہ ممبر ہے اور جو آجکل میڈیکل کالج میں تعلیم پاتا ہے اور جس پر اس کے متعلقین نے اس آسمانی سلسلہ کو سمجھنے کے متعلق بہت کچھ مدار رکھا ہے اور وہ اس بات پر آمادہ ہیں کہ گرمی کی تعطیلوں میں سیّد محمد حسین صاحب خلف سیّد امیر علی شاہ صاحب ملہم کے واپس جانے پر وہ نوجوان

اپنے گھر واپس آنے والا ہے۔ اس کے آنے پر یہ مسئلہ وہ اس کے سامنے پیش کریں چونکہ یہ نوجوان محمد رمضان ایک ہی شخص ان لوگوں میں تعلیم یافتہ اور قابلِ اعتبار ہے، شیخ صاحب خیال فرماتے ہیں کہ اگر اس کا فیصلہ ہو گیا اور وہ اس پاک سلسلہ کی اغراض کو سمجھ گیا اور نورِ یقین سے اس کا دل بھر گیا تو یہ شیخ صاحب کامل فتح کا نقارہ بڑی خوشی سے اپنے محلہ اور اہل محلہ میں بجائیں گے۔ اب اس نوجوان کو جو آپ کے پاس ہے اغراض سلسلہ کے سمجھانے کی پاک خدمت آپ کے سپرد کرتے ہیں اور ان کی آرزو ہے کہ آپ اپنے اسی جوش قلب سے جو پہلے ہی قدر کے قابل ثابت ہو چکا ہے اس نوجوان کے سمجھانے میں مصروف ہو جائیں۔ خدا ایسا کرے کہ جب وُہ سیالکوٹ میں آوے تو آتے ہی اپنے خاندان کے ممبروں کو اس پاک سلسلہ میں داخل ہونے کا قطعی پیغام پہنچا دے۔ اب سیالکوٹ والے منتظر ہیں کہ یہ نوجوان سیالکوٹ میں آپ کے جوش کا کس قدر رنگ لے کر آتا ہے۔ والسلام

خاکسار دعاگو حامد سیالکوٹی"

سیرۃ نبوی کے جلسوں کا اہتمام

مندرجہ بالا مکتوب سے مرزا صاحب مرحوم کے جوش و خروش کا پتہ چلتا ہے کہ کسقدر انہماک سے آپ اغراض دینیہ کی تکمیل میں حصّہ لیتے تھے اور تبلیغ اسلام اور توسیع جماعت کے لیے اپنی گوناگوں مصروفیات اور سرکاری ملازمت کے باوجود وقت نکال لیا کرتے تھے۔ لیکن ان سب کاموں میں خصوصیت سے قابل ذکر آپ کا وہ کارنامہ ہے جس میں آپ کو اولیت کا شرف حاصل ہوا، یعنی حضرت نبی کریم صلعم کے یوم پیدائش پر سیرت کے جلسوں کا اہتمام۔ یہ تحریک سب سے اوّل آپ نے شروع کی اور جماعت احمدیہ نے اسے فروغ دیا اور پھر احمدیوں کی دیکھا دیکھی باقی اسلامی انجمنوں نے بھی اسے شروع کیا اور آج اسے بہت مقبولیت حاصل ہے۔ اللہ تعالے مرحوم کے اس عشق نبیؐ کے طفیل آپ کی بخشش فرمائے۔ آمین

یہاں میں آپ کے جگری دوست اور ہر وقت کے ساتھی اور مونس حضرت ڈاکٹر سید محمد حسین شاہ صاحب مرحوم کی شہادت نقل کرتا ہوں۔ شاہ صاحب مرحوم فرماتے ہیں:۔

"میرے ساتھ آپ کے تعلقات ۴۳ سال سے زیادہ کے رہے ہیں۔ مجھے ان سے دلی محبت تھی اور ان کو مجھ سے۔ ہم اکٹھے ہر ہفتہ قادیان جایا کرتے تھے۔ اس عرصہ میں میں نے دیکھا ہے کہ آپ کی زندگی کا مقصد اول سلسلہ کی اشاعت و حفاظتِ اسلام اور اعلائے کلمۃ اللہ رہا ہے۔ برہموؤں، آریوں، عیسائیوں، سکھوں غرضیکہ ہر ایک مذہب کے جلسوں میں آپ جاتے اور بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے تھے اور ہمیشہ اسلام کی صداقت پر لیکچر دیا کرتے تھے اور باوجود اس کے کل اقوام کے لوگ ان کی دل سے عزت کرتے تھے اور آپ سے محبت رکھتے تھے۔

مرحوم نبی کریم صلعم کے عاشق تھے۔ بڑے ترنم سے نعتیہ اشعار پڑھا کرتے تھے۔ بارہ وفات کے موقع پر سیرۃ نبی کریم صلعم کے جلسہ کرنے کی بنیاد سب سے پہلے آپ نے ہی یہاں رکھی تھی اور یہ کل سیرۃ کمیٹیاں اور بارہ وفات پر سیرت کے لیکچر آپ کی اس تحریک کے بعد ہونے شروع ہوئے ہیں۔ انجمن حمایت اسلام اور انجمن اسلامیہ اور کل مسلمانوں کی تحریکوں میں آپ ساری عمر حصہ لیتے رہے۔"

پیغام صلح ۱۱ مارچ ۱۹۳۶ء

سرکاری ملازمت کے حالات

ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ نے ۱۸۹۷ء میں ایل ایم ایس کا امتحان پاس کیا اور حضرت مسیح موعود کی دعاؤں کے طفیل اوّل پوزیشن حاصل کی۔ جب آپ فائنل امتحان کی تیاری میں مصروف تھے تو آپ نے حضرت اقدس کی خدمت میں دعا کے لیے لکھا اور حضرت نے پوری توجہ سے دعا فرمائی جس کے بعد الہام ہوا "تم پاس ہو گئے"۔ اس کی تشریح حضور نے یوں فرمائی

کہ دعا تو میں نے مرزا یعقوب بیگ کے لیے کی تھی، لیکن چونکہ بوجہ کثیر محبت انہیں میرے ساتھ یگانگت کا تعلق ہے اس لیے مجھے مخاطب کر کے بشارت دی گئی ہے اگرچہ اس سے مراد مرزا یعقوب بیگ کی کامیابیٔ امتحان ہے۔ یہ واقعہ "حقیقتہ الوحی" میں منجملہ دیگر نشانات کے مذکور ہے اور "تذکرہ" میں بھی اس کا ذکر ہے۔

امتحان میں اس نمایاں کامیابی پر آپ میو ہسپتال لاہور میں ہاؤس سرجن مقرر ہو گئے اور اس سے آپ کی سرکاری ملازمت کا آغاز ہوا۔ اسی زمانہ میں پنڈت لیکھ رام کے قتل کا خدائی نشان ظہور میں آیا۔ لیکھ رام کا پیٹ قاتل کے خنجر سے چاک ہوا اور انتڑیاں باہر آ گئیں اور اُسے فوراً میو ہسپتال میں پہنچایا گیا جہاں کرنل پیری جو اس زمانہ کا مشہور سرجن تھا ٹانکے لگانے میں مصروف ہو گیا۔ مرزا یعقوب بیگ صاحب بطور اسسٹنٹ اس کے ساتھ کام کر رہے تھے اور جب کرنل پیری نے انہیں "مرزا صاحب" کہہ کر پکارا تو لیکھ رام نے فوراً آنکھیں کھول دیں اور ادھر اُدھر دیکھنے لگا کہ مرزا صاحب (یعنی حضرت مسیح موعود) یہاں کیسے آ گئے۔ اس واقعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس کے دل پر حضرت مرزا غلام احمد صاحب کا کس قدر رعب طاری تھا اور وہ خوب جانتا تھا کہ اس کی موت حضرت اقدس کی پیشگوئی کے مطابق ہی وقوع میں آ رہی ہے۔

ایک سال ہاؤس سرجن رہ کر آپ بطور اسسٹنٹ سرجن وزیر آباد میں تبدیل ہوئے اور یہاں ایک سال قیام کے بعد آپ فاضلکا (ضلع فیروز پور) میں تعینات ہوئے۔ یہاں قریب دو سال قیام کے بعد آپ سول ہسپتال جہلم میں تبدیل ہو گئے اور دو سال جہلم میں قیام کے بعد آپ میو ہسپتال لاہور میں آ گئے اور اس جگہ بھی قریب دو سال قیام کے بعد آپ پھر بطور اسسٹنٹ سرجن شاہ پور صدر میں تبدیل ہوئے اور وہاں سے ۹ اپریل ۱۹۰۶ء کو تبدیل ہو کر دوبارہ میو ہسپتال لاہور میں آئے جہاں آپ میڈیکل سکول میں پروفیسر اناٹومی اور کنگ ایڈورڈ میڈیکل کالج میں سینیئر ڈیمانسٹریٹر کی حیثیت سے خدمات سرانجام دیتے رہے۔

آپ کی سرکاری ملازمت کا کل عرصہ اٹھارہ سال ہے جس میں سے صرف چھ سال آپ نے مفصلات میں بطور اسسٹنٹ سرجن کام کیا اور بارہ سال کی مدت میو ہسپتال اور میڈیکل کالج میں گذاری جہاں آپ ہسپتال میں ڈاکٹر اور بطور پروفیسر مختلف اسامیوں پر فائز رہے اور خان بہادر ڈاکٹر رحیم خان اور ڈاکٹر بیلی رام ایسے مشہور ڈاکٹروں کے جانشین کے طور پر کام کرتے رہے۔

ڈاکٹری کے آخری امتحان میں کامیابی کے بعد آپ قادیان تشریف لے گئے اور ملازمت کا حکم آپ کو وہیں پہنچا۔ آپ یہ حکم لے کر حضرت اقدس کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ اب آپ ایک نئی زندگی میں داخل ہو رہے ہیں اس لیے حضور انہیں مناسب ہدایات دیں۔ حضرت مسیح موعود نے نصیحت فرمائی کہ بہ حیثیت طبیب اور معالج آپ کا تعلق محض انسان کے جسم سے ہوگا نہ کہ اس کی روح کے ساتھ۔ اس لیے آپ کی نگاہ میں ایک عابد و زاہد اور ایک کافر و سرکش، ایک مومن اور ایک دہریہ، ایک نیک انسان اور ایک بدکار شخص مریض کی حیثیت سے ایک ہونے چاہئیں اور آپ ان میں کوئی فرق نہ کریں۔ چنانچہ ڈاکٹر مرزا صاحب مرحوم نے تمام عمر اس نصیحت پر عمل کیا اور اللہ تعالےٰ نے انہیں طبیب اور معالج کی حیثیت سے غیر معمولی مقبولیت اور شہرت عطا فرمائی۔ ان کے ہاتھ میں بڑی شفا تھی اور ان کے قلب میں سوز اور ہمدردی حد درجہ کی موجود تھی۔ چنانچہ وہ اپنے بیماروں کے لیے دوا کے علاوہ دعا بھی کیا کرتے تھے اور اللہ تعالےٰ ان کی دعائیں سنتا تھا۔

وزیرآباد وزیرآباد میں ایک شخص حافظ عبدالمنان حضرت مسیح موعود اور سلسلہ احمدیہ کے اشد مخالف تھے۔ جب مرزا یعقوب بیگ وزیرآباد میں اسسٹنٹ سرجن ہو کر آئے تو حافظ عبدالمنان نے ان کے بائیکاٹ کا فتویٰ دیا اور ہر طرح مخالفت کی۔ مشیت ایزدی سے یہ حافظ صاحب ایک خطرناک بیماری میں مبتلا ہو گئے اور ادھر اُدھر سے کئی قسم کے علاج کروائے مگر فائدہ نہ ہوا۔ بالآخر انہیں مرزا یعقوب بیگ

کے پاس آنا پڑا اور مرزا صاحب موصوف نے بغیر کسی کدورت اور ملال کے پوری توجہ سے حافظ صاحب کا علاج کیا جس سے وہ شفایاب ہو گئے اور بعد ازاں اختلاف عقائد اور فتویٰ کفر کے باوجود وہ مرزا یعقوب بیگ صاحب کی بےحد تعظیم کرتے اور دل سے ان کے معتقد ہو گئے۔ اسی طرح حضرت مسیح موعود کے سب سے بڑے مخالف اور راس الملکفرین مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی بھی مرزا یعقوب بیگ کے بےحد مداح اور عقیدت مند تھے۔ چونکہ وہ بٹالہ کے رہنے والے تھے اور قادیان یا کلانور جانے کے لیے ریلوے سٹیشن بٹالہ ہی تھا اس لیے بارہا بٹالہ میں مولوی محمد حسین صاحب سے ملاقات ہو جاتی تو وہ بہت اصرار سے مرزا صاحب مرحوم کو اپنے مکان پر لے جاتے اور بہت خاطر مدارت کرتے۔ ایک مرتبہ کہنے لگے کہ آپ کا مجھ پر اور اس گھر پر بہت حق ہے۔ اس گھر میں حضرت مرزا صاحب (مسیح موعودؑ) بھی آیا کرتے تھے۔ ایک دفعہ مولوی محمد حسین کی سخت بیماری میں جب مرزا یعقوب بیگ نے بہت توجہ سے علاج کیا تو وہ شفایابی کے بعد سرکردہ اہلحدیث کا ایک وفد بنا کر لاہور میں مرزا صاحب مرحوم کے مکان پر آئے اور ان کا شکریہ ادا کیا اور اس کے بعد اپنی وفات کے زمانہ تک مولوی محمد حسین مرزا صاحب کے ہاں آتے رہے۔

وزیر آباد میں عم مرحوم نے قریب ایک سال قیام کیا اور مزید کوئی خاص قابل ذکر واقعات مجھے معلوم نہیں۔ البتہ میں نے یہ دیکھا تھا کہ حضرت شیخ نیاز احمد صاحب مرحوم سے مرزا یعقوب بیگ صاحب کو بڑی محبت تھی اور اسی طرح شیخ محمد جان صاحب مرحوم اور شیخ صاحب کے بڑے بھائیوں سے۔ غالباً اس کی ابتدا بھی مرحوم کے قیام وزیر آباد سے ہوئی تھی۔ واللہ اعلم

فاضلکا

ضلع فیروزپور کی تحصیل فاضلکا جرائم اور قتل و غارت میں دوسرے علاقوں سے بہت آگے تھی اور کھانے پینے والے ڈاکٹر کے لیے یہاں دولت جمع کرنے کا بڑا موقع تھا۔ لیکن مرزا صاحب مرحوم نے اپنے دو سالہ قیام میں وہاں دیانت داری کا

ایک عجیب نمونہ دکھایا۔ ایک مرتبہ ایک متمول سکھ سردار قتل ہوگیا۔ اس کا مخالف گروہ اس سے بھی زیادہ متمول تھا۔ اب ہر دو فریق نے بہت سی دَولت پیش کی کہ پوسٹ مارٹم کی رپورٹ ان کے حسب منشا دی جائے اور مرزا صاحب کے صریح انکار پر ایک فریق نے مُردہ سکھ کے وزن کے برابر سونا تول کر دینے کی پیشکش کی۔ لیکن آپ نے اس کو بھی حقارت سے ٹھکرا دیا اور جو صحیح کوائف تھے وہی رپورٹ میں درج کئے۔ آپ کی اس بے نظیر ایمانداری اور متقیانہ زندگی کا ہر کس و ناکس معترف تھا اور علاقہ کے ہندو، مسلمان، سکھ، عیسائی سب آپ کے اخلاق حسنہ کے گرویدہ تھے۔ جب فاضلکا سے آپ کا تبادلہ جہلم ہو جانے کی خبر یہاں پہنچی تو شہر کے معززین ایک وفد کی صُورت میں انسپکٹر جنرل سول ہسپتال ہائے پنجاب کے پاس گئے اور بہت کوشش کی کہ مرزا صاحب کا تبادلہ منسوخ ہو جائے اور وُہ فاضلکا میں ہی رہ جائیں۔ لیکن انسپکٹر جنرل نے وفد کو سمجھایا کہ ایسے اچھے ڈاکٹر کو وہ ایک بڑے ہسپتال اور ایک ضلع کے صدر مقام پر بھیجنا پسند کرتے ہیں اور تبادلہ منسوخ نہ ہوا۔ یہ لوگ مایوس واپس آئے اور مجبوراً مرزا صاحب کو الوداع کہا اور بڑے اعزاز اور اکرام سے انہیں رخصت کیا۔

آپ کی امانت و دیانت، حسن اخلاق اور نیکی کا اثر نہ صرف عام پبلک اور علاقہ کے زمینداروں پر تھا بلکہ آپ کے ماتحت بھی بلا لحاظ مذہب و ملّت آپ کے گرویدہ تھے اور آپ کے ساتھ ہی تبدیل ہو کر چلے جانا چاہتے تھے۔ فاضلکا میں آپ کا ایک کمپونڈر بوٹا رام نامی تھا۔ جب مرزا یعقوب بیگ صاحب نے سرکاری ملازمت سے استعفٰے دیکر پرائیویٹ پریکٹس لاہور میں شروع کی تو یہ بوٹا رام بھی اپنی ملازمت چھوڑ کر آپ کے پاس آگیا اور سالہا سال تک وہ اور اس کا بیٹا بھگوان داس آپ کی خدمت میں رہے اور آپ کی ڈسپنسری میں کام کرتے رہے۔ بعد میں بھگوان داس وغیرہ نے شہر فیروز پور میں ادویات کی ایک بڑی دکان کھول لی۔

فاضلکا میں آپ کے سب سے بڑے فرزند مرزا داؤد بیگ کی ولادت ۱۰ جنوری

۱۹۰۰ء کو ہوئی۔ اور اسی جگہ پر آپ کے نہایت ہی پیارے بھائی مرزا ایوب بیگ اپنی زندگی کے آخری ایام میں آپ کے زیر علاج رہے اور بالآخر ۲۸۔ اپریل ۱۹۰۰ء کو اس دارفانی سے انتقال کیا اور فاضلکا میں ہی مدفون ہوئے۔

جہلم فاضلکا سے جب آپ جہلم تشریف لائے تو آپ کے لیے خدمتِ خلق کے مواقع میں اور وسعت ہو گئی۔ یہاں آپ نے عملِ جراحی کی طرف زیادہ توجہ دی اور دُور دُور سے لوگ اپریشن کرانے کے لیے آپ کے پاس آنے لگے۔ جنرل سرجری کے لیے موتیا بند کے اپریشن میں خصوصاً آپ نے بہت مہارت اور شہرت حاصل کی اور اپنے کئی ساتھیوں کو بھی کٹیاریکٹ کے اپریشن میں ماہر بنایا اور ہزاروں بندگانِ خدا نے آپ کی توجہ سے دوبارہ آنکھوں کا نور حاصل کیا۔ آپ کی اس شہرت کے پیشِ نظر جہلم سے آپ کا تبادلہ میو ہسپتال لاہور میں ہُوا۔

جہلم میں قیام کے دوران آپ کو خدمت سلسلہ کا بھی بیش از پیش موقع ملا۔ خوش قسمتی سے یہاں دو اور مخلص احمدی اور سلسلہ کے مقتدر ممبر سرکاری ملازمت کے سلسلہ میں موجود تھے یعنی نواب خان صاحب تحصیلدار اور ڈاکٹر محمد دین صاحب، خاں نواب خاں صاحب ہریانہ ضلع ہوشیارپور کے رہنے والے اور حضرت اقدس کے اوّلین صحابہ میں سے تھے۔ ان کا نام بھی ۳۱۳ کی فہرست میں نمبر ۸۲ پر درج ہے۔ ان کے دو صاحبزادے عبدالحمید خان اور عبدالکریم خاں تھے۔ عبدالحمید خاں فوت ہو چکے ہیں اور رانا عبدالکریم خاں فوجی ملازمت کے بعد اب راولپنڈی میں موٹروں کا کاروبار کرتے ہیں۔ دوسرے بزرگ حاجی ڈاکٹر محمد دین صاحب کھاریاں کے رہنے والے تھے اور ہسپتال میں بطور سب اسسٹنٹ سرجن آپ کے ساتھ کام کرتے تھے۔ یہ ڈاکٹر عبدالعزیز صاحب پنشنر سول سرجن (حال صدر جماعت احمدیہ پشاور) کے چچا اور خسر اور مولوی مرتضیٰ خاں صاحب حسن مرحوم کے بھی خسر تھے۔ انہوں نے جدہ (عرب) اور کابل (افغانستان) میں بھی بطور ڈاکٹر خدمات سرانجام دیں اور

پھر پشاور میں عرصہ تک پرائیویٹ پریکٹس کرتے رہے اور بالآخر اپنے وطن کھاریاں میں آگئے جہاں نومبر ۱۹۵۴ء میں آپ نے انتقال فرمایا۔ ان ہر سہ بزرگوں کے وجود سے جہلم میں جماعت کو بھی خوب ترقی حاصل ہوئی اور احمدیت کی مقبولیت اور وقار میں بہت اضافہ ہوا۔ اس کے بعد جہلم کے علاقہ میں احمدیت کو اس وقت بہت فروغ حاصل ہوا جب حضرت اقدس مولوی کرم دین کے دائر کردہ مقدمات کے سلسلہ میں جہلم تشریف لے جاتے رہے —

جہلم میں آپ کی بھتیجی اور مرزا ایوب بیگ مرحوم کی واحد نشانی عصمت نشان کا بعمر پانچ سال ۱۱۔ اکتوبر ۱۹۰۰ء کو انتقال ہوا۔

شاہ پور جہلم سے عم مرحوم کا تبادلہ لاہور میو ہسپتال اور میڈیکل کالج میں ہوا اور یہاں سے ۱۹۰۴ء میں آپ بطور اسسٹنٹ سرجن شاہ پور صدر تبدیل ہوئے اور قریب دو سال اس علاقہ کے لوگوں کی خدمت کی۔ یہاں بھی اللہ تعالیٰ نے آپ کو بہت عزت اور مقبولیت عطا فرمائی۔ عوام الناس کے علاوہ علاقہ کے سربرآوردہ زمیندار، نون اور ٹوانے آپ کے اوصافِ حمیدہ اور طبّی مہارت کے قائل ہو گئے۔ اسی زمانہ میں جنرل ملک سر عمر حیات خان ٹوانہ سے آپ کے گہرے مراسم استوار ہوئے جو آپ کے لاہور آ جانے کے بعد بھی قائم رہے اور وہ وقتاً فوقتاً کسی پیچیدہ بیماری یا خاص ضرورت کے لیے آپ کو شاہ پور بلایا کرتے تھے۔ آپ کے قیام شاہ پور کے دوران ہی ملک خضر حیات خاں ٹوانہ کی پیدائش ہوئی تھی جس پر بہت خوشیاں ہوئیں اور جشن منائے گئے کیونکہ اس سے قبل ملک عمر حیات خاں اس نعمت سے محروم تھے۔ اسی طرح جب ملک خضر حیات خاں کے بچے کی پیدائش کا وقت آیا تو عم مرحوم کو خاص طور پر لاہور سے بلایا گیا اور آپ کے شاہ پور جانے پر ملک خضر حیات خاں ٹوانہ کو بھی اللہ تعالیٰ نے فرزند نرینہ عطا کیا۔ ملک خضر حیات خاں کی والدہ محترمہ جنہیں عرف عام میں ملکانی صاحبہ کہا جاتا تھا خصوصیت سے مرزا یعقوب بیگ

صاحب کی معتقد تھیں اور لبا اوقات کالرہ اسٹیٹ کے مقامی ڈاکٹر کو جو ایک سِکھ تھے لاہور بھیج کر مرزا صاحب سے طبّی مشورہ لیا کرتی تھیں اور جب وہ آپ سے نسخہ لکھوا کر لے جاتا تو پھر ان کی تسلّی ہوتی۔ ملکانی صاحبہ جب لاہور تشریف لاتیں تو دیال سنگھ کالج کے بالمقابل بیڈن روڈ پر اپنی ملکیتی کوٹھی میں قیام فرماتیں اور مرزا صاحب مرحوم ایک دو بار اُن کی ملاقات کے لیے ضرور تشریف لے جاتے۔

ضلع شاہ پور کے ایک اور مقتدر رئیس ملک مبارز خاں سے بھی (جو غالباً ملک عمر حیات خاں کے قریبی عزیز تھے) مرحوم مرزا صاحب کے خصوصی مراسم تھے۔ مرحوم نے انہیں سلسلہ احمدیہ کی طرف بھی متوجہ کیا اور ملک صاحب کی زیرِ صدارت بحث و مباحثہ کی مجالس منعقد ہوئیں تاکہ اس سلسلہ کے خصوصی مسائل کی چھان بین کی جا سکے۔ ملک مبارز خاں صاحب کو مرحوم نے وقتاً فوقتاً تبلیغی خطوط بھی لکھے۔

میڈیکل کالج لاہور

مرحوم مرزا صاحب شاہ پور صدر سے تبدیل ہو کر لاہور میڈیکل کالج میں ڈاکٹر بیلی رام کی جگہ آئے اور قریب دس سال بہ حیثیت استاد بہت سے نوعمر ڈاکٹروں کی راہبری کا موجب ہوئے اور ایک مثالی کردار پیش کیا۔ چنانچہ آپ کے ایک شاگرد رشید اور ہماری جماعت گوجرانوالہ کے مکرم بزرگ ڈاکٹر حسن علیخاں صاحب فرماتے ہیں:- "ہر مذہب و ملّت کے طلبہ مرحوم کے اخلاقِ حسنہ اور اعلیٰ سلوک کے ہمیشہ مدّاح تھے۔ مرحوم کے دل میں اپنے پیارے شاگردوں کے لیے ایک خاص قسم کی محبت تھی جو کسی صورت میں بھی دیگر استاد صاحبان کو نصیب نہ ہو سکی۔ چنانچہ جب بد قسمتی سے ۱۹۰۶ء کے ماہ مئی میں لاہور میڈیکل سکول کے طلبہ نے چند شکایات کی بنا پر سٹرائک کر دی تھی اس وقت کے جملہ طلبہ نے باہم مل کر جو میموریل شکایات کے انسداد کے لیے حکام اعلےٰ کی خدمت میں روانہ کیا تھا اس میں حضرت مرزا یعقوب بیگ صاحب مرحوم کے اعلیٰ سلوک کا نہایت عمدہ پیرایہ میں ذکر کیا تھا اور جس امر کو اس وقت کے حکام اعلےٰ محکمہ طبیہ نے

بھی بہت پسند کیا اور اس پر خوشی کا اظہار فرمایا تھا۔ مرحوم ہمیشہ کالج سے کامیاب ہو کر چلے جانے والے شاگردوں کو نصیحت فرماتے کہ خدا سے ڈرنا، مخلوق خدا کی خدمت اور ہمدردی کرنا، بیماروں کے لیے دعا کرتے رہنا، رشوت نہ لینا، جھوٹ سے بچنا، بُری عادت کو اختیار نہ کرنا وغیرہ وغیرہ۔"

("پیغام صلح" ۱۱ر مارچ ۱۹۳۶ء)

بہ حیثیت ایک ڈاکٹر اور بہ حیثیت استاد میڈیکل کالج آپ کو اپنے پروفیشن کی عظمت اور افادیت کا بہت احساس تھا اور آپ اکثر جماعت کے نوجوانوں کو اس پیشہ میں آنے کی ترغیب دلاتے تھے چنانچہ ڈاکٹر غلام محمد صاحب مرحوم فرمایا کرتے تھے کہ ان کے ڈاکٹری کی طرف آنے کے محرک بھی مرزا صاحب مرحوم ہی تھے۔ جب ڈاکٹر صاحب مکرم کے والد بزرگوار داروغہ نبی بخش صاحب مرحوم نے مرزا صاحب سے مشورہ کیا تو آپ نے فوراً میڈیکل کالج کی راہ دکھائی اور ڈاکٹر صاحب کو وہاں داخل کرا یا گیا۔

میڈیکل پریکٹیشنر کی حیثیت سے آپ کا کردار

مرزا یعقوب بیگ صاحب مرحوم نے ۱۹۱۵ء میں سرکاری ملازمت سے استعفےٰ دیا اور پھر لاہور میں ایک آزاد پریکٹیشنر کی حیثیت سے کام کرنے لگے۔ نو دس سال قبل سے ہی آپ لاہور میں مقیم تھے اور میڈیکل کالج کے سٹاف پر ہونے کی وجہ سے آپ کی پرائیویٹ پریکٹس بھی خدا کے فضل سے اچھی تھی۔ احمدیہ بلڈنگس میں آنے سے قبل آپ کی رہائش گمٹی بازار لاہور میں تھی جہاں معقول پیمانہ پر آپ کی پریکٹس چلتی تھی۔ آپ کا رہائشی مکان واقعہ احمدیہ بلڈنگس لاہور ۱۹۱۰ء میں تعمیر ہوا اور پھر آپ یہاں منتقل ہو گئے اور یہاں پریکٹس کا دائرہ اور بھی وسیع ہو گیا۔ برانڈرتھ روڈ پر ہی آپ نے احمدیہ ڈسپنسری کے نام سے ایک دوائی خانہ بھی قائم کیا جہاں آپ کے نسخہ جات تیار ہوتے تھے۔ اس کی نگرانی بطور مینجر کچھ عرصہ تک آپ

کے برادر خورد اور راقم کے والد مرزا سکندر بیگ صاحب مرحوم کے سپرد رہی اور چند سال بعد محض دو کمپونڈر لالہ بوٹا رام اور ان کا بیٹا کام چلاتے رہے۔ اس کے بعد ڈاکٹر سیّد مشتاق علی سب اسسٹنٹ سرجن دوائی خانہ کے مینجر اور آپ کے عمومی کام میں بھی معاون کے طور پر کام کرتے رہے۔ ۱۹۲۳ء سے لے کر مرحوم کی وفات تک یہ ڈسپنسری جس کا نام اب احمدیہ فارمیسی تھا چوہدری فقیر اللہ خاں چلاتے رہے۔ فقیر اللہ خاں صاحب نے جس اخلاص اور محنت اور دیانتداری سے مرزا صاحب مرحوم کی خدمت کی اور ان کے کاروبار کو سنبھالا اس کا مرحوم نے ہمیشہ اعتراف کیا اور ان کی دیانت اور ایمانداری کی نہ صرف داد دی بلکہ قدر افزائی بھی کی اور پھر اللہ تعالےٰ نے بھی انہیں ایسی برکت دی کہ یہ فقیر اللہ خاں ابھی تک مرحوم مرزا یعقوب بیگ کے مطب کا دروازہ کھولے بیٹھے ہیں اور اپنا کام کر رہے ہیں بلکہ اپنے بچوں کو بھی اسی لائن میں ٹریننگ دے کر اپنا معاون بنا چکے ہیں۔

مرزا صاحب کی پریکٹس میں خدا تعالےٰ نے بڑی برکت دی اور چونکہ انہوں نے محض ابتغاء لمرضات اللہ اور خدمتِ دین کے ولولہ سے ایک معزز سرکاری عہدہ پر لات ماری تھی۔ اس لیے اللہ تعالےٰ نے انہیں عزت بھی بخشی اور دولت بھی عطا کی۔ مرحوم اپنے زمانہ میں لاہور کے چوٹی کے ڈاکٹروں میں شمار ہوتے تھے اور آپ کی بڑی پریکٹس تھی۔ یہ تو ممکن ہے کہ بعض اور ڈاکٹروں نے آپ سے زیادہ روپیہ کمایا ہو کیونکہ آپ غربا کا مفت علاج کرتے تھے اور واقف کاروں سے کوئی فیس نہ لیتے تھے اور لحاظ مندی اور تعلقات کا پاس کرتے تھے اور یہ سب چیزیں کمائی میں مدد نہیں کرتیں۔ لیکن خدا نے آپ کو جو شہرت اور نیک نامی عطا کی وہ بہت کم لوگوں کو نصیب ہوتی ہے۔

آپ کا مطب اور آپکے معاونین

آپ نے اپنے مطب کو اعلےٰ پیمانہ پر چلایا اور اُسے ایک ہسپتال کی شکل دی جس کا نام "احمدیہ ہسپتال امراض چشم و عملِ جراحی" تھا۔ آپ نے وسیع رہائشی مکان کی نچلی منزل کا ایک حصہ مریضوں

کے رہنے کے لیے وقف کیا اور ایک عمدہ اپریشن تھیٹر تعمیر کرایا۔ اکثر مکان کی زیریں منزل تمام کی تمام مریضوں سے بھری رہتی تھی۔ نہ صرف لاہور بلکہ پنجاب کے مختلف اضلاع سے مریض آپ کے پاس آتے تھے خصوصاً سرگودھا، شاہ پور، جہلم، فیروزپور وغیرہ مقامات جہاں آپ کسی زمانہ میں رہ چکے تھے وہاں سے مریض کثرت سے آیا کرتے۔ بڑے بڑے متمول زمیندار اور چوہدری اور صاحب حیثیت لوگ بھی آتے اور متوسط طبقہ کے لوگ اور غربا بھی آتے۔ مستورات کی امراض کی تشخیص کے لیے آپ ہمیشہ ایک لیڈی ڈاکٹر کو اپنے ساتھ رکھتے۔ شروع میں مسز لاوٹ اور مسز شلورٹن کئی سال تک کام کرتی رہیں اور بعد میں ایک مستند دائی زینب بی بی جو ایک نومسلمہ تھی اور مرزا صاحب مرحوم اس کے نومسلمہ ہونے کی وجہ سے اس کی بڑی قدر کرتے تھے کئی سال تک کام چلاتی رہی۔

ڈاکٹر صاحب مرحوم اپنے وسیع کاروبار میں ایک معاون کی ضرورت بھی محسوس کرتے تھے چنانچہ سال ہا سال تک ایک اسسٹنٹ سرجن کو وہ اپنے ساتھ بطور مددگار کے رکھتے رہے۔ اکثر جماعت کے ایسے نوجوان دوست جنھوں نے ایم بی بی ایس کا امتحان پاس کیا ہوتا اور ملازمت سرکاری کے اُمیدوار ہوتے وہ چند ماہ یا ایک سال ملازمت ملنے تک عملی تجربہ حاصل کرنے کے لیے آپ کے ساتھ کام کرتے اور پھر اللہ تعالیٰ جلدی ان کی ملازمت کا انتظام بھی کر دیتا اور اس طرح بہت سے ایسے ڈاکٹر جنھوں نے ابتداء میں مرحوم کے ساتھ کام کیا تھا بڑے بڑے عہدوں پر پہنچے۔ آپ کے ان معاونین میں سے ڈاکٹر شجاعت علی۔ ڈاکٹر الہ بخش۔ ڈاکٹر شیخ عطاء اللہ۔ ڈاکٹر نذیر احمد بھٹہ۔ ڈاکٹر محمد فاضل بٹ۔ ڈاکٹر عبدالرحمٰن مرحوم۔ ڈاکٹر شیخ فضل الرحمٰن۔ ڈاکٹر نذیر احمد ملک اور ڈاکٹر مرزا رفیق بیگ کا نام قابلِ ذکر ہے۔

مرحوم کی ہمدردی خلائق

مرحوم مرزا صاحب اپنی طبی مہارت کے علاوہ اخلاقِ حسنہ اور مریضوں سے ہمدردی اور حسنِ سلوک میں بھی

عدیم المثال تھے۔ پرائیویٹ پریکٹیشنر کا تمام تر مدار اس آمدنی پر ہوتا ہے جو وہ لوگوں سے وصول کرے اور مفت خوروں کو وہ خیراتی ہسپتال کی راہ دکھاتا ہے لیکن مرزا صاحب کے ہسپتال میں کئی غربا بھی آجاتے جن کا اپریشن بھی مفت ہوتا، پٹی اور ڈریسنگ اور دوائی مفت دی جاتی۔ کھانا مرحوم کے گھر سے انہیں ملتا اور شفایابی کے بعد جب وہ رخصت ہوتے تو انہیں واپسی کا کرایہ اور دودھ وغیرہ کے لیے کچھ رقم بھی دی جاتی۔ ایسی کئی مثالیں میرے مشاہدہ میں آئی ہیں کہ آپ نے محض اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر مسکینوں اور غریبوں سے بہت ہمدردی کا سلوک کیا۔

آپ کے مطب میں ہر قسم کے لوگ آتے تھے۔ مقامی لوگوں کے علاوہ غیر ملکی اور اجنبی مسافر آپ کی وسیع شہرت کے پیش نظر یہیں پہنچتے اور علاج کے علاوہ خاطر مدارات بھی کراتے۔ ایک مرتبہ چند سفید فام اور خوش شکل عورتیں ایک سفید ریش مرد کے ہمراہ جو سب عربی بول رہے تھے وارد ہوئے اور مرحوم نے انہیں اہل عرب یا مصری سمجھتے ہوئے بہت آؤ بھگت کی اور طبی مشورہ کے علاوہ چائے وغیرہ سے بھی ان کی تواضع کی۔ ایک دو دن کے بعد جب وہ پھر آئے تو کسی واقف کار نے آپ کو بتایا کہ یہ لوگ یہودی ہیں اور وہ عورتیں پیشہ ور طوائفیں ہیں جنہیں عرب یا مصری سمجھا گیا ہے۔ لیکن ڈاکٹر صاحب مرحوم کی طبیعت میں ذرا ملال نہ آیا اور آپ نے مسکراتے ہوئے فرمایا کہ کچھ حرج نہیں اگر وہ طوائفیں ہیں تو بھی بہ حیثیت مریض انہیں یہاں آنے کا حق ہے اور آپ کا بطور معالج انہیں پوری توجہ دینا فرض ہے۔ یہ بلند اخلاقی اور رواداری آپ کے کردار کا نمایاں پہلو تھا۔

غیر متعصّب طبیعت

تعصب ایک ایسی لعنت ہے جو نیکی میں روک بنتی ہے اور اس سے محبت اور انسانی ہمدردی کی بجائے منافرت پیدا ہوتی ہے۔ مرحوم کی طبیعت تعصّب سے پاک تھی اگرچہ آپ ہر مسلمان سے محبت کرتے تھے اور احمدی مسلمان سے بہت زیادہ الفت کا اظہار کرتے تھے تو یہ ان کا حق تھا لیکن کسی

غیر مذہب والے شخص سے بوجہ اس کے عقیدہ کے آپ نے تعصّب کا سلوک نہیں کیا اور
آپ کے پاس ہندو، سکھ، عیسائی سب مذاہب کے لوگ آتے تھے۔ آہستہ آہستہ جب
ہندو مسلمانوں کے تعلقات کشیدہ ہوتے گئے تو اس کیفیت میں کمی واقع ہونے لگی اور آہستہ
آہستہ ہندوؤں کی آمد و رفت مُسلمانوں کے پاس کم ہوتی گئی۔ لیکن پھر بھی شہر میں
چند مقتدر ہندو خاندان جو شروع سے آپ کے زیر علاج رہتے تھے آخر تک اسی پر
قائم رہے ۔ لاہور کے ایک ہندو رئیس لالہ حاکم رائے جو پرانی انارکلی میں لاج روڈ پر
رہتے تھے مرزا صاحب مرحوم کے پرانے معتقدین میں سے تھے۔

ان کی وفات کے بعد ان کی بیوی اور ان کا بیٹا ہری کشن لال بھی ہمیشہ مرزا صاحب
مرحوم سے علاج کراتے رہے۔ ایک دفعہ جب ہری کشن لال بہت بیمار ہوتے اور مرزا صاحب
مرحوم ان کا علاج کر رہے تھے تو لالہ حاکم رائے کی بیوی نے علیحدگی میں مرزا صاحب مرحوم سے
کہا کہ ہری کشن لال کے سُسرال والوں کے معالج ڈاکٹر نہال چند سیکری ہیں اور ہری کشن لال
کی ساس بہت اصرار کرتی ہے کہ ان کے فیملی ڈاکٹر کو بھی بلایا جائے اور دونوں ڈاکٹر مل کر
مریض کا علاج کریں۔ مرزا صاحب مرحوم نے بڑی خوشی سے آمادگی کا اظہار کیا اور دوسرے دن
آپ اور ڈاکٹر نہال چند سیکری نے مل کر ہری کشن لال کا معائنہ کیا اور متفقہ طور پر علاج تجویز
کیا۔ مریض سے فارغ ہو کر دونوں پرانے دوست جب باتیں کرنے لگے تو ڈاکٹر نہال چند
نے بے ساختہ یہ کہہ دیا کہ مرزا صاحب آپ لاہور میں واحد مُسلمان ڈاکٹر ہیں جو ابھی تک ہندو
گھرانوں میں جاتے ہیں۔ ورنہ ہم نے بر حیثیت قوم یہ فیصلہ کیا ہُوا ہے کہ کوئی ہندو کسی مُسلمان
ڈاکٹر یا وکیل یا کسی اور پروفیشن کے آدمی کے پاس نہیں جائے گا۔ اس کے بعد اس نے
مرزا صاحب مرحوم کے عمدہ اخلاق اور وسیع مشرب کی داد دی جس کی وجہ سے ابھی تک
بعض ہندو گھرانے ان کے عقیدتمند تھے۔ ایک دو روز بعد پنجاب میڈیکل ایسوسی ایشن کا
سالانہ اجلاس اور ڈنر تھا جس میں مرزا صاحب مرحوم نے غالباً خطبہ صدارت پڑھنا تھا۔ آپ

نے اسی گفتگو کو خطبہ کا موضوع بنا لیا اور بتایا کہ ایک طبیب اور ڈاکٹر کو کیوں مذہبی اور قومی تعصب سے بالا ہونا چاہیئے اور حضرت مسیح موعود کی وہ تلقین سب کو سنائی جو حضور نے مرزا صاحب مرحوم کو ملازمت کے آغاز میں فرمائی تھی اور لوگوں کو اسلام اور احمدیت کی خوب تبلیغ کی۔ آپ ہر مجمع میں اسلام کی تبلیغ کا موقع پیدا کر لیتے تھے اور قرآن مجید کی آیات خوش الحانی سے تلاوت کر کے ان کے مطالب سنایا کرتے تھے خواہ وہ ڈاکٹروں کا مجمع ہو یا عام شہریوں کا کوئی جلسہ۔

الغرض پرائیویٹ پریکٹس کا بھی آپ نے ایک ایسا معیار قائم کیا جس سے آپ کے ذاتی اوصاف کے علاوہ جماعت احمدیہ کی ہر دلعزیزی اور اسلامی اصولوں کی برتری اور فوقیت ثابت ہوتی اور ایک مسلمان ڈاکٹر کا وقار قائم ہوتا تھا۔ آپ کا یہ نمونہ دوسروں کے لیے ایک مثال تھا۔

میڈیکل پروفیشن میں آپؓ کا مقام

ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب مرحوم کو اللہ تعالےٰ نے اپنے فضل سے میڈیکل پروفیشن میں بڑا عزت کا مقام عطا کیا تھا بلکہ یہ کہنا مبالغہ نہ ہوگا کہ میڈیکل کونسل اور دیگر پروفیشنل ایسوسی ایشنز اور اعلےٰ طبقہ کی سرکاری و غیر سرکاری مجالس کی ممبری اور نمائندگی کے لحاظ سے کوئی اور مسلمان ڈاکٹر اس مقام تک نہیں پہنچا جو انہیں حاصل تھا۔ پنجاب میڈیکل کونسل غالباً ۱۹۱۶ئہ میں معرض وجود میں آئی جس میں چند منتخب اور چند نامزد شدہ ممبران تھے جن کی کل تعداد تیرہ تھی جن میں غالباً چھ انگریز، پانچ ہندو اور صرف دو مسلمان تھے۔ یعنی ایک آپ اور ایک خان بہادر ڈاکٹر دیوان علی جو جالندھر کے رہنے والے تھے۔ ہندوؤں میں ڈاکٹر ہیرا لال، ڈاکٹر بالکشن کول، ڈاکٹر میلارام اور اسی قسم کے بڑے مقتدر ہندو ڈاکٹر تھے۔ مرزا صاحب مرحوم

پنجاب کے میڈیکل گریجویٹوں کے نمائندہ کے طور پر بذریعہ انتخاب چنے گئے۔ یہ پہلی پنجاب میڈیکل کونسل تھی جس کے صدر آنریبل ڈاکٹر ہینڈلے تھے۔ مرزا یعقوب بیگ صاحب اس پہلی کونسل کے ممبر چنے گئے اور پھر آخر زندگی تک برابر پنجاب میڈیکل کونسل کے ممبر بنتے رہے اور اس طرح میڈیکل پروفیشن کی آپ نے گرانقدر خدمات سرانجام دیں۔ کچھ عرصہ بعد جب آپ نے انتخاب کی طرف توجہ نہ کی تو آپ کو سرکاری طور پر کونسل کا ممبر نامزد کیا جاتا رہا اور آخری چند سالوں میں آپ پنجاب میڈیکل کونسل کے نائب صدر بھی رہے جس زمانہ میں کرنل میکنزی انسپکٹر جنرل ہسپتال ہائے پنجاب بہ حیثیت عہدہ اس مجلس کے صدر تھے۔

میڈیکل کونسل کے علاوہ آپ پنجاب سٹیٹ میڈیکل فیکلٹی کے بھی دیرینہ ممبر تھے اور پھر نائب صدر بھی رہے۔ یہ فیکلٹی ڈاکٹروں کی تعلیم اور نصاب اور قواعد داخلہ اور امتحانات وغیرہ سے متعلق امور کی نگرانی کرتی تھی اور اس کے بھی آئی جی ہاسپٹلز بہ حیثیت عہدہ صدر ہونے تھے۔ امرتسر کا میڈیکل سکول اور لدھیانہ کا میڈیکل سکول اس فیکلٹی کے ماتحت تھے۔ یہاں بھی آپ نے ڈاکٹروں کے مفاد اور مسلمان طلبہ کے حق نیابت و دیگر حقوق کے تحفظ کے سلسلہ میں نمایاں خدمات سرانجام دیں۔

آپ ابھی سرکاری ملازمت میں تھے جب پنجاب کے سول اسسٹنٹ سرجنوں کی ایسوسی ایشن وجود میں آئی جس کا نام بعد میں پی سی ایم ایس ایسوسی ایشن ہو گیا۔ آپ اس ایسوسی ایشن کے پہلے سیکرٹری تھے۔ اس ایسوسی ایشن کا ہر سال جلسہ ہوتا تھا جس میں تمام پنجاب سے نمائندگان جمع ہوتے تھے اور جب بھی اس مجلس کی تاریخ بیان کی جاتی تو مرزا یعقوب بیگ مرحوم کا ذکر بہ حیثیت فاؤنڈر سیکرٹری کے ضرور کیا جاتا۔ اسی طرح دہلی میں رائل پبلک سروس کمیشن کے سامنے پنجاب کے ڈاکٹروں کا نقطہ نظر پیش کرنے کے لیے مرزا یعقوب بیگ مرحوم کو چُنا گیا۔

علاوہ ازیں آپ بعض دیگر اہم پروفیشنل مجالس کے ممبر بھی تھے اور بعض کے سالہا سال

تک ممبر نامزد ہوتے رہے۔ جن میں پنجاب مینٹل ہاسپٹل وزٹرز کمیٹی۔ برٹش ایمپائر لیپرسی ریلیف ایسوسی ایشن۔ برٹش میڈیکل ایسوسی ایشن (پنجاب برانچ)، انڈین میڈیکل ایسوسی ایشن۔ مشاورتی کمیٹی برائے میو ہسپتال لاہور اور اسی قسم مجالس تھیں اور حکومت پنجاب کی وزارت صحت طبی معاملات میں اور پبلک کے مفادات سے متعلق امور میں آپ کی رائے کو بہت اہمیت دیتی تھی۔

ایک اعتراف

جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا ہے آپ پنجاب میڈیکل کونسل کے سب سے پرانے اور مسلسل ممبر تھے۔ یہ کونسل ہر ایک صوبہ میں الگ الگ تھی۔ ۱۹۳۰ء کے قریب یہ فیصلہ ہُوا کہ ایک آل انڈیا میڈیکل کونسل بھی بنائی جائے جس میں ہر صوبہ کا ایک نمائندہ ہو۔ چنانچہ پنجاب سے صرف ایک نمائندہ منتخب ہونے والا تھا۔ اور انتخاب مخلوط تھا یعنی ہندو مسلمانوں سب کی طرف سے ایک نمائندہ۔ مرزا صاحب مرحوم کے مداحوں نے آپ کو انتخاب میں کھڑا ہونے کا مشورہ دیا۔ اگرچہ آپ کی صحت کمزور تھی مگر آپ نے احباب کے اصرار پر اور پروفیشن کے مفاد کی خاطر یہ پیش کش قبول کر لی۔ آپ کے حق میں بہت سے ڈاکٹروں نے مینی فسٹو شائع کئے۔ اسی انتخاب میں دو مشہور ہندو ڈاکٹر رائے بہادر مہاراج کرشن کپور اور کرنل امیر چند پرنسپل میڈیکل سکول امرتسر بھی اُمیدوار تھے۔ کرنل امیر چند نے مرزا صاحب مرحوم کو لکھا کہ میں نے بوجوہ انتخاب لڑنے کا اعلان کر دیا ہے اور اب میں یہ نبھاؤں گا۔ والّا میں اس امر کا اعتراف کرتا ہوں کہ بہ حیثیت سابقہ خدمات اور اہلیت اور سٹینڈنگ اگر کوئی شخص پنجاب کی نمائندگی کا اہل ہے تو وہ مرزا یعقوب بیگ ہے۔

قومی اور مِلّی خدمات

اللہ تعالےٰ نے مرزا صاحب مرحوم کو نہ صرف ایک طبیب کی حیثیت سے خدمتِ خلق کی توفیق دی بلکہ ایک دردمند انسان کی حیثیت سے آپ نے ہر اس تحریک میں شمولیت اختیار کی جس کا مقصد بنی نوع انسان کی بھلائی ہو اور ایک مسلمان کی حیثیت سے آپ نے

مسلمانوں کی بہبود اور خیر خواہی کی ہر تحریک میں پُر جوش حصہ لیا اور دامے درمے قدمے سخنے ہر اسلامی انجمن اور قومی و ملّی ادارہ کی خدمت کی۔

مختلف اسلامی انجمنوں کی رکنیت

قبل ازیں بتایا جا چکا ہے کہ نوجوانی کے عالم میں آپ نے انجمن فرقانیہ اور ینگ مینز محمڈن ایسوسی ایشن اور اس قسم کی دیگر مجالس میں بڑھ چڑھ کر حصّہ لیا اور مذہبی مباحث اور اسلامی اصُولوں کی ترویج میں بہت دلچسپی لی۔ نیز سیرۃ النبی صلعم کے پھیلانے کی طرف خاص توجہ دی اور مسلمانوں میں نبی کریم صلعم کی اتباع کے جذبات پیدا کئے۔ جب آپ نے بحیثیت ڈاکٹر زندگی میں قدم رکھا تو علاوہ طبّی اور میڈیکل سوسائٹیوں کے آپ نے بہت سی اسلامی انجمنوں کا رکن بن کر مفید خدمات سر انجام دیں۔ چنانچہ آپ انجمن حمایت اسلام لاہور۔ انجمن اسلامیہ پنجاب لاہور۔ انجمن ترقی تعلیم مسلمانان ہند امرتسر۔ محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس علی گڑھ۔ آل انڈیا تنظیم کمیٹی امرتسر۔ پنجاب مسلم لیگ۔ پنجاب پراونشل حج کمیٹی۔ آل انڈیا کشمیر کمیٹی۔ پنجاب ٹمپرنس سوسائٹی۔ ایس۔ پی۔ ایس کے لاہور اور ریٹ پیئرز ایسوسی ایشن اور اس قسم کی بہت سی مجالس اور سوسائٹیوں کے ممبر تھے۔

انجمن حمایت اسلام لاہور کے آپ بہت پرانے رکن اور جنرل کونسل کے ممبر تھے۔ نیز انجمن کے یتیم خانہ کی نگرانی کے لیے جو سب کمیٹی ہے اس کے بھی رکن تھے اور یتامٰے کی پرورش اور بہبود میں خاص دلچسپی لیا کرتے تھے۔ اسی طرح اسلامیہ کالج لاہور کے میڈیکل آفیسر کی حیثیت سے آپ نے سالہا سال تک آنریری خدمات سر انجام دیں۔ درمیان میں انجمن نے اپنا ایک الگ ڈاکٹر رکھ لیا تھا۔ لیکن جب علاّمہ عبداللہ یوسف علی کالج کے پرنسپل ہوئے تو ان کے اصرار پر آپ نے دوبارہ اسلامیہ کالج کے طلبہ کی طبّی خدمات اپنے ذمہّ لے لیں۔ انجمن کے جلسوں اور دیگر تحریکات میں بھی آپ سرگرمی سے حصّہ لیا کرتے تھے۔

انجمن اسلامیہ پنجاب جس کا صدر دفتر موچی دروازہ سے باہر برکت علی اسلامیہ ہال میں ہے۔ مرحوم سعادت علی خان صاحب کے دادا ڈپٹی برکت علی خان صاحب کے وقت میں قائم ہوئی اور سالہا سال تک خان صاحب سعادت علی خان اور سید محسن شاہ صاحب ایڈووکیٹ اس کے مدیران اعزازی کے طور پر کام کرتے رہے۔ یہ انجمن شاہی مسجد لاہور اور سنہری مسجد ڈبی بازار لاہور اور چند دیگر تاریخی مساجد کی دیکھ بھال کی خدمت کرتی ہے۔ مرزا صاحب مرحوم اس انجمن کے بھی سالہا سال تک رکن اور مخلص ممبر رہے۔

انجمن ترقی تعلیم مسلمانان ہند امرتسر کی بنیاد غالباً ۱۹۱۰ء میں رکھی گئی تھی اور اس کا مقصد ایسے مستحق اور نادار مسلمان طلبہ کو امداد دینا تھا جو خود اپنی تعلیم جاری رکھنے کی استطاعت نہ رکھتے ہوں۔ یہ انجمن قرض حسنہ کی شکل میں وظائف دیتی تھی جس سے مستحق طلبہ اپنی تعلیم کی تکمیل کے بعد برسرِ روزگار ہو جانے پر باقساط قرضہ کی رقم واپس کر دیتے تھے۔ چنانچہ سینکڑوں مسلمان نوجوان تعلیمی سہولتیں مل جانے پر اس انجمن کے طفیل زندگی میں معزز عہدوں پر فائز ہو گئے، جو یقیناً ایک بہت قابلِ قدر خدمت تھی۔ مرزا یعقوب بیگ صاحب مرحوم شروع سے ہی اس انجمن کے ٹرسٹی یا معتمد اور ایک سرگرم رکن تھے۔ لیکن ۱۹۲۵ء کے قریب اس انجمن کی حالت دگرگوں ہو گئی۔ بد دیانت اہل کاروں نے کچھ روپیہ غبن کیا اور مقروض طلبہ سے وصولیاں بھی بند ہو گئیں جس کے نتیجہ کے طور پر آئندہ مستحق طلبہ کو امداد ملنے کے مواقع ختم ہو گئے اس صورت حال نے چند درد مند قلوب کو بہت متاثر کیا جن میں ایک مرزا یعقوب بیگ بھی تھے۔ امرتسر کے چند متمول سوداگران چرم اور لاہور میں سے مرزا یعقوب بیگ صاحب، خلیفہ فضل حسین مرحوم اور ڈاکٹر سید محمد حسین شاہ صاحب مرحوم نے اس انجمن کو دوبارہ اپنے پاؤں پر کھڑا کرنے کی سعی کی۔ حضرت مرزا صاحب مرحوم نے انجمن کے باقی ممبران پر زور دے کر حضرت مولانا عزیز بخش صاحب مرحوم کو جو سرکاری ملازمت سے پنشن یاب ہو چکے تھے، اس انجمن کا سیکرٹری بنایا اور مولانا صاحب موصوف نے بڑی محنت اور جانفشانی سے کام

لے کر بقایا جات بھی وصول کئے اور انجمن کے بیجان ڈھانچہ میں دوبارہ جان ڈالی۔ مرزا صاحب نے جماعت لاہور کے بعض اور ارکان کو بھی اس انجمن کا ممبر بنوایا اور ماہانہ اجلاس کے موقعہ پر حضرت سید محمد حسین شاہ صاحب مرحوم، سید غلام مصطفےٰ شاہ صاحب مرحوم ہیڈ ماسٹر خلیفہ فضل حسین مرحوم اور دیگر دوستوں کو اپنی موٹر کار میں بٹھا کر امرتسر لے جاتے اور انجمن کے اجلاس میں شریک ہوتے۔ اب پھر کئی مستحق نوجوان زیورِ تعلیم سے آراستہ ہونے لگے

محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس بھی مسلمانانِ ہند کی تعلیمی ترقی اور فروغ کی ضامن تھی اور بڑے بڑے شہروں میں اس کے سالانہ اجلاس ہوا کرتے تھے۔

پنجاب مسلم لیگ مسلمانانِ ہند کی واحد سیاسی جماعت کی صوبائی شاخ تھی۔ مرحوم اس کے بھی بڑے پرانے رکن تھے اور جب مسلم لیگ میں دو پارٹیاں ہو گئیں تو آپ سر محمد شفیع مرحوم والی لیگ میں شامل رہے۔

پنجاب پراونشل حج کمیٹی حکومت پنجاب کی مقرر کردہ کمیٹی تھی جس کا مقصد مسلمان حجاج اور زائرین بیت اللہ کو مناسب سہولتیں بہم پہنچانا تھا۔ خان بہادر شیخ فضل الٰہی پراچہ اس کے سیکرٹری ہوا کرتے تھے۔

کشمیری مسلمانوں پر ڈوگرہ راج میں جو مظالم ہو رہے تھے اس سے انہیں نجات دلانے کے لیے ایک جماعت آل انڈیا کشمیر کمیٹی کے نام سے قائم کی گئی اور ڈاکٹر سر محمد اقبال کی تحریک پر مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب امام جماعت احمدیہ قادیان اس کے صدر منتخب ہوئے۔ اس مجلس کے چند سرکردہ اراکین میں مرزا یعقوب بیگ مرحوم بھی شامل تھے اور بڑی سرگرمی سے اس کی کارروائیوں میں حصہ لیتے رہے۔ آپ کے علاوہ ہماری جماعت میں سے مولینا محمد یعقوب خاں صاحب ایڈیٹر لائٹ بھی اس کمیٹی کے ممبر تھے۔

پنجاب ٹمپرنس سوسائٹی انسدادِ شراب نوشی اور تمباکو و دیگر منشیات کے خلاف پرچار کرتی تھی اور ایک رسالہ "ٹمپرنس" بھی نکالتی تھی۔ آپ اس سوسائٹی کے بھی ممبر تھے۔ کیونکہ

یہ معاشرہ کی ایک مفید خدمت کر رہی تھی۔

ایس پی ایس کے یعنی سوسائٹی فار پروموٹنگ سائنٹیفک نالج ہندو مسلمانوں کی مشترکہ ایک علمی سوسائٹی تھی جس کا مقصد ترویج علم اور جہالت کی بیخ کنی اور سائنسی علوم کو فروغ دینا تھا۔ پروفیسر رچی رام ساہنی۔ ڈاکٹر ایس ایس بھٹناگر، پروفیسر سیٹھی اور اس قسم کے لوگ اس کے ممبر تھے اور ایک ماہوار رسالہ "روشنی" اس کے زیر اہتمام شائع ہوتا تھا۔ مرزا صاحب مرحوم اس کی انتظامیہ مجلس کے بڑے پرانے رکن تھے اور ہمیشہ شوق سے اس ادارہ کی خدمت کرتے رہے۔

ریٹ پیئرز ایسوسی ایشن عام شہریوں کے مطالبات کی علمبردار تھی اور لاہور میونسپل کمیٹی سے شہر کی صفائی، سڑکوں کی تعمیر، پانی کی بہم رسانی اور دیگر ضروریات زندگی سے متعلق مطالبات منوانے اور میونسپل کمیٹی کے انتظامات میں اصلاح کی طرف توجہ دلاتی تھی ۱۹۳۴ء میں اس ایسوسی ایشن کے زیر اہتمام سب سے پہلی لاہور میونسپل ریفارمز کانفرنس منعقد ہوئی جس کی صدارت کے لیے مرزا یعقوب بیگ صاحب مرحوم کو چنا گیا۔

نیشنلزم اور سیاسی تحریکات

جماعت احمدیہ اپنے مسلک کے لحاظ سے ایک خالصتہً مذہبی اور غیر سیاسی جماعت رہی ہے اور اس کے ممبران بہ حیثیت جماعت سیاسی تحریکات سے الگ رہے ہیں۔ مرزا صاحب مرحوم جماعت کے اس مسلک سے متفق تھے۔ البتہ ان کا نکتہ نظر یہ بھی تھا کہ بعض ایسے امور جو سراسر مسلمانوں کی بھلائی اور قومی حقوق کے تحفظ سے تعلق رکھتے ہوں۔ ان میں دلچسپی لینا اور گورنمنٹ کی کسی کوتاہی پر نیک نیتی سے اعتراض کرنا اور اس کے خلاف آواز اٹھانا اور اس کی خامیوں سے اُسے آگاہ کرنا اور عدم توجہ کسی صورت میں مناسب حدود کے اندر احتجاج کرنا ایک مسلمان کے فرائض میں داخل ہے اور وہ زندگی بھر اس فرض سے عہدہ برآ ہوتے رہے۔

انگریزی عہد میں ہندوستان کے مسلمان ایک عجیب صورت حال سے دوچار تھے۔ ایک طرف حکومت برطانیہ ان کے حقوق کو پامال کر رہی تھی اور ہندوستان سے باہر دیگر اسلامی ممالک میں بھی مسلمانوں کی ترقی اور ان کے قومی اتحاد کو کمزور بنا رہی تھی اور دوسری طرف ان کے برادران وطن یعنی اہل ہنود مختلف سازشوں اور چیرہ دستیوں سے مسلمانوں کو مغلوب کرنے کی سعی کر رہے تھے۔ گویا مسلمان چکی کے دو پاٹوں میں پسے جا رہے تھے۔ اس صورتحال نے کئی درد مند قلوب میں کسک پیدا کی اور وہ ملت اسلامیہ کو بچانے کے لئے میدانِ عمل میں اتر آئے۔ ہمارے بعض چوٹی کے سیاسی لیڈر مولنا محمد علی، مولنا شوکت علی، حکیم اجمل خاں، ڈاکٹر انصاری وغیرھم نیک نیتی سے یہ سمجھتے تھے کہ سب سے اول انگریز کا جوا گردن سے اتارنا ضروری ہے اور جب ہندوستان آزاد ہو جائے گا تو مسلمان اپنا مقام حاصل کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے اور ہندو انہیں نقصان نہیں پہنچا سکیگا۔ اس لئے وہ ہندو مسلم اتحاد کے حامی تھے اور ہندو سے تعاون کرکے انگریز کو ہندوستان سے نکالنے کے پروگرام میں مسلمانوں کی نجات سمجھتے تھے۔ اسی خیال سے انہوں نے گاندھی جی کی قیادت قبول کی اور کانگریس میں شامل ہو گئے پھر اسی زمانہ میں مسلمانوں کو خلافتِ اسلامیہ کے پامال ہو جانے سے سخت ٹھیس لگی اور چونکہ ترکیہ کے زوال میں انگریزوں کا بڑا ہاتھ تھا اس لئے انگریزوں کے خلاف جذبات اور بھی بھڑک اٹھے۔ بعض انتہا پسندوں نے انگریز کے دورِ استبداد سے نجات حاصل کرنے کا ایک ذریعہ یہ تجویز کیا کہ لوگ اس ملک سے ہجرت کر جائیں اور کئی سادہ لوح مسلمان اس خیال سے متاثر ہو کر خانماں برباد بھی ہوئے۔

جماعت احمدیہ لاہور بہ حیثیت جماعت ان تحریکات سے الگ رہی لیکن ہمارے چند ممتاز اکابر نے اپنی انفرادی حیثیت سے ان تحریکات سے ہمدردی کا اظہار کیا اور ان میں ایک حد تک شمولیت بھی اختیار کی۔ ان میں دو بزرگوں کا نام خصوصیت سے لیا جا سکتا ہے یعنی ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ مرحوم اور ہمارے موجودہ امیر جماعت مولانا صدر الدین صاحب ہمارے ان

دو بزرگوں نے سیاسی تحریکات میں حصہ تو لیا لیکن توازن کو نہیں کھویا اور جماعت کے مسلک کو مشتبہ بنائے بغیر وہ وقت کی سیاسی تحریکوں میں دلچسپی لیتے رہے جب کھدر پوشی کی تحریک زوروں پر تھی تو مرزا صاحب مرحوم اور مولنا صدرالدین صاحب نے کھدر بھی پہنا ۔ یہ ایک احتجاج کا نشان بھی تھا اور وقت کی آواز بھی ۔

مرزا صاحب مرحوم کے مولنا محمد علی صاحب جوہر اور ان کے بھائی مولنا شوکت علی اور حکیم اجمل خان صاحب اور ڈاکٹر انصاری ان سب بزرگوں سے ذاتی مراسم بھی تھے ۔ میں نے مرحوم کے مکان پر مولنا محمد علی اور مولنا شوکت علی دونوں کو تشریف لاتے دیکھا ہے ۔ مولنا شوکت علی تو چند بار بغرض علاج بھی اپنے بیٹے زاہد علی کے ہمراہ تشریف لائے تھے ۔ حکیم اجمل خاں صاحب مرحوم جو ایک نہایت بلند پایہ انسان تھے ۔ مرحوم مرزا صاحب کو اپنے دوستوں میں شمار کرتے تھے اور حکیم صاحب مرحوم کے انتقال کے بعد ان کے صاحبزادہ حکیم محمد جمیل خاں نے مرزا صاحب مرحوم کو لکھا کہ چونکہ حکیم صاحب کے سوانح حیات شائع ہو رہے ہیں اس لئے آپ ان کے بارہ میں اپنے تاثرات لکھ کر بھیجیں ۔ مرزا یعقوب بیگ صاحب ان بزرگوں کے دل سے قدردان بھی تھے اور ان کے خلوص کے پیش نظر ان سے تعاون کرتے تھے ۔ مرحوم کو ان تحریکات میں شامل ہونے پر جو چیز آمادہ کرتی تھی وہ ان کا دردمند قلب تھا جو مسلمانوں کی ہمدردی اور بہبود کے جذبات سے لبریز تھا ۔ کوئی ذاتی منفعت یا شہرت طلبی یا Exploitation آپ کے مدِنظر نہ تھی بلکہ محض خدمت خلق اور احترام انسانیت اور مسلمانوں کے مفاد کا جذبہ آپ کو ابھارتا تھا ۔ مسلمانوں سے قطع نظر آپ بندگانِ خدا پر خواہ وہ کسی قوم سے تعلق رکھتے ہوں ظلم اور سختی کو برداشت نہیں کر سکتے تھے جب امرتسر کے جلیانوالہ باغ میں گولی چلی اور ہندو مسلمان بیگناہ سینکڑوں کی تعداد میں مارے گئے تو مرزا یعقوب بیگ جیسے لوگ تڑپ اٹھے ۔ مارشل لا کے دنوں میں احتجاج کرنا بہت مشکل کام تھا لیکن مرزا صاحب مرحوم نے اس وقت بھی سخت احتجاج کیا اور اپنی آزادی اور اپنی جان کو خطرہ میں ڈال کر ظلم کے خلاف آواز اٹھائی اور بیکسوں سے ہمدردی کا اظہار کیا ۔ مسلمانوں کو سہارا دینے

کے لئے کئی تحریکیں اُبھریں اور پھر دب گئیں اور بعض انتشار ذہنی اور قومی اتحاد کے فقدان کی وجہ سے اپنی طبعی موت مرگئیں۔ تحریکِ خلافت کے چند سال بعد مسلمانوں کی "تنظیم" کی تحریک شروع ہوئی جس کے محرک اور روح رواں امرتسر کے مشہور لیڈر ڈاکٹر سیف الدین کچلو تھے جن کا ابھی حال ہی میں انتقال ہوا ہے۔ ڈاکٹر کچلو نے ایک آل انڈیا تنظیم کمیٹی قائم کی۔ جس کے سکرٹری وہ خود تھے اور ان کے نائب عبدالمجید قرشی تھے۔ جنہوں نے بعد میں پٹی سے سیرت کی تحریک شروع کی تھی۔ مرزا یعقوب بیگ مرحوم بھی تنظیم کمیٹی کے بڑے فعال اور منقندر رکن تھے اور ان کے مکان پر تنظیم کمیٹی کے کئی اجلاس ہوئے۔ جن میں ڈاکٹر کچلو اور دوسرے لوگ شریک ہوتے تھے۔

ہندو مسلم فسادات

ہندو مسلمانوں کا اتحاد بہت دیرپا ثابت نہ ہوا اور برادران وطن کی تنگ دلی اور کوتاہ نظری سے ہندوستان کی آزادی کی منزل پہلے سے بھی دور ہوگئی۔ مسلمان ہندؤں سے بدظن ہو گئے اور آہستہ آہستہ قومی تحریکات سے الگ ہو کر خالص مسلمانوں کے ملّی مفاد کے لئے سعی کرنے لگے۔ قائداعظم مرحوم اور مولنا محمد علی مرحوم اور دیگر اکابرین کو اپنا نکتۂ نظر بدلنا پڑا اور انہوں نے اپنا راستہ الگ کر لیا۔ تعلقات کی یہ کشید گی بڑھتے بڑھتے ہندو مسلم فسادات کی صورت میں رونما ہوئی اور آئے دن ہندوستان کے مختلف شہروں میں فرقہ دارانہ فسادات ہونے لگے۔

لاہور میں ۱۹۲۷ء میں شدید قسم کا ہندو مسلم فساد ہوا۔ جس کی ابتدا حویلی کابلی مل ڈبی بازار سے ہوئی۔ رات کے نو دس بجے کا عالم تھا جب شہر کے چند مسلمان یہ خبر لے کر مرزا صاحب مرحوم کے پاس آئے۔ آپ اُسی وقت تیار ہو کر ان لوگوں کے ساتھ گئے اور موقع فسادات پر پہنچے۔ اس کے بعد میو ہسپتال تشریف لے گئے اور زخمیوں کو دیکھا اور اسی وقت ڈپٹی کمشنر لاہور اور دیگر حکام سے رابطہ پیدا کیا اور فساد کے مزید نہ پھیلنے اور فرقہ دارانہ جذبات کو کنٹرول کرنے اور امن بحال کرنے کی تجاویز پیش کیں۔ امن کمیٹی جو شہر کے مختلف حصوں میں دورہ کر رہی تھی۔ آپ اس کے ایک سرگرم رکن تھے۔ اگلے دو تین دن بھی آپ اس قومی اور پبلک ڈیوٹی میں مصروف رہے۔ اس

زمانہ میں غالباً مسٹر اوگلوی لاہور کے ڈپٹی کمشنر تھے۔ یہ اوگلوی صاحب مرزا یعقوب بیگ کی راستبازی اور حقیقت پسندی اور خلوص نیت کے بہت معترف تھے اور ان کی رائے اور رپورٹ کی بہت قدر کرتے تھے۔ اس وقت صورت حال یہ تھی کہ ہندو لیڈر ہندوؤں کو بے گناہ ثابت کرنے اور تمام تر الزام مسلمانوں پر ڈالنے کی کوشش کرتے تھے اور مسلمان لیڈر اپنے بھائیوں کی حمایت میں مبالغہ کرتے تھے لیکن مرزا یعقوب بیگ کے بیان اور طرز عمل میں صداقت اور دیانت اور حقیقت پوشیدہ ہوتی جس سے حکام کو صحیح صورت حال کا علم بھی ہو جاتا اور وہ مؤثر کارروائی کر سکتے۔

اسی جگہ یہ ذکر بھی بے محل نہ ہوگا کہ کچھ عرصہ بعد جب لاہور میونسپل کارپوریشن کے انتخاب کا وقت آیا تو مسٹر اوگلوی نے حکومت پنجاب کو لکھا کہ مرزا یعقوب بیگ کو شہر کے سرکردہ مسلمانوں میں سے میونسپلٹی کا ممبر نامزد کیا جائے۔ مرزا صاحب سے بھی اسی بارہ میں استصواب کیا گیا تو آپ نے اپنی دیگر کثیر مصروفیات کی بنا پر یہ پیشکش قبول کرنے سے معذوری کا اظہار کیا۔ اس پر مسٹر اوگلوی نے آپ سے کہا کہ آپ کو بیشک میونسپل کمشنری کے اعزاز کی ضرورت نہیں لیکن شہریوں کو اور میونسپل کمیٹی کو آپ ایسے مخلص اور ایماندار لوگوں کی ضرورت ہے۔ آپ کے چند دوستوں اور شہر کے معززین نے بھی آپ پر زور دیا اور بعض سرکردہ مسلمان ایک وفد کی صورت میں آپ کے پاس آئے تو آپ نے خدمت خلق اور قومی بھلائی کی خاطر یہ بوجھ بھی اٹھا لیا اور چند سال میونسپل کمشنر کی حیثیت سے بھی عوام کی گرانقدر خدمات سرانجام دیں۔

قضیہ شہید گنج

۱۹۳۵ء میں مسجد شہید گنج سے متعلق تنازعہ بہت نازک صورت اختیار کر گیا۔ مسلمانوں اور سکھوں کے جذبات بہت مشتعل تھے۔ حکومت سکھوں کی حوصلہ افزائی کر رہی تھی۔ بعض مسلمان جماعتیں اور مسلمان لیڈر سودا بازی میں مصروف تھے اور غریب اور مخلص عوام گولیاں کھانے کے لئے سینہ تانے ہوئے تھے۔ بڑی نازک صورت حال تھی مرزا یعقوب بیگ مرحوم اب بھی اپنی بساط کے مطابق خدمت میں مصروف تھے۔ مسلمانوں اور سکھوں کے سرکردہ لیڈر الگ الگ گورنر پنجاب سے مل رہے تھے اور یہ طے پایا تھا کہ مسجد منہدم نہیں ہوگی بلکہ

اپنی موجودہ صورت میں کھڑی رہے گی البتہ اس پر سکھوں کا قبضہ جو ایک سو ستر سال پرانا بتایا جاتا تھا قائم رہے گا لیکن اچانک جولائی ۱۹۳۵ء میں سکھوں نے مسجد کو گرانا شروع کر دیا اور معاہدہ کی خلاف ورزی کی۔ اس پر بہت ہنگامے ہوئے۔ مسلمانوں کے مشتعل ہجوم پر بار ہا لاٹھی چارج ہوا اور کئی لوگ گرفتار کئے گئے اور بالآخر دو تین روز فائرنگ ہوئی جس سے بہت سے مسلمان شہید اور کئی زخمی ہوئے۔ حکومت اور سکھ دونوں اس حقیقت سے آگاہ تھے کہ مسلمانوں میں اتحاد اور یک جہتی موجود نہیں اور ان کا جوش چند روزہ ہے اور ان کے لیڈر خریدے جا سکتے ہیں اس لئے ایک چھوٹی سی اقلیت یعنی سکھ قوم جو ہندوستان کی آبادی کا بہ مشکل ایک فی صد تھی مسلمان جیسی قوم سے ٹکر لے رہی تھی۔ حکومت نے اس وقت سکھوں کی پشت پناہی کی اور مسلمان واویلا کر کے اور گولیاں کھا کر خاموش ہو گئے۔ یہاں اس قضیہ کی تفصیلات بیان کرنے کا موقع نہیں صرف یہ اظہار مقصود ہے کہ ہر ایسے نازک وقت میں ہماری جماعت کے ممتاز اکابر اپنا فرض ادا کرتے رہے۔ اس دوران میں مرزا صاحب مرحوم نے چند مضامین اخبارات میں لکھے حکام تک وفود میں پہنچے اور مناسب احتجاج کیا مسلمانوں اور سکھوں کو صحیح مشورہ دیا اور جو طرز عمل صحیح تھا وہ پبلک کے سامنے رکھا۔

ہماری جماعت نے بہ حیثیت جماعت شہدا اور مجروحین کے ورثا کی مالی امداد میں بھی حصہ لیا جس کے لئے حضرت امیر مرحوم مولانا محمد علی صاحب نے خاص طور پر جماعت سے اپیل کی اور بہت سے احباب نے اس امدادی فنڈ میں رقمیں پیش کیں۔

دو اور حادثے

اسی سال یعنی ۱۹۳۵ء میں دو اور حادثے ہوئے جن میں ہزاروں افراد بے خانماں ہو گئے اور سینکڑوں جانیں تلف ہوئیں یعنی ۳۱ مئی کی رات کو کوئٹہ میں ایک ہولناک زلزلہ آیا جس میں قریباً تیس ہزار افراد لقمہ اجل بن گئے اور جو آرام کی نیند رات کو سوئے تھے ان کے گھر ہی ان کی قبریں بن گئیں جو لوگ بچ گئے تھے انہیں کسی محفوظ مقام پر پہنچانا ضروری تھا تاکہ وہ بیماری کے جراثیم سے بھی بچ جائیں اور اُن کے زخموں کا علاج بھی کیا جا سکے۔ حکومت کی مشینری حرکت میں آئی اور مختلف رفاہی اداروں کے رضاکار کوئٹہ روانہ ہو گئے

تاکہ ان بے خانماں لوگوں کو اپنی حفاظت میں نکال کر لے آئیں ۔ مرزا صاحب مرحوم نے اس
ہمدردیٔ خلائق کے کام میں بہت حصّہ لیا اور اپنی انجمن کی طرف سے رضا کار بھی بھجوائے،
اور اپنے معاون ڈاکٹر مرزا رفیق بیگ کو بھی اس خدمت کے لیے فارغ کر کے کوئٹہ بھیج دیا۔
مسلم ہائی سکول کے کمرہ میں مریضوں کے لیے ایک وارڈ بنایا گیا اور ہماری انجمن نے بھی زیر سرکردگی
مرزا یعقوب بیگ صاحب اپنا اخلاقی فرض ادا کیا۔

دوسرا واقعہ جولائی کے مہینہ میں ایبٹ آباد شہر کا جل جانا تھا۔ جس پر مرحوم ایک بار پھر
تڑپ اٹھے اور اہالیان ایبٹ آباد خصوصاً بیگم صاحبہ شیخ نور احمد صاحب مرحوم وکیل اور ان
کے صاحبزادوں سے ہر طرح ہمدردی کا اظہار کیا۔

صُوبہ سرحد کی خدمات

اگست ۱۹۲۹ء میں مرزا صاحب مرحوم پر فالج کا حملہ ہُوا جس سے آپ کا بایاں
حصہ متاثر ہُوا لیکن اللہ تعالےٰ کے فضل سے آپ غیر معمولی طور پر جلد صحت یاب ہو گئے۔ اور
دسمبر کے مہینہ تک دوبارہ چلنے پھرنے لگ گئے۔ چنانچہ جلسہ سالانہ کے ایام میں مسجد کے باہر آپ
کے لیے آرام کرسی بچھا دی گئی، اور آپ نے جلسہ میں شمولیت کی۔ اگرچہ آپ بیماری کے حملہ
سے صحت یاب ہو گئے تھے۔ تاہم آپ کی صحت کی کیفیت پہلی سی نہ تھی، اور آپ کو بہت آرام
اور تھوڑا کام کرنے اور تردد و تفکر سے بچنے کا مشورہ دیا گیا تھا۔ لیکن آپ بدستور اپنے مطب
میں آتے رہے اور اپنی جملہ سرگرمیوں میں حسب سابق حصہ لینے لگے۔ ۱۹۳۰ء کے موسم گرما میں
آپ بغرض بحالیٔ صحت اور آرام ایبٹ آباد تشریف لے گئے۔ یہ وہ زمانہ تھا، جب صوبہ سرحد
میں سرخپوش تحریک بڑے زوروں پر تھی، اور حکومت سختی سے اس تحریک کو کچل دینا چاہتی تھی
چنانچہ پشاور میں قصہ خوانی بازار کے اندر گولی چلائی گئی، جس سے کئی بیگناہ اور نہتے مسلمان شہید
ہوئے۔ اسی طرح مفصلات میں بھی کئی مقامات پر گولیاں برسائی گئیں، اور دیہات کو آگ لگائی

گئی اور سیاسی قیدیوں کے ساتھ جیل میں نہایت وحشیانہ سلوک کیا گیا، جس سے سارے صوبہ میں خوف و ہراس پھیل گیا، لیکن جو مظالم اس حصۂ ملک میں ہو رہے تھے۔ اس سے بیرونی دنیا بالکل ناواقف تھی، اور عام لوگوں کی معلومات حکومت کی خبر رساں ایجنسی کی بھیجی ہوئی خبروں تک محدود تھیں، جو واقعات کی صحیح تصویر نہ تھی۔

مرزا یعقوب بیگ صاحب ان دنوں ایبٹ آباد میں تھے، اور بعض ذرائع سے ان تک صحیح خبریں پہنچ جایا کرتی تھیں، چنانچہ آپ نے صوبہ سرحد میں صورتِ حال پر ایک سلسلہ مضامین لکھنا شروع کیا، اور تصویر کا اصلی رُخ حکومت اور عوام دونوں کے سامنے پیش کیا۔ آپ کے مضامین سے جو اصلیت اور واقعات پر مبنی تھے۔ ایک ہیجان پیدا ہوا اور حکومت سٹ پٹا گئی۔ حکومت کا نقطۂ نظر سول ملٹری گزٹ اور کچھ قسم نیم سرکاری اخبارات میں چھپتا تھا۔ لیکن مرزا صاحب مرحوم کے مقالات کو "ٹربیون" اخبار نے بہت نمایاں کرکے شائع کیا، اور اردو اخبارات نے بھی اُن کے تراجم شائع کیے۔ حکومت کی طرف سے بعض اوقات تردید بھی چھپتی تو پھر اس تردید کا رد مرزا صاحب کی طرف سے مزید شواہد کے ساتھ شائع ہو جاتا۔ آخر یہاں تک نوبت پہنچی کہ چیف کمشنر صوبہ سرحد نے مرزا یعقوب بیگ کے ایبٹ آباد سے نکل جانے کے احکام صادر کر دیئے۔ لیکن ابھی یہ احکام مرحوم تک پہنچے نہیں تھے کہ نواب سر صاحبزادہ عبدالقیوم مرحوم نے چیف کمشنر کو مرزا صاحب مرحوم کے بارے میں بتایا کہ وہ کس پایہ کے انسان ہیں، اور اُن کا مطمح نظر محض مسلمانوں کے حقوق کا تحفظ اور مظالم کی روک تھام اور حکومت کو انصاف اور احتیاط کی پالیسی اختیار کرنے کے لیے توجہ دلانا ہے۔ نیز صاحبزادہ صاحب نے بتایا کہ وہ بیمار ہیں، اور بحالی صحت کیلئے ایبٹ آباد میں مقیم ہیں، اور اس قسم کے احکام سے ان کی تکلیف میں اضافہ ہوگا، چنانچہ یہ احکام واپس لے لیے گئے۔

مرحوم نے خرابیٔ صحت کے باوجود اس کٹھن کام کا بیڑا اٹھایا۔ جن لوگوں کو

مضمون نویسی کا تجربہ ہے، وہ اندازہ کر سکتے ہیں، کہ اس سے دماغ پر کس قدر بوجھ اور اعصاب میں ہیجان پیدا ہوتا ہے۔ خصوصًا ایسے مضامین جن کا موضوع بھی ناخوشگوار ہو۔ آپ بلڈ پریشر کے مریض تھے۔ اور آرام کی خاطر پہاڑ پر گئے تھے۔ لیکن وہاں جا کر اپنے مسلمان بھائیوں کی تکالیف دیکھ کر مضطرب ہو گئے، اور اپنے آرام کے لمحات کو قومی خدمت کے لیے وقف کر دیا۔ ایک دفعہ پہلے فالج کا حملہ ہو چکا تھا۔ آپ خود بھی ڈاکٹر تھے اور خوب جانتے تھے کہ انہیں کس قدر سکون اور آرام کی ضرورت ہے۔ مگر احساس فرض انہیں چین سے بیٹھنے نہ دیتا تھا، اور خیرخواہوں کے منع کرنے کے باوجود آپ اپنا کام کیے جا رہے تھے۔

بظاہر ایک ڈاکٹر کو مضمون نویسی سے کوئی علاقہ نہیں ہو سکتا۔ آپ کوئی بڑے اہل قلم بھی نہ تھے۔ لیکن دل میں درد اور سوز تھا۔ آپ ان دنوں میں کثرت سے قرآن مجید پڑھا کرتے اور رقت قلب سے آنسو بہایا کرتے تھے۔ اخبارات کے مطالعہ کے بعد نوٹ لیا کرتے تھے۔ اور دو ایک روز میں مواد جمع کر کے مقالہ تحریر کرا دیتے تھے۔ خاکسار راقم سطور کو ان کی اس خدمت میں کسی قدر معاونت کی سعادت نصیب ہوئی۔ میں ان دنوں بی اے کا طالب علم تھا، اور تعطیلات میں آپ کے ساتھ ہی ایبٹ آباد میں مقیم تھا۔ آپ کے پاس کوئی کلرک یا سٹینوگرافر تو تھا نہیں، اس لیے وہ بولتے اور میں ان کے مضامین لکھتا جاتا تھا۔ پھر کسی دفتر میں جا کر یا بازار سے اجرت پر مضمون ٹائپ کرایا جاتا، اور اخبارات کو بھیج دیا جاتا۔ خدا تعالیٰ خلوص میں برکت دیتا ہے، آپ نہ انگریزی کے سکالر تھے۔ اور نہ مضمون نگار۔ مگر خدا نے آپ کو غیر معمولی زور قلم بھی عطا کیا، اور بڑی شستہ انگریزی میں اُن کے مضامین شائع ہوتے رہے۔ بعض امور میں آپ نواب سر عبدالقیوم صاحب مرحوم اور اپنے دیرینہ دوست خان بہادر سعدالدین خان صاحب جو صوبہ سرحد میں جوڈیشل کمشنر تھے مشورہ کرتے رہتے تھے۔ اور اُن کے ذریعہ بھی حکام کے نکتہ نظر اور طرز عمل میں تبدیلی پیدا کرنے کی

کوشش کرتے تھے۔ اسی طرح مرکزی حکومت کے وزیر میاں سر فضل حسین صاحب مرحوم سے آپ کی خط و کتابت رہتی تھی، اور میاں صاحب مرحوم نے آپ کے مضامین اور خطوط سے مواد لے کر وائسرے ہند کو بھی متاثر کیا۔

آخر حکومت ہند کے دباؤ سے اور مختلف اطراف کے احتجاج سے جن کی بنا مرزا صاحب کے مضامین بھی تھے۔ یہ سختی اور تشدّد کا دور دورہ ختم ہوا، اور ان مظالم اور شہدا پر فائرنگ کی تحقیقات کے لیے جسٹس نعمت اللّٰہ کی سرکردگی میں ایک کمیشن مقرر ہوا اور صوبہ سرحد کو مزید اصلاحات اور مراعات دینے کا فیصلہ ہوا۔

یہ سلسلہ مضامین بعد میں ڈیرہ اسمٰعیل خاں کے ایک ہندو کی درخواست پر کتابی صورت میں بھی شائع ہو گیا تھا، اور جب کبھی صوبہ سرحد کے مسلمانوں کی تدریجی ترقی اور مرفہ الحالی کی تاریخ لکھی جائے گی۔ تو یقیناً مرزا یعقوب بیگ کا نام بھی ایک محسن کے طور پر یاد رکھا جائے گا۔

مرزا صاحب مرحوم صوبہ سرحد کے لوگوں کے بڑے مداح اور قدردان تھے۔ آپ کو ان سے تعلق خاطر بھی تھا کہ یہاں آپ کے رشتہ داری کے تعلقات تھے۔ آپ کی دو بیٹیاں مولانا غلام حسن خان صاحب مرحوم کے دو صاحبزادوں کے گھر میں تھیں، اور مولانا صاحب مرحوم سے گہری محبت اور اخوت کا تعلق بھی تھا، لیکن آپ عمومی طور پر بھی پٹھانوں کے اخلاق و اوصاف اور ان کی بہادری، غیرت، جوش جہاد اور مہمان نوازی کے قدردان تھے۔ صوبہ سرحد کے بیشتر علاقوں میں آپ کو جانے کا اتفاق ہوا تھا، اور مختلف علاقوں کے معزز خوانین سے آپ کے ذاتی مراسم تھے۔ علاقہ غیر جہاں آزاد قبائل رہتے تھے، وہاں بھی آپ کو جانے کا اتفاق ہوا تھا، چنانچہ تیراہ کے نواب کے علاج کے لیے جو سنگ مثانہ کی تکلیف سے بیمار تھے۔ آپ تیراہ تشریف لے گئے اور بذریعہ اپریشن نواب صاحب کی پتھری خارج کی۔ اس سفر میں راقم کے والد مرحوم بھی مرزا صاحب کے ہم سفر

تھے، اور یہیں اکثر قبائلی علاقہ کی طرزِ معاشرت اور گولی بندوق سے لوگوں کے شوق کی داستانیں سُنایا کرتے تھے۔ ڈاکٹر حاجی محمدؐ دین صاحب کے توسط سے نواب تیراہ نے مرزا صاحب مرحوم کو لاہور سے بغرض علاج بلوایا تھا۔

حضرت مسیح موعود اور آپکے خاندان سے محبت

حضرت مسیح موعودؑ سے مرزا یعقوب بیگ صاحب اور ان کے بھائی مرزا ایوب بیگ مرحوم کی عقیدت و محبت عشق کے درجہ تک پہنچی ہوئی تھی۔ اور حضرتِ اقدس بھی اِن دونوں بھائیوں سے بے حد محبت اور شفقت رکھتے تھے۔ اور ان سے بالکل اپنے بچوں کا سا سلوک کرتے تھے۔ اس تعلق کی ابتدار اس وقت ہوئی جب یہ دونوں بھائی طالب علم تھے، اور تمام جماعت میں سب سے چھوٹی عمر کے تھے۔ لیکن اس طالب علمی کے زمانہ میں بھی یہ کشاں کشاں قادیان پہنچا کرتے تھے، اور فرصت کا ہر لمحہ حضرت مسیح موعود اور حضرت مولانا نورالدین صاحب کی صحبت میں گزارنا پسند کرتے تھے۔ حضرت کی مجالس میں یہ دونوں بھائی فرطِ محبت اور جذبۂ عقیدت سے حضرت صاحب کے پاؤں دبایا کرتے تھے، اور ساتھ ساتھ اپنے لیے دعائیں مانگا کرتے تھے۔ دوپہر کو حضورؑ جب اپنے مکان سے ملحقہ مسقّف گلی میں آرام فرماتے تو یہ دونوں بھائی حضرت کے پاؤں دباتے، اور پھر خود بھی حضرتِ اقدس کے ساتھ ہی ان کی چارپائی پر لیٹ جاتے۔ جس طرح بچے باپ کے پاؤں میں لیٹ جایا کرتے ہیں۔ یہ وہ زمانہ تھا جب حضرتِ اقدس کی اپنی اولاد ابھی خوردسالی کے عالم میں تھی، مرزا ایوب بیگ صاحب کا عاشقانہ رنگ تو ساری جماعت میں ضرب المثل بن گیا تھا، وہ حضرت کے پیچھے بیٹھ کر ان کے شانے دبانے رہتے اور رقتِ قلب سے دعائیں مانگتے اور رویا کرتے، اور ساتھ ہی ساتھ آپ کے بدن کو چومتے رہتے۔ قادیان جاتے وقت وہ حضرتِ اقدس کے لیے کوئی تحفہ ضرور لے جاتے۔ کبھی نئی رومی ٹوپی خرید کر لے جاتے

اور پرانی حضرت صاحب سے مانگ کر اپنے لیے لے آتے۔ اسی طرح حضرت کے لباس میں سے نیا دے کر پرانا اپنے لیے بطور تبرک لے آتے۔

جب مرزا یعقوب بیگ صاحب ڈاکٹر بن گئے تو اس تعلق محبت میں اور بھی استحکام ہوا، اور انہیں بہ حیثیت طبیب و معالج حضرت اقدس اور ان کے اہل خانہ اور اولاد و اقربا کی خدمت کی سعادت بھی نصیب ہوئی۔ ۱۸۹۷ء سے ۱۹۰۸ء تک آپ برابر حضرت مسیح موعود کے معالج کے طور پر خدمات سرانجام دیتے رہے۔ اسی طرح محترمہ امّ المومنین اور حضرت اقدس کی اولاد اور باقی اعزہ کے لیے بھی نسخہ جات اور ادویات لاہور سے بھجوایا کرتے اور اکثر قادیان جا کر بھی ضروری خدمات بجا لاتے۔

حضرت مسیح موعودؑ ان خدمات کی بہت قدر فرمایا کرتے۔ ایک مرتبہ جب حضرت امّ المومنین بیمار تھیں، اور عم مرحوم انہیں دیکھنے کے لیے گئے اور نسخہ تجویز کیا، اور جب آپ سیڑھیوں سے اتر رہے تھے تو حضرت اقدس نے فرمایا کہ والدہ محمود کے لیے آپ دعا بھی کریں، کیوں کہ بھائی کی دعا بھائی کے حق میں بہت مقبول ہوتی ہے۔ حضرت مسیح موعودؑ کے مرض الموت میں جبکہ آپ لاہور احمدیہ بلڈنگس میں حضرت ڈاکٹر شاہ صاحب کے مکان پر فروکش تھے، تو ان دنوں عم مرحوم اندرون شہر گمٹی بازار (حویلی سروپ سنگھ) میں رہا کرتے تھے۔ رات جب حضرت کو زیادہ تکلیف ہو گئی، تو دو بجے رات ڈاکٹر مرزا صاحب کو بلایا گیا، اور آپ نے حضرت اقدس کی حالت کے مطابق دوائی تجویز کی تو حضرت اقدس نے فرمایا کہ آپ دوا کے ساتھ دعا بھی کریں، اور پھر فرمایا کہ اصل دوا تو آسمان پر ہے۔

عم مرحوم کے پاس حضرت مسیح موعودؑ کے بے شمار خطوط ان کے اپنے ہاتھ کے لکھے ہوئے محفوظ تھے۔ ان میں بیشتر خطوط نجی قسم کے تھے، اور انداز خط و کتابت ایسا ہے، جو مریض اور معالج کے مابین ہوتا ہے، لیکن یہ خطوط اس تعلق محبت کی بھی عکاسی کرتے ہیں جو جانبین کے اندر موجود تھی۔ ۱۹۰۲ء سے ۱۹۰۶ء تک جب مرزا یعقوب بیگ صاحب

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ و نصلی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مجی عزیزی ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب سلمہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ ۔ آپ کے دو خط اور مبلغ بیس روپے پہونچے۔ جزاکم اللہ خیرا ۔ ابھی مفتی صاحب کے پاس شاید آپ کا کوئی خط نہیں آیا جب آویگا، دیکھ لونگا، اور انشاء اللہ چھپ جائے گا ۔ باقی سب طرح سے خیریت ہے ۔ بہت خوشی ہوگی کہ پھر آپ کو رخصت کا موقعہ ملے اور خدا تعالیٰ ایسا کرے کہ آپ لاہور آجائیں ۔ (آمین) والسلام

مرزا غلام احمد عفی عنہ ۲ دسمبر ۱۹۰۵ء

یہ حضرت اقدس کی دعاؤں کا ہی اثر تھا کہ عم مرحوم اپریل ۱۹۰۶ء میں واپس لاہور آگئے اور میڈیکل کالج میں ایسے عہدہ پر فائز ہوئے۔ جس کے لیے بہت سے اُمیدوار تھے ۔ اور مقابلہ بڑا سخت تھا۔ لیکن محض اللہ تعالیٰ کے فضل اور مسیح موعودؑ کی دعاؤں سے آپ کو کامیابی ہوئی ۔ اس آپ لاہور میں ایسے آئے کہ پھر وفات کے وقت تک جو تیس سال کا عرصہ ہے ۔ لاہور ہی میں زندگی بسر کی سرکاری ملازمت میں بھی اور پرائیویٹ پریکٹیشنر کے طور پر بھی ۔

لاہور سے قادیان آنا جانا نسبتاً آسان تھا۔ چنانچہ اکثر ہر اتوار اور رخصت کے دن آپ قادیان تشریف لے جاتے تھے۔ ہفتہ کی شام کو لاہور سے روانہ ہوکر رات دس بجے کے قریب بٹالہ پہنچ کر اور بارہا راتوں رات کبھی پیدل اور کبھی سواری پر قادیان پہنچ جاتے ۔ اور اتوار کا تمام دن حضرت کی خدمت میں گزار کر پچھلے پہر روانہ ہوکر رات دس بجے کے قریب لاہور پہنچ جاتے ۔ علاوہ ازیں کسی خاص ضرورت کے تحت جب حضرت اقدس یا ان کے خاندان میں کسی کی ضرورت ہوتی تو ہفتہ کے باقی دنوں میں بھی آپ بحصول رخصت قادیان تشریف لے جاتے تھے۔ حضرت صاحب کے حرم محترم کے بھی کئی خطوط ان کے اپنے ہاتھ کے لکھے ہوئے ہیں جو اس تعلق و اعتماد کا اظہار کرتے ہیں جو حضرت اقدس کے خاندان کو آپ کی ذات پر تھا ۔ حضرت ام المومنین بھی ان ہر دو برادران (مرزا یعقوب بیگ و مرزا ایوب بیگ) سے نہایت مشفقانہ سلوک فرمایا کرتی تھیں۔ جب یہ قادیان جاتے تو ان کے لیے خاص طور پر اچھے اچھے کھانے پکا کر ارسال فرمایا

کرتیں، اور بہت مدارات سے پیش آتیں، مرزا ایوب بیگ کی شدید علالت کے ایام میں حضرت مسیح موعود اپنے مکتوبِ گرامی مورخہ ۲۵ اپریل ۱۹۰۰ء میں جو ہر دو برادران کے نام تھا تحریر فرماتے ہیں "میرے گھر میں بھی ایوب بیگ کے لیے سخت بے قرار ہیں، اس وقت میں ان کو بھی اس تار کی خبر نہیں دے سکتا، کیونکہ کل سے وہ بھی تپ میں مبتلا ہیں، اور ایک عارضہ حلق میں ہو گیا ہے۔ بمشکل سے کچھ اندر جاتا ہے۔ اس کے جوش سے تپ بھی ہو گیا ہے۔ وہ نیچے پڑی ہیں، اور میں اوپر کے دالان میں ہوں۔ میری حالت تحریر کے قابل نہ تھی۔ لیکن تار کے دردانگیز اثر نے مجھے اٹھا کر بٹھا دیا۔" اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت اقدس کے گھر میں بھی ان مرحومین سے کس قدر تعلق خاطر تھا۔ نواب محمد علی خان صاحب مرحوم اور حضرت اقدس کے بعض اور اعزہ کے خطوط بھی ہیں، جن سے معلوم ہوتا ہے کہ مرزا یعقوب بیگ حضرت اقدس اور آپ کے کل خاندان کی خدمت کو عین راحت اور سعادت خیال کرتے تھے۔ اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس کی خاطر خواہ توفیق عطا فرمائی۔

مجھے یہ ٹھیک معلوم نہیں کہ ۱۹۱۴ء کے بعد آپ پھر کبھی قادیان تشریف لے گئے اور حضرت ام المومنین سے آپ کی ملاقات ہوئی یا نہیں، لیکن ۳۱ دسمبر ۱۹۳۵ء کو جب آپ کے بہنوئی حضرت سید ناصر شاہ صاحب پنشنر سب ڈویژنل افسر جو حضرت اقدس کے پرانے صحابی اور جماعت قادیان کے ایک بزرگ رکن تھے، وفات پا گئے تو آپ شاہ صاحب مرحوم کے جنازہ میں شمولیت کے لیے قادیان تشریف لے گئے اور حضرت ام المومنین سے بھی ملے۔ مرحومہ محترمہ نے اس روز شام کو سابق معمول کے مطابق کوئی کھانا پکوا کر مرزا صاحب مرحوم کیلئے بھیجا اور پرانی یادوں کو تازہ کیا۔ میرے پھوپھی زاد دل کا بیان ہے کہ آپ جتنا عرصہ قادیان میں رہے۔ آپ کی آنکھیں اشکبار رہیں اور قلب میں بہت رقت رہی۔ اپنی ہمشیرہ کے گھر میں ایک رات رہنے کے علاوہ چند گھنٹے آپ نے حضرت مولوی شیر علی صاحب مرحوم کے ساتھ بسر کیئے اور وہاں بھی رقت قلب کی وہی کیفیت رہی۔

حضرت مولانا نورالدین صاحب علیہ الرحمۃ سے تعلقات

جیساکہ پہلے ذکر ہو چکا ہے کہ حضرت مولانا نورالدین صاحب سے تعلقات کی ابتداء فروری ۱۸۹۲ء سے ہوئی جس روز مرزا یعقوب بیگ صاحب حضرت مسیح موعودؑ کی زیارت کے لیے گئے تو سب سے پہلے حضرت مولانا نورالدین صاحب سے تعارف ہوا، اور حضرت مولانا نے انہیں سینہ سے لگا کر ایسی ٹھنڈک ان کے سینہ میں بھر دی کہ اس کے کیفیت سے وہ عمر بھر لطف اندوز ہوتے رہے۔ حضرت مولانا صاحب سے یہ محبت کا تعلق دن بدن گہرا ہوتا گیا جس کا مختصر حال بقول مرزا صاحب مرحوم یوں ہے کہ ” حضرت مولانا نورالدین صاحب جب جموں سے لاہور تشریف لاتے تو ہم تقریباً تمام فرصت کا وقت ان کی صحبت میں گذارتے۔ یعنی صبح کی اذان کے وقت ہم (دونوں بھائی) ان کی قیامگاہ پر پہنچتے۔ بعض اوقات وہ سوئے ہوئے ہوتے تھے۔ اور ہم ان کے ساتھ جاکر لیٹ جاتے تھے۔ وہ ہم کو دعا اور الحمد شریف کے معنی سمجھاتے۔ پھر ہم ان کے ساتھ نماز ادا کرتے، اور کالج کے وقت تک ان کے پاس بیٹھتے۔ کالج سے فارغ ہو کر پھر ان کی خدمت میں حاضر ہو جاتے۔ جب وہ سوتے تب ہم اپنے مکان کو چلے جاتے۔ حضرت مولانا صاحب کو ہمارے ساتھ خاص محبت ہوگئی۔ اگرچہ ان کے بہت سے دوست شہر میں تھے، اور پہلے ان کے ہاں ٹھہرا کرتے تھے۔ مگر بعض اوقات ہمارے مکان پر ٹھہرتے، اور کبھی صرف چند گھنٹوں کے لیے لاہور آتے تو ہمیں کالج میں جاکر ملتے۔ اس خلوص و محبت کی وجہ سے وہ ہمیشہ ہم کو ”بیٹا“ کہہ کر خطاب کرتے، ایام خلافت میں بھی وہ مجھ کو کبھی بیٹا اور کبھی بھائی کر کے خطاب کرتے تھے۔ ان کے بعض خطوط ہیں۔ انشاء اللہ ہدیۂ ناظرین کروں گا۔“

(”پیغام صلح“ قبول احمدیت نمبر نومبر ۱۹۳۳ء)

حضرت مولانا نورالدّین صاحب مرحُوم غالباً ۱۸۹۳ء کے آخر میں مستقل طور پر قادیان تشریف لے آئے، اور حضرت مسیح موعودؑ کے مکان کے ایک کمرہ میں رہائش اختیار فرمائی، اور پھر ان سے احباب جماعت کی ملاقاتیں زیادہ آسان ہو گئیں، جو کوئی حضرتِ اقدس کی خدمت میں حاضر ہوتا، وہ حضرت مولانا نورالدّین صاحب کی صحبت سے بھی فیض یاب ہوتا، حضرتِ اقدس کی ذات بہت سی برکات کا سرچشمہ تھی، اور آپ کے بعد قرآن مجید کے معارف اور دینی علوم کا خزینہ حضرت مولانا نورالدّین صاحب کی ذاتِ ستودہ صفات تھی۔ آپ دن میں چار پانچ مرتبہ درس دیتے تھے۔ عام احبابِ جماعت کے لیے الگ، طلبہ کے لیے الگ، خواتین کے لیے الگ اور شائقین علم طب کے لیے الگ۔ آپ کے درس قرآن میں شمولیت حاصل کرنے کے لیے احبابِ جماعت وقتاً فوقتاً قادیان جاتے۔ اور کچھ عرصہ قیام کر کے علوم قرآنیہ سیکھا کرتے۔ مرزا صاحب مرحوم کے چھوٹے بھائی مرزا ایوب بیگ مرحوم نے پورے قرآن مجید کا دور حضرت مولانا نورالدّین صاحب کے درس کے ذریعہ کر لیا تھا۔ مرزا یعقوب بیگ صاحب مرحوم نے بھی بار ہا رخصت لے کر قادیان میں قیام کیا، اور حضرت مولانا کے درس قرآنِ مجید میں شمولیّت اختیار کی، اور نوٹ لکھتے رہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے بھی پورا قرآن ختم کر لیا تھا۔ کیونکہ مولانا عبدالکریم صاحب مرحوم کی علالت کے دَوران جب آپ تین ماہ کی رخصت لے کر قادیان میں مقیم ہوئے تو حضرت مولانا نورالدّین صاحب علیہ الرحمۃ سے بخاری شریف پڑھا کرتے تھے۔ بظاہر حدیث شریف کا مطالعہ اس وقت شروع کیا جاتا ہے۔ جب قرآن مجید کا مطالعہ پورا کر لیا جائے۔ اس لیے اغلب یہی ہے کہ آپ نے قرآن کا دَور پورا کر لیا تھا، اور اس کے بعد حضرت مولانا صاحب مرحوم سے بخاری شریف پڑھنا شروع کیا، بہرحال حضرت مولانا صاحب کی ذات بھی اپنے

اندر ایک خاص کشش رکھتی تھی، اور لوگ آپ کی طرف کھچے جاتے تھے، اور اپنی اپنی طلب اور ظرف کے مطابق استفادہ کرتے تھے۔

مرزا صاحب سے محبت کے جذبات

حضرت مولانا نورالدین صاحب کو مرزا یعقوب بیگ سے دلی محبت اور تعلق خاطر تھا، اسی طرح مرحوم بھی حضرت مولانا کی بے حد تعظیم کرتے اور انہیں حضرت مسیح موعود کے جانشین کی حیثیت سے اپنا امام اور مطاع سمجھتے تھے۔ حضرت موصوف کے زمانۂ خلافت میں جماعتی کاموں میں پیش پیش وہی بزرگ تھے، جو بعد میں جماعت لاہور کے سرکردہ ارکان ہوئے۔ یعنی مولانا محمدؐ علی صاحب، خواجہ کمال الدین صاحب، شیخ رحمتُ اللہ صاحب، مولانا غلام حسن خاں صاحب، ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب اور ڈاکٹر سید محمدؐ حسین شاہ صاحب، مولانا محمدؐ علی صاحب بہ حیثیتِ سیکرٹری صدر انجمن جملہ کاروبار کے نگران اور منتظم تھے، اور خواجہ صاحب مرحوم نے ہندوستان کے تمام بڑے بڑے شہروں میں لیکچر دیے، اور سلسلہ کے فروغ کے علاوہ خود بھی بڑی شہرت اور مقبولیت حاصل کی۔ یہ دو شخصیتیں بالخصوص بعض لوگوں کی نگاہ میں کھٹکتی تھیں، اور ان سے بہت حسد کیا جا رہا تھا۔ بعض اہل غرض لوگ جو مرزا محمود احمد صاحب کی خلافت کے لیے راستہ ہموار کر رہے تھے، اراکین انجمن مندرجہ بالا کو اپنی راہ میں روک سمجھتے تھے، اس لیے ان کی کوشش یہ تھی کہ حضرت مولانا نورالدین صاحب کو ان لوگوں سے بدظن کیا جائے، اور جماعت میں ان بزرگوں کے وقار کو کم کیا جائے۔ حضرت مولانا نورالدین صاحب اس صورتِ حال سے بے خبر نہ تھے۔ لیکن وہ یہ چاہتے تھے کہ ان کے عین حیات جماعت میں کسی قسم کا افتراق پیدا نہ ہو، اور وہ توازن اقتدار اور جذبات میں اعتدال پیدا کرنے کی ہر ممکن سعی کرتے رہے۔ جو لوگ فتنہ پیدا کرنا چاہتے تھے۔ آپ ان سے بھی واقف

تھے۔ اور اپنے ان مخلص دوستوں کو وقتاً فوقتاً ان سے متنبہ کرتے رہے، اور چوکس رہنے کی تاکید فرماتے رہے۔ ایک خط میں مرزا یعقوب بیگ صاحب کو لکھتے ہیں:۔

"آپ اور آپ کا بھائی مرحوم (ایوب بیگ) شیخ صاحب (رحمت اللہ صاحب) مجھے پیارے عزیز ہیں، خاکسار تو آپ کی قدر کرتا ہے، اور بقدر طاقت و امکان بہت عزت کرتا ہے ......

...... جو لوگ باتیں پھیلاتے اور حاشیہ چڑھاتے ہیں اور منافق ہیں، کیا خاکسار ان کا منہ بند کر سکتا ہے؟ دیکھو سورہ احزاب اور منافقون۔ یہ باز آنے والے نہیں ......

آپ ان لوگوں سے چوکس رہیں۔ خذوا حذرکم۔

والسلام: نورالدین یکم اکتوبر ۱۹۱۳ء

ایک اور خط میں ارقام فرماتے ہیں:۔

"پیارے ڈاکٹر! آپ کو اللہ تعالیٰ نے جو دل عطا کیا ہے، وہ دل سب کا نہیں" پھر بعض لوگوں کا نام لے کر تذکرہ کیا ہے کہ انہوں نے کیا کیا باتیں کہیں" اور پھر فرماتے ہیں "آپ ایسے لوگوں سے چوکس رہا کریں بہت مخلوق خود غرضی میں مبتلا ہے اور قرآن کریم سے نا آشنا ہیں۔ میں نے آپ کے لیے نہایت خوبصورت نسخہ بخاری کا لے لیا ہے"

مرزا یعقوب بیگ صاحب کو خصوصی پیار سے، کبھی بیٹا، کبھی بھائی۔ کبھی پیارے مرزا، کبھی پیارے ڈاکٹر، کبھی مکرم مرزا کہہ کر خطاب فرمایا کرتے۔ بہت سے خطوط ایسے ہیں جن میں کسی محتاج یا قابل توجہ مریض کی سفارش فرمائی ہے۔ کہ اس کا اچھی طرح علاج کیا جائے آپ کے خطوط مختصر، عبارت سادہ لیکن انداز تحریر محبت میں ڈوبا ہوا ہوتا تھا۔ ایک

شخص کی سفارش یوں لکھی ہے "آپ ان کی طرف بہت ہی توجہ فرماکر ثواب اور میری محبت کو بڑھادیں" بعض خطوط ادویات سے متعلق ہیں۔ حضرت مولانا نورالدین صاحب اتنے بڑے حاذق طبیب ہونے کے باوجود بعض نئی انگریزی ادویات بھی استعمال فرماتے تھے، اور اپنے مریضوں کو بھی لکھ کر دیا کرتے تھے۔ اپنے کسی عارضہ یا اپنے فرزند صاحبزادہ عبدالحی صاحب کے علاج مُعالجہ کے لیے بھی مرحُوم سے رجوع کرتے چند خطوُط عبدالحی صاحب کی کسی تکلیف یا بیماری کے متعلق ہیں۔ حضرت مولانا صاحب میں انگریزی طب یا ڈاکٹری کے خلاف کوئی تعصّب نہیں تھا۔ بلکہ ایک مرتبہ آپ نے اپنی اہلیہ محترمہ (والدہ میاں عبدالحی صاحب) کو ڈاکٹری کی تعلیم دینے کے لیے مرزا یعقوب بیگ صاحب مرحوم سے کہا اور مرزا صاحب مرحوم محترمہ مرحومہ کو کچھ عرصہ تعلیم دیتے رہے۔ الغرض کئی وجوہ سے حضرت مولانا نورالدین صاحب کو مرزا یعقوب بیگ سے خاص تعلق خاطر تھا۔ اور مرزا صاحب کو بھی خدا تعالےٰ نے یہ سعادت بخشی کہ وہ مولانا صاحب مرحوم ومغفور کی ہر طرح خدمت کرتے رہے، اور ان کی بیماری کے دوران تیمارداری اور علاج میں پورے انہماک سے مصرُوف رہے، اور ایسی خدمت کی جس کی فی زمانہ مثال ملنا مشکل ہے۔ ڈاکٹر بشارت احمد صاحب مرحوم فرماتے تھے:-

"مولانا نورالدین صاحب مرحوم جب گھوڑے سے گرے اور بہت بیمار ہوگئے تو یہی مرزا یعقوب بیگ صاحب تھے، جو برابر اپنا بیگ سنبھالے پہنچا کرتے تھے۔ ہر اتوار کو پہنچنا تو دستور العمل تھا۔ درمیان میں بھی جب بلاؤ، حاضر تھے۔ حضرت مولانا مرحوم کی بیماری نے بہت طوالت پکڑی اور علاج کا زمانہ ایک لمبے عرصہ پر ممتد ہوگیا۔ مگر ڈاکٹر صاحب کبھی تھکے نہیں۔ اور آپ کی حاضری میں کبھی فرق نہیں آیا۔ یہاں تک کہ مرض الموت میں ایک لمبے عرصہ تک شب و روز آپ کی خدمت اور علاج کے لیے ڈاکٹر صاحب وقف رہے، اور آپ کے ہاتھوں ہی میں وہ علامۂ دہر رخصت ہوا"

"...... حضرت مولانا نور الدین مرحوم ڈاکٹر صاحب موصوف کی بڑی تعریف کیا کرتے تھے، اور مجھے ہدایت فرمایا کرتے تھے۔ کہ ان کا نمونہ اختیار کرو۔ بزرگوں کی خدمت کا اگر کوئی ثواب ہے، اور یقیناً بہت ثواب ہے تو پھر اس معاملہ میں ڈاکٹر مرزا صاحب جماعت میں سب سے گوئے سبقت لے گئے۔"

("پیغام صلح" ۱۱ مارچ ۱۹۳۶ء)

حضرت مولانا عبدالکریم صاحب مرحوم سے تعلقات

حضرت مولوی عبدالکریم صاحب مرحوم جو حضرت مسیح موعود کے خاص الخاص احباب میں سے تھے۔ مرزا یعقوب بیگ اور مرزا ایوب بیگ سے دلی یگانگت اور بڑی محبت کا تعلق رکھتے تھے۔ حضرت مولوی صاحب موصوف کی قرآن خوانی قادیاں کی چند بڑی نعمتوں اور خصوصیات میں شمار ہوتی تھی، اور اس کی کیفیت کا اندازہ وہی لوگ کر سکتے ہیں، جنہوں نے مولوی صاحب کو قرآن پڑھتے سنا ہے۔ قادیان میں حضرت اقدس کے زمانہ میں نمازوں کی امامت مولوی صاحب موصوف ہی کراتے تھے۔ اس کے علاوہ انہیں خدا نے فنِ تحریر اور تقریر میں اعلیٰ درجہ کا ملکہ عطا کیا تھا، اور وہ بڑے مؤثر خطیب اور مضمون نگار تھے۔ ابتدا میں وہ سر سید احمد خاں کے ہم خیال تھے اور قادیان آنے کے بعد ایک عرصہ تک وہ صبح سے شام تک حضرت اقدس سے بحث کرتے رہتے تھے، تا آنکہ آہستہ آہستہ ان کے دل سے نیچریت نکل گئی، اور وہ پوری طرح اس سلسلہ کے رنگ میں رنگین ہو گئے۔

مرزا یعقوب بیگ سے مولوی عبدالکریم صاحب عمر میں چودہ سال بڑے تھے۔ لیکن ان میں بڑی دوستی اور محبت کے تعلقات تھے۔ کیونکہ حضرت مسیح موعود نے ان دونوں

کو بھائی بھائی بنا دیا تھا، جس کی بنا مرزا یعقوب بیگ کا ایک خواب تھا۔ یہ برادرانہ تعلقات ایسے استوار ہوئے کہ آخر تک ایک نے دوسرے سے حقیقی بھائیوں کا سا سلوک کیا۔ مولوی عبدالکریم صاحب مرحوم ذیابطیس کے مریض تھے، اور جب وہ سینتالیس سال کی عمر کے تھے تو انہیں کاربنکل کی شکایت ہوگئی، جس نے ایک خطرناک صورت اختیار کرلی، اور چھ مرتبہ بغیر کلوروفارم کے اپریشن کیا گیا، اور ساتویں مرتبہ بیہوشی دے کر بہت بڑا اپریشن کرنا پڑا۔ مرزا یعقوب بیگ صاحب تین ماہ کی رخصت لے کر قادیان میں مقیم ہوگئے اور مولوی صاحب موصوف کے علاج میں مصروف رہے، اور فارغ وقت میں حضرت مولانا نورالدین صاحب سے صحیح بخاری پڑھا کرتے تھے۔ ان دنوں ڈاکٹر خلیفہ رشیدالدین صاحب بھی قادیان میں تھے، اور وہ بھی علاج میں شریک ہوتے، اور درمیان میں حضرت سید محمدؐ حسین شاہ صاحب لاہور سے اور ڈاکٹر قاضی کرم الٰہی صاحب بھی امرت سر سے آجایا کرتے تھے۔ لیکن اصل معالج مرزا یعقوب بیگ صاحب مرحوم ہی تھے جو دن رات مولوی صاحب کے علاج اور تیمارداری میں مصروف رہتے۔ ایک روز حضرت مسیح موعودؑ نے انہیں فرمایا کہ ڈاکٹر صاحب اللہ تعالیٰ نے آپ کو بڑی سعادت بخشی ہے جو مولوی عبدالکریم صاحب کی بیماری میں خدمت کی توفیق عطا فرمائی، اور پھر فرمایا کہ مریض کی تیمارداری میں رات بسر کرنا ساری رات نفل پڑھنے سے زیادہ ثواب رکھتا ہے۔

چند عجائبات مولوی عبدالکریم صاحب مرحوم کی بیماری کے دوران بڑے بڑے عجائبات ظہور میں آئے۔ آخری اپریشن کے بعد چونکہ مولوی صاحب بہت کمزور ہو چکے تھے، اور کئی دن سے کچھ کھایا پیا نہ تھا، اس لیے اپریشن کے بعد کافی دیر تک ہوش نہ آیا اور ہاتھ پاؤں بالکل سرد ہوگئے، اور نبض ساقط ہونے لگی اور مولوی صاحب کی حالت ایسی نازک ہوگئی کہ ڈاکٹر صاحبان بھی مایوس ہوگئے۔ حضرت اقدس بار بار مولوی صاحب کا حال دریافت فرماتے، اور ایسے مضطرب تھے، جیسے ایک شفیق

باپ اپنے بیٹے کی سخت بیماری پر اضطراب کا اظہار کرتا ہے۔ جب آپ کو مولوی صاحب کی سخت نازک حالت کی اطلاع دی گئی تو آپ نے بطورِ رعایت اسباب کچھ مشک لاکر مولوی صاحب کو دیا، اور خود فوراً دُعا میں مشغول ہو گئے، اور دعا کرنے سے قبل فرمایا کہ "ہمارے پاس تو بڑا ہتھیار دعا ہی ہے۔ خدا کے فضل سے نا اُمید نہ ہونا چاہیئے وہ چاہے تو مردوں میں جان ڈال دے۔ اس کو سب قدرت ہے۔" مشک دینے سے قبل مولوی صاحب کو طاقت کے ٹیکے بھی لگائے گئے تھے، مگر کچھ اثر نہ ہو رہا تھا۔ لیکن حضرت مسیح موعود کی دعا کا جو اثر ہوا، اس کی کیفیت مرزا یعقوب بیگ مرحوم نے یوں بیان فرمائی ہے۔

"میں اس بات کا شاہد ہوں، اور ڈاکٹر سید محمد حسین صاحب گواہ ہیں کہ ادھر حضرت مسیح موعود نے دعا کے لیے سجدہ میں سر رکھا، اور اُدھر مولوی صاحب کی حالت جو نہایت خطرناک تھی، اصلاح پکڑنے لگی، اور ابھی حضرت دعا سے فارغ نہ ہوئے تھے کہ نبض بالکل درست اور طاقت ور ہو گئی، جیسے کبھی کوئی ضعف نہ تھا۔ اس وقت ڈاکٹر محمد حسین صاحب کے منہ سے بے اختیار یہ کلمہ نکلا کہ ان کی نبض کا درست ہونا، ایک معجزہ ہے، میں نے کبھی نہیں دیکھا کہ اس حالت کے بعد اس ضعف کی حالت میں اور دل کے بالکل رہ چکنے کے بعد پھر کسی کا دِل قوی ہو گیا ہو، اور حالت دُرست ہو گئی ہو"

(مجددِ اعظم جلد دوم ص ۱۰۲۲)

اسی طرح اجابتِ دعا کے چند اور واقعات عم مرحوم کی زبانی "مجددِ اعظم" میں تفصیل سے بیان کیے گئے ہیں، ایک مرتبہ یکم اکتوبر ۱۹۰۵ء کی رات کو مولوی صاحب کو سخت ضعف تھا، اور قریباً غشی کی کیفیت تھی، اسی وقت حضرتِ اقدس کی خدمت میں اطلاع دی گئی، اور آپ تشریف لائے، اور دعا میں مصروف ہو گئے۔ دوا بھی دی گئی، لیکن

ابھی دوا اندر نہ گئی تھی کہ حضرت اقدس کے دعا کے لیے ہاتھ اٹھاتے ہی نبض میں طاقت آ گئی اور مولوی صاحب موصوف ہوش میں آ گئے۔ اسی طرح اپریشن کے بعد زخم کی حالت کئی دن تک خراب رہی اور انگور کا نام ونشان نظر نہ آتا تھا حضرت اقدس نے دعا فرمائی اور اگلے دن صبح اپنا ایک رویا سنایا کہ مولوی صاحب مرحوم کو سفید کپڑوں میں ملبوس دیکھا ہے۔ اس دن جب ڈاکٹر صاحب مرحوم پٹی لگانے کے لیے گئے تو زخم پر انگور آیا ہوا تھا، اور مولانا محمد علی صاحب شیخ یعقوب علی صاحب اور دیگر احباب جو ہر روز زخم کی حالت دیکھتے تھے، اس فوری تبدیلی پر حیران رہ گئے۔

مولوی عبدالکریم صاحب مرحوم کی علالت کے دوران حضرت مسیح موعود کا مشفقانہ سلوک اور مرزا یعقوب بیگ کی تیمارداری دونوں کمال کو پہنچی ہوئی تھیں۔ حضرت صاحب نے ادویات کی فراہمی، غذا کی تیاری، پھل مہیا کرنا، اور قادیان جیسے چھوٹے سے قصبہ میں منوں برف کا ہر وقت موجود رکھنا، اور ہر نئی دوا اور غذا اور طریق علاج کو اختیار کرنے میں ایسی مستعدی کا اظہار فرمایا، اور اس قدر روپیہ صرف کیا کہ کوئی چیز ایسی نہ تھی جو مولوی صاحب کے علاج کے لیے مفید سمجھی گئی ہو اور جسے مہیا نہ کیا گیا ہو، چنانچہ مولوی عبدالکریم صاحب مرحوم کے والد نے یہ اعتراف کیا کہ اگر وہ اپنی ساری جائیداد بھی فروخت کر دیتے اور چاہتے کہ ان کے بیٹے کا اس پیمانہ پر اور اس توجہ سے علاج ہو تو ایسا ہرگز نہ ہو سکتا۔ مرزا صاحب مرحوم کے انہماک اور توجہ پر حضرت مسیح موعود وقتاً فوقتاً ان کی حوصلہ افزائی بھی فرماتے رہتے، اور مرزا یعقوب بیگ نے مولوی صاحب مرحوم سے اپنا عہد اخوت ایسا نبھایا کہ اس کی نظیر اس زمانہ میں تلاش کرنا عبث ہے۔ اللہ تعالیٰ ان ہر دو بھائیوں کو جوار رحمت میں جگہ دے اور ان کی ارواح پر بڑی بڑی رحمتیں اور برکات نازل کرے۔

سلسلۂ احمدیہ اور جماعت لاہور کی خدمات

مرزا یعقوب بیگ صاحب مرحوم نے تمام عمر مختلف حیثیتوں سے سلسلۂ احمدیہ کی گرانقدر خدمات سرانجام دیں۔ حضرت بانئ سلسلہ سے آپ کو جو محبت اور وابستگی تھی، اس کا کسی قدر ذکر پہلے کیا جا چکا ہے۔ جماعت کے کاموں میں دلچسپی اور جوشِ تبلیغ اور سلسلہ کی توسیع و ترقی کے لیے آپ کی مساعی کا بھی ذکر آ چکا ہے۔ آپ کی انہی خوبیوں اور اوصاف کی بنا پر حضرت مسیحِ موعودؑ نے اپنی جانشین انجمن معتمدین کے چودہ نامزد کردہ ممبران میں آپ کا نام بھی شامل کیا، اور آپ لائف ممبر اور ٹرسٹی مقرر ہوئے۔ چنانچہ آپ ۱۹۰۶ء سے لے کر ۱۹۱۴ء تک صدر انجمن احمدیہ کے معتمد کی حیثیت سے اپنے فرائض کو بطریقِ احسن سرانجام دیتے رہے، اور سرکاری ملازمت اور ڈاکٹری پیشہ کی مصروفیات کے باوجود باقاعدگی سے انجمن کے جلسوں میں شمولیت کے لیے قادیان تشریف لے جاتے رہے۔

مارچ ۱۹۱۴ء میں حضرت مولانا نورالدین صاحب کی وفات کے بعد جب سلسلہ میں اختلاف رونما ہوا، اور جماعت کے دو فریق بن گئے، تو آپ اپنے احبابِ خصوصی یعنی حضرت مولانا محمد علی صاحب، خواجہ کمال الدین صاحب، شیخ رحمت اللہ صاحب، مولانا غلام حسن خان صاحب اور ڈاکٹر سید محمد حسین شاہ صاحب کے ساتھ جماعت لاہور میں شامل ہوئے۔ حضرت مولانا نورالدین صاحب کی وفات پر جو تیرہ ممبران معتمدین باقی رہ گئے تھے۔ ان میں سے سات نے جماعت لاہور میں شمولیت اختیار کی اور چھ نے جماعتِ قادیان کا ساتھ دیا۔ یہاں ان تفصیلات کے بیان کرنے کی گنجائش نہیں کہ اختلافِ سلسلہ کن حالات میں رونما ہوا، اور اس کے کیا اسباب تھے۔ البتہ یہ ذکر کرنا ضروری ہے کہ اکابرین جماعت لاہور نے پوری کوشش کی کہ جماعت میں اتحاد قائم رہے، اور انجمن کا نظام انہی اصولوں پر چلایا جائے۔ جو حضرت مسیحِ موعودؑ نے وضع کیے تھے، لیکن صاحبزادہ مرزا محمود

احمد صاحب اور ان کے ہم خیال احباب نے اتحاد کی یہ تمام کوششیں ناکام بنا دیں، علاوہ ازیں دو نئے مسائل یعنی حضرت مسیح موعود کی نبوت اور عامۃ المسلمین کی تکفیر باہمی اتحاد میں سب سے بڑی روک تھے۔ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ، کہنے والے کو کافر اور خارج از اسلام قرار دینا ایک ایسا خطرناک عقیدہ تھا کہ اس کے ساتھ کسی طرح بھی اتفاق نہیں کیا جا سکتا تھا، البتہ جماعت کے شیرازہ کو قائم رکھنے کے لیے اور مل کر کام کرنے کی جو ممکن صورتیں ہو سکتی تھیں، وہ جناب میاں صاحب اور ان کے رفقاء کے سامنے پیش کی گئیں، اور ہر طرح کوشش کی گئی کہ اختلاف عقائد کے باوجود بھی مل کر کام کیا جائے اور حضرت صاحب کے مشن کو نقصان نہ پہنچایا جائے۔ لیکن جب کوئی صورت کارگر نہ ہوئی تو احباب لاہور کو الگ ایک انجمن کی بنا ڈالنی پڑی۔ حضرت مولانا محمد علی صاحب مرحوم مولانا نور الدین صاحب علیہ الرحمۃ کی وفات کے بعد ایک مہینہ سے زائد عرصہ قادیان میں رہے، اور رات دن ان کوششوں میں مصروف رہے کہ کسی طرح کوئی صورت جماعتی اتحاد اور یک جہتی کی، پیدا ہو جائے۔ لیکن جب ان کا قادیان میں مزید قیام ناممکن ہو گیا، تو آپ لاہور تشریف لے آئے حضرت مولانا مرحوم کے حق و صداقت کی خاطر قادیان سے ہجرت کرنے اور باطل کا ڈٹ کر مقابلہ کرنے کو مولانا ابو الکلام آزاد نے مولانا صاحب موصوف کی دلاوری پر محمول کیا اور اسے اس زمانہ کا ایک یادگار واقعہ قرار دیا۔

احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور

مئی ۱۹۱۴ء میں احمدیہ انجمن اشاعت الاسلام لاہور کی بنیاد ڈالی گئی اور ۳ مئی ۱۹۱۴ء کو معتمدین کا پہلا اجلاس ہوا، اور انجمن ہذا کے قواعد و ضوابط منظور کیے گئے۔ حسب ذیل عہدیداران انجمن منظور ہوئے۔

صدر:۔ حضرت مولانا محمد علی صاحب۔ نائب صدر:۔ مولانا غلام حسن خان صاحب شیخ نیاز احمد صاحب، محمد عجب خاں صاحب، جنرل سیکرٹری:۔ ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ

صاحب اور فنانشل سیکرٹری :- ڈاکٹر سید محمد حسین شاہ صاحب۔

یہ بڑی مشکلات اور صبر آزمائی کا وقت تھا۔ چند مٹھی بھر لوگوں نے اللہ کا نام لے کر ایک جماعت کی بنیاد ڈال دی لیکن نہ ان کے پاس روپیہ تھا، نہ عمارت، نہ دفتر، نہ کارکن اور وہ تمام ذرائع جو کسی سلسلہ کو چلانے میں معاون ہوتے ہیں۔ وہ قطعی مفقود تھے۔ البتہ اللہ تعالیٰ پر بھروسہ اور خلوص نیت یہ دو ہتھیار ان کے پاس تھے۔ اور یہی بالآخر ان کی کامیابی کے ضامن ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے اس ننھے سے بیج کو جلد ہی ایک پھلدار درخت میں تبدیل کر دیا اور تھوڑے ہی عرصہ میں یہ جماعت نہ صرف ابھر آئی، بلکہ اقصائے عالم میں اس کی شاخیں قائم ہو گئیں۔

ایک عظیم قربانی

صدر اور سیکرٹری کسی ادارہ کی جان ہوتے ہیں، اور فرائض کے لحاظ سے سیکرٹری سب سے اہم پرزہ قرار دیا جاتا ہے۔ اس لحاظ سے حضرت مولانا محمد علی صاحب اور مرزا یعقوب بیگ صاحب اس انجمن کے اصل روح رواں تھے۔ مرزا صاحب مرحوم اس وقت سرکاری ملازمت میں تھے اور کنگ ایڈورڈ میڈیکل کالج لاہور میں اناٹومی کے پروفیسر تھے۔ آپ نے بخوشی یہ بوجھ اپنے کندھوں پر اٹھایا اور اپنی ملازمت اور دیگر مصروفیات کے باوجود انجمن کے سیکرٹری کی حیثیت سے رات دن محنت سے کام کرنے لگے۔ ابھی انجمن کے قیام پر بہت عرصہ نہیں گذرا تھا، اور ابھی مشکلات کا دور بھی ختم نہیں ہوا تھا کہ یکایک مرزا یعقوب بیگ صاحب کے لاہور سے تبادلہ کے احکام جاری ہو گئے۔ ۱۹۱۵ء میں آپ کو سول سرجن بنا کر لاہور سے باہر (غالباً جہلم) بھیجے جانے کے احکام صادر ہوئے۔ اس زمانہ میں سول سرجن ایک بہت بڑا عہدہ تھا اور اضلاع میں عموماً انگریز ہی سول سرجن ہوا کرتے تھے۔ اور بہت کم ہندوستانیوں کو یہ عہدہ ملتا تھا اس لحاظ سے مرزا صاحب مرحوم کے لیے یہ ایک بہت بڑی ترقی عہدہ تھی، اور آپ کے سامنے بڑا روشن مستقبل تھا۔ کیونکہ اس وقت آپ کی عمر بیالیس سال تھی اور ابھی تیرہ سال ملازمت کے باقی تھے، اور اس وقت سول سرجن بن کر اختتام ملازمت تک آپ ڈائریکٹر جنرل یا کسی ایسے عہدہ پر پہنچ کر ریٹائر ہوتے۔ پس ایک طرف آپ کے ذاتی مفاد اور ترقی درجات کا سوال تھا اور دوسری

طرف قومی نشاد اور خدا کے دین کی ضرورت تھی۔ آزمائش بڑی سخت تھی۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے آپ کی مدد کی، اور آپ نے حضرت مسیح موعود سے کیے ہوئے عہد "میں دین کو دُنیا پر مقدم رکھوں گا" کو سچ کر دکھایا اور سرکاری ملازمت سے استعفیٰ دے دیا۔ لوگ آپ کے اس فیصلہ سے حیران رہ گئے۔ آپ کے انگریز افسران اور آپ کے خیر خواہوں اور دوست احباب سب نے آپ کو سمجھایا کہ یہ غلطی نہ کریں اور ایسے معزز عہدہ کو ٹھکرائیں نہیں، لیکن آپ قطعی فیصلہ کر چکے تھے۔ اور خدا پر بھروسہ کرتے ہوئے آپ نے باقی سب مشوروں کو رد کر دیا اور استعفیٰ واپس نہ لیا۔ آپ نے یہ عظیم قربانی محض احمدیہ انجمن اشاعتِ اسلام کی استواری کی خاطر اور خدا کے دین کی مضبوطی کی خاطر برداشت کی، اور بدستور انجمن کے آنریری جنرل سیکرٹری کے طور پر کام کرتے رہے۔

مزید قربانی

ملازمت سے استعفیٰ کے بعد آپ کا گذران اپنی پرائیویٹ پریکٹس پر تھا، لیکن اللہ تعالیٰ جو کسی کا حق باقی نہیں رکھتا۔ اس کے فضل سے آپ کی پریکٹس خوب چمکی، اور آپ کی کمائی میں بہت برکت ڈالی گئی۔ سرکاری عہدہ کے بڑھنے سے جو اضافہ آمدنی متوقع تھا۔ اس سے بہت بڑھ کر خدا نے آپ کو مال دیا، اور ساتھ ہی خدمتِ دین کی توفیق بھی دی!

جب پانچ چھ سال گذر گئے، اور آپ کا کام پورے عروج پر تھا تو یکایک ۱۹۲۰ء میں حضرت خواجہ صاحب کی تحریک پر انجمن نے آپ کو ووکنگ بھیجنے کا فیصلہ کیا۔ یہ ایک اور آزمائش تھی۔ کیونکہ ایسی کامیاب اور چلتی ہوئی پریکٹس کو چھوڑنا آسان کام نہ تھا۔ لیکن جب مرزا صاحب مرحوم کو اس قربانی کے لیے کہا گیا تو وہ اس کے لیے بھی تیار ہو گئے۔ آپ کا پاسپورٹ بن گیا، اور ولایت جانے کی تیاری شروع ہو گئی۔ یہاں تک کہ آپ نے اپنی پریکٹس بھی چند ڈاکٹر دوستوں میں تقسیم کر دی۔ اور ان کو ہمراہ لے جا کر لاہور کے ایسے مقتدر خاندانوں سے جن کے آپ فیملی ڈاکٹر تھے۔ متعارف کرا دیا، اور اپنے بال بچے اور اہل خاندان کو سپردِ خدا کر کے

ترکِ وطن کے لیے تیار ہو گئے۔ بعد ازاں چند ضروری اور ناگزیر اسباب کی بنا پر آپ کی روانگی ملتوی ہو گئی، اور انجمن کو بھی یہ احساس ہُوا کہ آپ کا لاہور میں رہنا جماعت کے لیے زیادہ تقویت کا موجب ہوگا بہ نسبت باہر جانے کے، اس لیے ووکنگ جانے کی تجویز ملتوی ہو گئی، اور آپ بدستور اپنا کام بھی کرتے رہے اور اعزازی طور پر انجمن کی خدمات بھی سرانجام دیتے رہے۔

آپ کئی سال تک جنرل سیکرٹری کی حیثیت سے انجمن کے جملہ کاروبار کے نگران رہے۔ بعد میں جب انجمن کا کام زیادہ پھیلنے لگا، تو ایک ہمہ وقت آدمی کی ضرورت محسوس ہوئی، جو دفتر میں بیٹھے اور سیکرٹری شپ کے لیے پورا وقت دے۔ اس لیے ایک پورے وقت کا سیکرٹری مقرر کیا گیا۔ لیکن آپ پھر بھی انجمن کے کئی شعبوں کے نگران رہے، اور مختلف حیثیتوں میں خدمات سرانجام دیتے رہے۔ ان دنوں جماعتی کاموں میں بڑی برکت اور یک جہتی تھی۔ جماعت کے تمام سرکردہ بزرگ یعنی حضرت مولانا محمد علی صاحب۔ شیخ رحمتُ اللہ صاحب۔ ڈاکٹر سیّد محمد حسین شاہ صاحب اور مرزا صاحب مرحُوم قریبًا ہر روز شام کے وقت مسجد میں جمع ہوتے تھے اور انجمن کے کاروبار اور جماعتی ضروریات کے بارہ میں مشورہ کرتے۔ یہ مجلس مغرب سے عشاء تک رہتی، اور اکثر رات کا کھانا بھی یہ سب مل کر کھایا کرتے۔ یہ ایسی مودت و رحمت کی فضا تھی کہ پھر اس کے بعد دیکھنے میں نہیں آئی۔ آج کل تو بمشکل ہفتہ وار میٹنگ ہوتی ہے، اور اس میں بھی تمام احباب جمع نہیں ہوسکتے۔ لیکن اوائل میں ہمارے بزرگوں کا روزانہ اجتماع ہوتا تھا۔ شیخ رحمتُ اللہ صاحب مرحُوم اتنے بڑے تاجر اور معروف انسان تھے۔ وہ انجمن کے نائب صدر بھی تھے، اور ساتھ ہی امین کے فرائض بھی سرانجام دیتے تھے۔ ہر روز شام کو آکر وہ دن بھر کی انجمن کی آمد وصول کر کے لے جاتے۔ کیونکہ انجمن کے پاس ان دنوں کوئی سیف بھی نہ تھا، اور نہ کوئی محفوظ جگہ تھی، اس لیے انجمن کا روپیہ شیخ صاحب موصوف کے پاس رہتا تھا۔

۱۹۱۸ء میں مسلم ہائی سکول لاہور قائم ہُوا، اور مولانا صدر الدین صاحب اس کے

پرنسپل مقرر ہوئے۔ لیکن حضرت مرزا صاحب اور حضرت شاہ صاحب نے بھی سکول کی ترقی اور فروغ میں بہت حصہ لیا، اور قریبًا روزانہ شام کو میکلوڈ روڈ پر واقع سکول میں جاتے اور نت نئی پیش آمدہ ضروریات پر توجہ دیتے اور پرنسپل صاحب کی مدد کرتے۔

شیخ رحمت اللہ صاحب مرحوم کی وفات کے بعد مرزا یعقوب بیگ صاحب مرحوم انجمن کے نائب صدر منتخب ہوئے اور قریبًا بارہ سال یعنی ۱۹۲۴ء سے ۱۹۳۶ء تک آپ نے وائس پریذیڈنٹ کی حیثیت سے خدمات سرانجام دیں۔ انجمن کے دوسرے نائب صدر مولانا غلام حسن خاں صاحب مرحوم تھے، اور ان کے بعد میاں غلام رسول صاحب

انجمن کے شعبہ ہائے تبلیغ، تعلیم اور تصنیف و تالیف اور اراضیات کے علاوہ دو بستیاں اقوام جرائم پیشہ کی حکومت کی طرف سے انجمن کی نگرانی میں دی گئی تھیں۔ ایک ضلع سیالکوٹ میں اور ایک ضلع منٹگمری میں جرائم پیشہ لوگوں کو حکومت نے زمین کی کاشت کاری کے کام پر لگایا، اور ان کے اخلاقی سدھار اور تربیت کے لیے مذہبی اداروں سے مدد لی گئی، اس شعبہ کی نگرانی بھی حضرت مرزا صاحب کے سپرد تھی، اور انجمن کے چند قابل قدر مبلغ اور کارکن اپنے اخلاقی اثر سے ان لوگوں کی تربیت کرتے رہے۔ مثلاً ڈاکٹر عصمت اللہ صاحب مرحوم۔ مولوی دوست محمد صاحب۔ شیخ محمد نصیب صاحب اور چوہدری عبدالمجید صاحب وغیرہم۔ یہ محکمہ ہمیشہ مرزا صاحب کی نگرانی میں رہا۔ کیونکہ ان کی پوزیشن کا آدمی ہی سرکاری مشینری کو متاثر کر سکتا تھا۔ محکمہ اصلاح جرائم پیشہ کا ڈپٹی کمشنر سردار بہادر ہری سنگھ مرحوم مرزا صاحب کی بے حد تعظیم کرتا تھا، اور ان کی رائے کے بغیر کسی انتظامی تبدیلی یا ڈسپلن کے معاملات کا فیصلہ نہیں کرتا تھا۔ مجموعی طور پر ہماری انجمن نے اس بارہ میں بڑا عمدہ کام کیا اور جرائم پیشہ اقوام کو چوری چکاری چھوڑ کر مفید شہری اور نیکوکار بننے میں بڑی مدد دی ۔

جماعت کی توسیع و استحکام میں آپ کا حصہ

مرزا یعقوب بیگ صاحب مرحوم کے وجود سے جماعت احمدیہ لاہور کی توسیع و استحکام میں بہت مدد ملی۔ اور معززینِ لاہور سے آپ کے وسیع تعلقات اور حکام میں اثر و رسوخ اور پبلک میں ہر دلعزیزی یہ سب امورِ جماعت کے وقار کو بڑھانے میں معاون ہوئے۔ ہر سال جلسہ سالانہ سے قبل ایک دو ماہ آپ اور حضرت شاہ صاحب مرحوم لاہور کے چیدہ چیدہ مسلمانوں کے پاس بصورتِ وفد جاتے، اور انہیں جلسہ سالانہ میں شمولیت کی دعوت بھی دیتے، اور اشاعتِ اسلام میں حصہ لینے کی تحریک بھی کرتے، اور اس طرح ہزارہا روپے کی امداد انجمن کو مل جاتی، اور جلسہ سالانہ میں ایک معقول تعداد میں عمائدینِ لاہور شامل ہوتے، اور ہمارے بزرگوں کے خیالات سے مستفید ہوتے اور انجمن کے تبلیغی کارناموں سے روشناس ہوتے۔

مرحوم کی ذاتی قربانیاں اور مالی امداد بھی اس انجمن کے استحکام کا موجب ہوئی، اور ابتداء میں ایک چھوٹا سا بیج جو چند مخلص دوستوں نے خدا کا نام لے کر بویا تھا، وہ آج اس کے فضل و احسان سے ایک تناور درخت بن چکا ہے اور برگ و بار لایا ہے۔

حضرت مولانا محمد علی صاحب مرحوم و مغفور فرماتے ہیں:-

"حضرت مرزا صاحب مرحوم نے جو قربانیاں دی ہیں، ان کا بیان کرنا میری طاقت سے باہر ہے۔ اللہ ہی ان کو جانتا ہے۔ اور دعا ہے کہ وہی ان کا اجر انہیں دے اور ان قربانیوں کے طفیل ان کے پسماندگان پر بھی رحم فرمائے۔ جماعت نئی نئی بنی تھی، ادھر لاہور سے ان کی تبدیلی ہوئی۔ سول سرجن بن کر کہیں جاتے اور دنیوی مفاد کے لحاظ سے یہ ایک زبردست کشش تھی، مگر جماعت کی ضروریات نے تمام دنیوی مفاد کو قربان کرا دیا اور اپنی ملازمت سے استعفٰی دے کر دین کو دنیا پر مقدم کرنے کا حق ادا کیا، جو اقرار مامور کے ہاتھ پر کیا تھا، اسے ضرورت کے وقت پورا کر دکھایا، ملازمت کو ترک کیا اور خدا کے دین کی خدمت کے لیے اپنی زندگی کو وقف کر دیا۔ آج تو لوگ ہاں مسلمان ادنیٰ

اور نئے مفاد دنیوی پر ایمان کو بیچتے ہیں، مگر یہ ایک مردِ خدا تھا جس نے دنیا کی عزت اور مرتبے کو دین کی ضرورت کے سامنے قربان کر دیا، اور اپنے آپ کو اُن مسلمانوں میں سے ثابت کیا جن کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے - اِنَّ اللّٰہ اشتریٰ من المؤمنین انفسھم و اموالھم بان لھم الجنۃ "

("پیغامِ صلح" ۱۱ر مارچ ۱۹۳۶ء)

اسی طرح ہمارے موجودہ امیر مولانا صدر الدین صاحب فرماتے ہیں -

" جماعت لاہور کی استواری پر حضرت ڈاکٹر مرزا صاحب نے ہزار ہا روپے صَرف کیے ۔ ضرورت پڑی تو ایک مکان بھی چندے میں پیش کر دیا، جہاں اُن کے مال نے قوم کے استحکام میں مدد دی، وہاں اُن کی فرشتہ سیرت شخصیت نے بھی قوم کے افراد میں افزائش کی اور قوم کے افراد کی مضبوطی کا باعث ہوئی "

زندگی کے آخری چند سال

ایک خطرناک مرض سے آپ کی صحت یابی

مرزا یعقوب بیگ مرحوم ایک متوازن زندگی اور معتدل عادات کے مالک تھے۔ عمر بھر اپنی صحت، خوراک، آرام اور کام اور اشتغال میں باقاعدگی کا خیال رکھتے رہے۔ تاہم مقدرات میں بعض تکالیف ایسی ہوتی ہیں جو ٹل نہیں سکتیں۔ ۱۹۲۹ء کے اگست میں آپ پر فالج کا حملہ ہوا۔ اور چند ماہ آپ صاحب فراش رہے۔ لاہور کے تمام بڑے بڑے ڈاکٹروں نے آپ کے علاج میں حصہ لیا اور مکرم ڈاکٹر محمد یوسف صاحب اور محترمی ڈاکٹر غلام محمد صاحب مرحوم بڑی باقاعدگی سے روزانہ دو مرتبہ آپ کی احوال پرسی کے لیے تشریف لاتے اور مستقل معالجہ انہی دو بزرگوں کے سپرد تھا۔ اللہ تعالیٰ کے فضل نے دستگیری فرمائی اور آپ دسمبر تک بالکل صحت یاب ہوگئے۔ اور اس کے بعد پھر زندگی کے معمولات اور اپنے کام کاج میں حسب سابق دلچسپی لینے لگے۔ اگرچہ آپ صحت یاب ہوگئے تھے لیکن آپ کی تندرستی مجروح ہوچکی تھی۔ اور بہت بوجھ اٹھانے کے قابل نہ رہی تھی۔ مگر اس مرد خدا نے ہمیشہ فرض کی پکار کو سنا اور جب بھی کسی قومی اور مذہبی فریضہ کی ادائیگی کا وقت آیا تو یہ سینہ سپر ہوگئے۔ اپنی بیماری کے بعد اگلے موسم گرما میں جب آپ ایبٹ آباد میں تھے تو صوبہ سرحد کے مسلمانوں پر جو مظالم ہو رہے تھے ان کے خلاف ایک باقاعدہ مہم چلائی اور رائے عامہ کو ہموار کرنے میں بڑی مدد دی۔ اس بیماری کے بعد آپ کی پریکٹس میں کمی واقع ہوئی۔ اور آمدنی محدود ہوگئی۔ اگرچہ خدا کے فضل سے گذارہ بخوبی ہوتا رہا۔ چونکہ خاندان کی پرورش کا سارا بوجھ آپ کی ذات پر تھا

اس بیے کام اور محنت میں فرق نہ آیا۔ البتہ ان ایّام میں آپ کے عزم وہمت صبر اور شکر اور توکل علی اللہ کے بہت سے نظارے ان آنکھوں نے دیکھے اور یرزقہ من حیث لا یحتسب کے خدائی وعدے بھی پورے ہوتے رہے۔

احمدیّت کی مخالف تحریکات

۱۹۳۴، ۳۵ء میں مجلس احرار نے تحریک احمدیت کے خلاف ایک زبردست محاذ قائم کیا جس کا مقصد یہ تھا کہ اس جماعت کو خارج از اسلام قرار دے کر مسلمانوں کے زمرہ میں شامل نہ کیا جائے بلکہ ایک علیحدہ اقلیت قرار دیا جائے۔ ابتداء میں یہ تحریک احراری لیڈروں اور مولانا ظفر علی خاں صاحب تک محدود تھی۔ اور "زمیندار" اخبار نیز احراریوں کا ترجمان "مجاہد" اس مشن کے داعی تھے۔ لیکن آہستہ آہستہ یہ تحریک پھیلنے لگی اور بعض روشن خیال مسلمان اور متوازن طبع لیڈر بھی اس ایجی ٹیشن سے متاثر ہونے لگے۔ سب سے زیادہ خلفشار اس وقت ہوئی جب علامہ اقبال مرحوم نے بھی اس تحریک کی تائید کر دی اور ایک رسالہ انگریزی زبان میں "اسلام اینڈ احمدازم" شائع کیا۔ جس میں احمدیہ جماعت کے ایک الگ اقلیت بنائے جانے کے مطالبہ کی تائید کی اور مسیح موعود کی آمد کے عقیدہ کو ایک مجوسی خیال قرار دیا۔ ہماری جماعت کے اخبارات نے جملہ اعتراضات کا شافی جواب دیا اور حضرت امیر مرحوم مولانا محمد علی صاحب کی طرف سے کئی بیانات، اور ٹریکٹ ورسائل سلسلہ کے مسلک کو واضح کرنے کے لیے شائع کیے گئے۔ اور علامہ مرحوم کے بیان کی خامیاں اور ان کے سابقہ مسلک سے تضاد کو ظاہر کیا گیا لیکن یہ طوفان مخالفت فرو ہونے کی بجائے بڑھتا ہی چلا گیا۔

انجمن حمایت اسلام کی "تطہیر"

علامہ سر محمد اقبال ان دنوں انجمن حمایت اسلام لاہور کے صدر تھے۔ آپ نے یکایک انجمن کی صدارت سے استعفیٰ دیدیا اور جب آپ سے استعفیٰ کی وجوہات دریافت کی گئیں تو آپ نے فرمایا کہ چونکہ انجمن حمایت اسلام میں "مرزائیت نواز" عنصر غالب ہے اور مرزائی بھی اس انجمن کے

رکن ہیں حالانکہ رائے عامہ انہیں خارج از اسلام قرار دے رہی ہے اس لیے آپ ایسی انجمن کے صدر نہیں رہ سکتے۔ جب علامہ سے استعفیٰ واپس لینے کی اور بدستور صدر رہنے کی درخواست کی گئی تو آپ نے یہی شرط پیش کی کہ انجمن رائے عامہ کا احترام کرے اور مرزائیت کے بارہ میں اپنی پالیسی واضح کرے۔ انجمن کے بعض ممبروں اور چند علماء (جن میں مولانا غلام مرشد صاحب بھی تھے) کی یہ رائے تھی کہ کسی فرد یا جماعت کے کفر و اسلام کا فیصلہ کرنا انجمن کا کام نہیں۔ اور اس انجمن کے لیے یہی مناسب ہے کہ وہ ہر مکتب خیال کے لوگوں کی مشترکہ مساعی کا ادارہ بنی رہے۔ مگر کثرت سے لوگ یہ چاہتے تھے کہ انجمن کوئی واضح اعلان کرے۔ جس سے ڈاکٹر سر محمد اقبال مطمئن ہو کر دوبارہ انجمن کی صدارت کو قبول کر سکیں۔

ہمارے حضرت امیر مرحوم و مغفور کی طرف سے ایک مکتوب بنام جنرل سیکرٹری انجمن حمایت اسلام لاہور ۲۰ جنوری ۱۹۳۶ء کو شائع ہوا جس میں آپ نے فرمایا کہ سلسلہ احمدیہ اور انجمن حمایت اسلام لاہور کی بنیاد قریب قریب ایک ساتھ رکھی گئی تھی اور گذشتہ پینتالیس سال سے یہ دونوں ایک دوسرے سے تعاون کرتے رہے ہیں۔ اور انجمن کا پینتالیس سال کا عمل اس بات پر گواہ ہے کہ اس نے احمدیوں کو اپنے اس قاعدہ کے ماتحت کہ "ہر مسلمان مرد ہو یا عورت بلا امتیاز فرقہ تحریری یا زبانی درخواست پر انجمن کا ممبر ہو سکتا ہے" اسلام کا ایک فرقہ قرار دیا ہے۔ اور خود بانی سلسلہ نے بھی اس جماعت کو مسلمان فرقہ احمدیہ قرار دیا ہے۔ اور پھر آپ نے اس جماعت کے معتقدات اور مخالف اور موافق اخبارات کی رائے اور فتاویٰ کفر کی حقیقت پر سیر حاصل تبصرہ فرمایا۔ اسی طرح مرحوم مرزا یعقوب بیگ صاحب کی طرف سے اراکین انجمن کے نام ایک "دردمندانہ اپیل" شائع ہوئی جس میں آپ نے تفریق بین المسلمین کے نقصانات اور تحریک مسجد شہید گنج کی ناکامی اور مختلف جگہوں پر مسلمانوں کے اکثریت میں ہونے کے باوجود بوجہ افتراق ناکام اور پس ماندہ ہونے کے اسباب پر روشنی ڈالی۔ اور پرزور اپیل کی کہ وہ سطحی جذبات سے بلند ہو کر مسلمانوں کے اجتماعی مفاد کو ملحوظ رکھیں۔

اور انجمن کی سابقہ روایات سے روگردانی نہ کریں۔ لیکن یہ تمام اپیلیں اور دضاحتیں صدا بہ صحرا ثابت ہوئیں۔ اور انجمن حمایت اسلام کی جنرل کونسل نے ۲۶ جنوری ۱۹۳۶ء کو یہ قرارداد منظور کی کہ انجمن کبھی احمدیت نوازی کی مرتکب نہیں ہوئی اور اب علی الاعلان یہ اظہار کرتی ہے کہ اس انجمن کو احمدیت سے کوئی تعلق نہیں اور نہ انجمن کی پالیسی احمدیت نوازی کی ہو سکتی ہے۔ نیز انجمن کے ماتحت شعبوں کو ہدایت کی گئی کہ وہ اپنے انتظام و انصرام میں اس امر کو مدنظر رکھیں۔

مرض الموت اور مرحوم کی وفات

۲۶ جنوری کے بعد انجمن کی جنرل کونسل کا آئندہ اجلاس ۲ فروری ۱۹۳۶ء کو منعقد ہوا۔ اس اجلاس میں سابقہ جلسہ کی کارروائی کی توثیق ہونی تھی۔ مرزا صاحب مرحوم بھی انجمن کی جنرل کونسل کے بڑے پرانے رکن تھے اور آپ کے دل میں یہ عزم تھا کہ وہ ۲ فروری کے اجلاس میں جا کر انجمن کو ۲۶ جنوری کی قرارداد کے نقصانات سے آگاہ کریں اور تفرقہ اور فرقہ بندی کی روش کو اختیار کرنے سے منع کریں (آپ کے چند مخلص احباب اور اہل خانہ نے آپ کو اس اجلاس میں شرکت کرنے سے منع کیا اور خلوص سے یہ مشورہ دیا کہ وہ میٹنگ میں تشریف نہ لے جاویں اور جو ہوتا ہے ہونے دیں۔ لیکن مرحوم اسے ایمانی غیرت کے خلاف سمجھتے تھے۔ آپ نے زندگی بھر غلط بات سے کبھی (
نہ کیا تھا اور نہ ہتھیار ڈالے تھے۔ آپ ان سب مشوروں کے باوجود جنرل کونسل کے اجلاس میں گئے۔ عین ان کی روانگی کے وقت راقم سطور ہذا اور میرے مکرم دوست ڈاکٹر مرزا رفیق بیگ صاحب بھی مرحوم کے ساتھ چل پڑے۔ اور ہم دونوں بہ حیثیت
اجلاس میں بیٹھے رہے سابقہ کارروائی جب توثیق کے لیے پیش ہوئی تو مرحوم اپنا فرض ادا کرنے کے لیے کھڑے ہو گئے۔ اور بڑی جوش بھری تقریر فرمائی۔ آپ کے ایک مخلص دوست اور خیر خواہ مولوی غلام محی الدین خاں صاحب قصوری مرحوم نے دو تین مرتبہ

یہ کوشش کی کہ مرزا صاحب زیادہ جوش سے لمبی تقریر نہ کریں۔ اور انہوں نے مرزا صاحب کی طرف سے ان کا نکتہ نظر انجمن کے سامنے رکھنے کی پیشکش بھی کی، مگر مرزا صاحب جو ارادہ کر کے آئے تھے اُسے پورا کئے بغیر نہ بیٹھ سکتے تھے یہ اتوار کا دن تھا۔ اور اس روز راقم نے نوٹ کیا تھا کہ مرحوم کی آنکھوں میں بہت سُرخی تھی، جو بلڈ پریشر کی زیادتی کی علامت تھی اس وقت آپ کو سکون اور آرام کی ضرورت تھی، مگر آپ نے ڈاکٹر ہونے کے باوجود اپنے سکون اپنے آرام اور صحت کے خیال کو فرض کی ادائیگی کی راہ میں حائل نہ ہونے دیا۔ اور اسی کیفیت میں اجلاس میں شرکت کے لئے گئے۔ اور سخت جوش اور اشتعال کی حالت میں قریب بارہ بجے وہاں سے اٹھ کر آ گئے اور مکان تک مشکل پہنچے ہی تھے کہ آپ پر دوبارہ فالج کا حملہ ہوا۔

اس مرتبہ بیماری کا حملہ بہت خطرناک تھا جس سے آپ کی زبان بھی بند ہو گئی۔ آخری لفظ جو آپ کی زبان سے نکلا وہ "شکر" تھا۔ غالباً اس امر پر خدا کا شکر کر رہے تھے کہ انہوں نے اپنا آخری فرض بھی ادا کر دیا۔ اور نہ صرف یہ کہ زندگی بھر دین کو دُنیا پر مقدم کیا۔ بلکہ زندگی کا خاتمہ بھی اس طور سے ہوا کہ وہ حق کی حمایت کر رہے تھے۔ اور ناحق کا مقابلہ۔ قریب دس روز آپ صاحبِ فراش رہے علاج معالجہ میں حتی المقدور کوئی کمی نہ کی گئی مگر اللہ تعالےٰ کی رضا اس میں تھی کہ اس کا یہ نیک بندہ اس ابتلاؤں کی دُنیا میں زیادہ دیر نہ ٹھہرے اور اس کی بارگاہ میں پہنچ کر سکون و راحت حاصل کرے ۱۱ اور ۱۲ فروری ۱۹۳۶ء کی درمیانی رات کو نصف شب سے قبل آپ نے آخری سانس لیا۔ اور دار البقا کو سدھار گئے۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔ وفات کے وقت مرحوم کی عمر چونسٹھ سال تھی۔ اللہ تعالیٰ کی بے شمار رحمتیں اور برکتیں ان کی رُوح پر نازل ہوں۔ آمین

مرحوم کے اخلاق و عادات

مرزا یعقوب بیگ مرحوم ایک خوبرو انسان تھے اور حسن سیرت کے ساتھ ہی اللہ تعالیٰ نے آپ کو حسنِ صورت بھی عطا کیا تھا۔ میانہ قد، موزوں اندام اور سفید رنگ کے وجیہہ، خوش شکل اور جامہ زیب انسان تھے۔ آپ کی شخصیت میں جذب اور وقار بھی تھا اور چہرہ پر معصومیت بھی نمایاں تھی۔ طبیعت میں نرمی، دھیماپن، اعتدال پسندی، حلم اور بردباری کا غلبہ تھا۔ اور جوش و غضب سے بہت کم حصہ پایا تھا۔ اچھی غذا اور صاف ستھرا لباس اور ہر کام میں صفائی آپ کو پسند تھی۔ طبیعت لہو ولعب کی طرف مائل نہ تھی اور اپنے منصبی کام کے علاوہ امور دینیہ کی سرانجام دہی اور یادِ الٰہی کے علاوہ کوئی اور مشغلہ نہ تھا۔ ویسے خشک طبیعت انسان بھی نہ تھے۔ چہرہ پر ہر وقت بشاشت رہتی، مجلس میں خوب قہقہہ لگا کر ہنستے، ہر ایک سے تبسّم سے ملتے اور دردمند کی تکلیف پر فوراً ہی اشکبار بھی ہو جایا کرتے۔

روزمرّہ کا معمول:- مرحوم کی زندگی باقاعدہ اور دینداری میں رنگی ہوئی تھی۔ علی الصبح فجر سے قبل آپ اُٹھتے تھے اور آپ کے نوافل پڑھ لینے کے بعد فجر کی اذان ہوتی تھی۔ فجر کی اذان کے ساتھ ہی آپ گھر کے تمام افراد کو جگا دیتے اور سب چھوٹے بڑے نماز ادا کرتے اور پھر تلاوتِ قرآن مجید کی گونج گھر میں چاروں طرف سنائی دیتی۔ فجر کی نماز آپ نے زندگی بھر مسجد میں ادا کی اور نماز کے بعد مکان کی نچلی منزل میں ہی لباس تبدیل فرماتے اور سیر کے لئے تشریف لیجاتے۔ چند منٹ جوتیاری میں صرف ہوتے۔ اس وقت آپ "درثمین" کے اشعار خوش الحانی اور بلند آواز سے پڑھتے رہتے۔ صبح کی سیر میں آپ کی باقاعدگی ایسی ہی تھی جیسے ہمارے امیر مرحوم مولانا محمد علی صاحب کی۔ ۱۹۲۹ء سے قبل آپ پیدل احمدیہ بلڈنگس سے لارنس گارڈن تک جاتے اور پیدل ہی واپس آتے اور اکثر مولانا محمد علی صاحب کا ساتھ

بھی دیتے۔ لیکن زندگی کے آخری سات سال میں جبکہ آپ پر بیماری کا ایک حملہ ہو چکا تھا۔ آپ موٹر کار میں بیٹھ کر لارنس باغ تک جاتے اور وہاں پیدل ہوا خوری کرنے کے بعد پھر گاڑی میں ہی گھر تک واپس تشریف لاتے۔ ان ایام میں آپ کی اہلیہ صاحبہ بھی اکثر آپ کے ہمراہ تشریف لیجاتیں۔ سیر سے واپسی پر ناشتہ کے بعد آپ مطب میں تشریف لاتے اور گیارہ ساڑھے گیارہ بجے تک مطب میں بیٹھ کر پھر مریضوں کو گھر پر جا کر دیکھتے۔ دوپہر کو تین گھنٹہ آرام کرنے کے بعد عصر سے شام تک پھر مطب میں بیٹھتے اور پھر مریضوں کے گھروں پر جاتے اور عشاء کے ساتھ کھانا تناول فرماتے۔ کھانے کے بعد کچھ عرصہ اخبارات سُنا کرتے اور کبھی خود مطالعہ کرتے، کبھی مہمانوں سے یا اہل خانہ سے مختصر سی مجلس کرتے اور پھر جلد ہی سو جایا کرتے۔

گھریلو زندگی:- آپ کی اہلی زندگی خیرکم خیرکم لاھلہٖ کی مصداق تھی۔ آپ ایک فرض شناس، فرمانبردار اور راحت بخش فرزند، نہایت ہی شفیق باپ، مہربان خاوند، ہمدرد بھائی اور سب عزیزوں کے مونس وغمگسار، اقربا کے مربّی اور سب کے سر پر شفقت کا ہاتھ رکھنے والے بزرگ تھے۔ مرحوم نے عمر بھر اپنے والدین کی اطاعت اور خدمت گذاری میں کمال درجہ کا نمونہ دکھایا۔ آپ کے والدین کی رہائش زیادہ تر کلانوز میں رہتی۔ لیکن آپ کی دادی صاحبہ جو سو سال کی عمر پا کر ۱۹۲۶ء میں فوت ہوئیں مستقل طور پر مرحوم کے ساتھ رہتی تھیں اور ایک نہایت صالحہ، خدا پرست اور بابرکت وجود تھیں۔ گھر میں سارا عمل دخل دادی صاحبہ کا تھا اور ان کے رعب داب اور کنٹرول کے پیش نظر مرحوم پیار سے انہیں "جرنیل صاحب" کہا کرتے تھے۔ یہ بزرگ وجود سارے احمدیہ بلڈنگس کے لئے دعاؤں کا مرجع اور برکات کا خزانہ تھا۔ اور حضرت مولانا محمدؐ علی صاحب، خواجہ صاحب شاہ صاحب اور شیخ رحمت اللہ صاحب سب انہیں دادی صاحبہ کہہ کر پکارتے اور دل سے ان کی تعظیم کرتے تھے۔ بہ حیثیت خاوند کے مرحوم اپنی رفیقۂ حیات کے لئے بڑی قدردانی اور مودت کے جذبات رکھتے تھے اور زندگی بھر کبھی کسی بات میں خفگی کا اظہار نہیں کیا۔ اپنی اولاد کے لئے

آپ سراپا شفقت ورحمت تھے۔ آپ نے جو کچھ اپنی اولاد کے لئے کیا بہت کم والدین ایسا کر سکیں گے۔ آپ کا گھر سب عزیزوں اور حاجت مندوں کے لئے کھلا تھا۔ گھر میں دینداری اور پاکیزگی کی فضا تھی۔ نہ ہی تصنع اور بناوٹ تھی اور نہ ہی بیجا سختی اور گھٹن۔ خدا رسول کا نام بھی لیا جاتا تھا اور ہنسی کے وقت ہنسی اور تفریح بھی میسّر تھی۔

مہماں نوازی :- مرزا صاحب مرحوم کے نمایاں اوصاف میں سے آپ کی مہماں نوازی کی صفت تھی۔ بڑا وسیع دستر خوان خدا نے آپ کو عطا کیا تھا۔ اور بعض اوقات میں نے بیس پچیس مہمان ایک وقت میں آپ کے گھر میں دیکھے ہیں۔ آپ مہمانوں کے آنے سے اور ان کی خاطر و مدارات سے بہت خوش ہوتے تھے۔ آپ کے ہاں تین قسم کے مہمان آتے تھے۔ بعض ایسے لوگ جو کسی بیمار کو علاج کے لئے لاتے ہوں۔ بعض مہمان جماعتی تعلق اور احمدیت کے رشتہ کے پیش نظر آتے تھے اور بعض پرانے تعلقات اور خاندانی دوستی کی بنا پر آتے تھے۔ ہر ایک مہمان کے ساتھ اس کے حسب مراتب عزت و مروت کا سلوک کیا جاتا تھا۔ اس کے علاوہ آپ کے ہاں غیر ملکی مہمان بھی کثرت سے آتے رہتے تھے۔ ایرانی، افغانی، عرب، تُرک، مصری۔ کوئی سیّاح ہے تو کوئی محقق، کوئی نومسلم ہے اور کوئی اس سلسلہ میں نیا شامل ہوا ہے۔ آپ سب سے تالیف قلوب اور اسلامی اخوت کے تقاضوں کے مطابق سلوک کرتے اور اپنی انفرادی اور جماعتی حیثیت سے لوگوں کو بہت متاثر کرتے۔

بعض مہمان مہینوں آپ کے ہاں ٹھہرا کرتے مگر ان کی تواضع اور مدارات میں کوئی فرق نہ آتا۔ مولانا سیّد محمد احسن صاحب امروہی مرحوم اپنی زندگی کے آخری چند سالوں میں کئی مرتبہ لاہور آئے اور مرزا صاحب کے مکان کی نچلی منزل میں اہل و عیال سمیت قیام فرماتے۔ افغانستان کے شاہی خاندان کے ایک بزرگ سردار عبدالحمید خاں مرحوم جو سردار ایوب خاں کے بڑے بھائی کے بیٹے تھے۔ ہماری جماعت میں شامل تھے۔ یہ چھوٹے قد اور

فربہ جسم کے ایک نہایت ہی خاموش اور متین انسان تھے۔ مرزا یعقوب بیگ صاحب سے انہیں دلی محبت تھی اور وہ بھی مہینوں مرزا صاحب کے ہاں قیام کرتے۔ ان کی اہلیہ محترمہ مردان کی رہنے والی تھیں اور سابق صوبہ سرحد کی مشہور سوشل ورکر خاتون زری سرفراز کی خالہ تھیں۔ یہ بھی ایک بلند پایہ خاتون تھیں اور اسی طرح ان کی بہن شاہ کو کو اور سردار عبدالحمید خاں مرحوم کے بیٹے محمدؐ علی خاں اور محمدؐ اکرم اس گھر میں بالکل اس طرح آتے تھے جیسے اپنے حقیقی عزیزوں کے گھر میں انسان جاتا ہے۔ اسی طرح کابل کے شاہی خاندان کے ایک اور بزرگ سردار عبدالحسین خاں، اور سردار عبدالحمید کے برادر نسبتی سردار محمدؐ ہمایوں بھی آتے اور اپنے عزیزوں کی طرح یہاں ٹھہرتے۔ کابل میں مرزا صاحب مرحوم کے ایک بڑے مخلص اور دلی دوست ڈاکٹر عبدالعزیز صاحب تھے جو دراصل گجرات کے رہنے والے تھے۔ ڈاکٹر صاحب موصوف علیا حضرت یعنی شاہ امان اللہ خاں کی والدہ صاحبہ کے طبیب خاص تھے۔ ان کے توسل سے افغانستان سے بہت سے احباب بغرض علاج یا دیگر ضروریات کے لئے لاہور آتے تو مرحوم مرزا صاحب کے مہمان ہوتے۔

ہمارے سلسلہ کے مشہور بزرگ سیّد عبدالجبار شاہ صاحب سابق شاہ صوات اور ان کے بھائی سیّد شاہ جہان صاحب مرحوم بھی مرزا صاحب مرحوم کے خصوصی مہمان ہوا کرتے۔ مرزا صاحب کو بادشاہ صاحب سے دلی محبت تھی اور اکثر رات کے کھانے کے بعد دیر تک بادشاہ صاحب کی دلچسپ گفتگو اور زندگی کے نشیب و فراز کی داستان اُن سے سنا کرتے تھے۔ اسی طرح نواب امب سرخان زمان خاں مرحوم مرزا صاحب کے خاص دوستوں میں سے تھے۔ وہ اور ان کے بیٹے نواب محمدؐ فرید خاں اور اورنگ زیب خاں بھی مرزا صاحب کے مہمان ہوا کرتے تھے۔ جب بھی کوئی ایسا معزز شخص مہمان ہوتا تو مرزا صاحب اس کے اعزاز میں جماعت کے تمام اکابر کی دعوت کرتے اور مہمان کا تعارف حضرت امیر اور باقی احباب سے ضرور کرواتے۔

مذہبی جوش :- مرزا یعقوب بیگ مرحوم ایک مذہبی انسان تھے اور آپ کی زندگی کے تمام پہلوؤں پر مذہبیت غالب تھی ۔ گھریلو زندگی میں، طبابت کے پیشہ میں، ملازمت میں، معاشرہ کا ایک فرد ہونے کی حیثیت سے اور ملک و وطن کا باشندہ ہونے کے لحاظ سے آپ ہمیشہ مذہب کے تقضیات کو سامنے رکھتے تھے۔ مذہب کا خلاصہ دو چیزیں ہیں، اللہ تعالیٰ کا خوف اور مخلوق خدا سے ہمدردی ۔ مرزا صاحب نے زندگی بھر ان دو چیزوں کو سامنے رکھا۔ خدا کی رضا کو بھی ہمیشہ مقدم کیا اور خدا کی مخلوق سے بھی ہر پہلو سے بہت ہمدردی کی ۔

آپ کو اسلام اور قرآن اور حضور نبی کریم صلعم کی ذات سے سچا عشق تھا۔ جب رسولؐ اکرم کے محامد بیان کئے جاتے اور حضورؐ کا نام لے کر کوئی واقعہ بیان کیا جاتا تو رقت قلب سے آپ اشکبار ہو جاتے ۔ نماز میں جب امام قرآن پاک کی تلاوت کرتا تو آپ کی زبان سے بیساختہ سبحان اللہ کے الفاظ بار بار نکلتے اور قرأت کے الفاظ گویا آپ دل میں اُترتے جاتے۔ اکثر صبح کے وقت آپ بڑے ترنم سے حضرت مسیح موعود کے یہ اشعار پڑھا کرتے تھے ۔

برتر گمان و وہم سے احمد کی شان ہے ۔ جس کا غلام دیکھو مسیح زمان ہے

یہ شعر ایک خوبصورت قطعہ کی صورت میں لکھا ہوا آپ کے ڈرائنگ روم میں بھی آویزاں تھا۔ اس میں مسیح کی مسیحائی کا بھی ذکر ہے اور نبیؐ متبوع کی فضیلت اور شان کا بھی۔ اس کے علاوہ جمال و حسن قرآن اور مسیح موعود کے دعاوی کے بارہ میں نظمیں اور اکثر حضور کے فارسی اشعار آپ کثرت سے پڑھا کرتے تھے ۔

آپ کے گھر میں بھی مذہبی ماحول تھا اور آپ اپنے بچوں اور سب اعزہ کو نماز کی پابندی اور قرآن مجید پڑھنے کی بار بار تاکید فرماتے، آپ کے نجی ملازم ، ماتحت کمپونڈر آپ کے ساتھ کام کرنے والے ڈاکٹر سب آپ کے نیک نمونہ سے متاثر ہوتے تھے۔ ملازموں کے لئے نماز کی تاکید تھی بلکہ کئی بار وہ اپنی غیر حاضری کو نماز کا نام لے کر چھپانا چاہتے تو آپ ہمیشہ درگزر

کرتے۔ آپ اپنے مریضوں کو بھی تبلیغ و تلقین فرمایا کرتے اور سب کو خدا کے آگے جھکنے اور دعاؤں سے کام لینے کی تاکید فرماتے۔ اپنی زندگی کے آخری سال میں آپ والیئے خیرپور میر علی نواز خاں مرحوم کے علاج کے لئے خیرپور میر تشریف لے گئے اور چند ماہ وہاں قیام فرمایا۔ علاج معالجہ کے علاوہ آپ نے نواب صاحب کو قرآن مجید پڑھانا شروع کیا۔ لاہور سے حضرت امیر کا انگریزی ترجمہ اور بہت سی اسلامی کتب منگوائیں اور نواب مرحوم اور ان کی بیگمات کی توجہ کو خدا اور خدا کے رسول کی طرف پھیرنے کی پوری کوشش کی۔ نواب علی نواز خاں مرحوم نے کئی بار یہ کہا کہ میرے گھر میں ایک ولی آگیا ہے اور وہ آپ کی شخصیت اور خلوص سے بیحد متاثر ہوا۔

آپ کے دل میں یہ سچی تڑپ تھی کہ کسی طرح ساری دنیا اسلام کی حلقہ بگوش ہوجائے اور محمد صلعم کی غلامی میں آجائے۔ آپ غیر مذاہب کے جلسوں میں اپنی مصروفیات کے باوجود بڑے شوق سے جایا کرتے۔ انارکلی میں ایبک روڈ کے قریب برہمو سماج کا مندر ہوا کرتا تھا، جہاں ہر سال راجہ رام موہن رائے کی برسی منائی جاتی اور مرحوم کو ضرور مدعو کیا جاتا۔ کئی بار مجھے بھی آپ کے ہمراہ اس جلسہ میں جانے کا اتفاق ہوا اور کبھی آپ مولوی دوست محمد صاحب اور ایک دو اور اصحاب کو بھی ہمراہ لیجاتے۔ اس جلسہ میں آپ خوش الحانی سے قرآن مجید کی تلاوت فرماتے اور راجہ رام موہن رائے کو خراج عقیدت پیش کرنے کے بعد حاضرین کو اسلامی اصولوں کی تبلیغ کرتے اور اسلام کی صلح کل تعلیم اور روا داری اور بانیانِ مذاہب کی تعظیم وغیرہ امور پر وعظ فرماتے۔ اسی طرح عیسائیوں، آریوں، سکھوں، تھیوسافیکل سوسائٹی والوں غرض ہر مکتب خیال کے لوگوں کی بات سنتے اور بالآخر انہیں اسلام کی باتیں سناتے۔

قومی کارکنوں اور مبلغین کی حوصلہ افزائی:- آپ کے مذہبی جوش کے نتیجہ میں انجمن کے تمام کارکن اور خصوصاً وہ لوگ جنھوں نے اپنی زندگیاں دین کے لئے وقف کی تھیں آپ کی نگاہ میں بڑے محترم تھے اور آپ ان کی قدر

افزائی فرمایا کرتے تھے۔ مولانا عبدالحق صاحب ودیارتھی نے کئی بار یہ واقعہ سنایا ہے کہ ان کا پہلا مناظرہ جو پنڈت۔ رام چندر سے ہوا۔ اس میں ان کی فتح مرزا یعقوب بیگ کی ہمت افزائی کا نتیجہ تھی اور آپ نے مولوی صاحب موصوف کو اس کامیاب مناظرہ پر انعام بھی دیا۔ مولوی صاحب موصوف سے مرزا صاحب بہت محبت کرتے تھے۔ اسی طرح ہماری جماعت کے ایک قیمتی رکن اور کارکن مولانا محمد یعقوب خاں صاحب سے بھی مرحوم کو دلی پیار تھا۔ خان صاحب کے طرز تحریر کے وہ بڑے مداح تھے اور اکثر "لائٹ" اخبار کے مضامین دلچسپی سے پڑھتے اور سنا کرتے تھے۔ خان صاحب کی اہلیہ محترمہ کی طویل بیماری میں مرزا صاحب باوجود اپنی معذوری کے چھڑی ٹیک ٹیک کر سیڑھیاں چڑھتے اور ان کے علاج اور احوال پرسی کے لئے تشریف لیجاتے۔ خان صاحب کے لطیف مزاح سے بھی خوب لطف اندوز ہوتے۔ اسی طرح دیگر قومی کارکنوں مرزا ولی احمد بیگ صاحب۔ مرزا مظفر بیگ صاحب، مولوی عصمت اللہ صاحب مرحوم، مولوی مرتضیٰ خاں صاحب مرحوم، ماسٹر فقیر اللہ صاحب، مولوی مصطفیٰ خاں صاحب مرحوم اور مولوی دوست محمد صاحب اور ایسے بہت سے نام ہیں جن کی مرزا صاحب نے ہمیشہ قدر افزائی کی اور ان کی ہمت کو بڑھایا محض اس لئے کہ یہ لوگ دین کا کام کرتے ہیں۔ مرزا ولی احمد بیگ کے جادا روانہ ہونے سے قبل چند ماہ انہیں اپنے مکان پر ٹھہرایا اور ہر طرح تالیف قلب ملحوظ رکھی۔

ہمدردی اور مروت کے جذبات:۔ مرزا صاحب مرحوم نے سینکڑوں افراد کو ملازمتیں دلوائیں، کئی حاجت مندوں کی حاجت روائی کی اور ہر ضرورت مند کی اپنی بساط کے مطابق مدد کی۔ اسوقت کئی افراد ہماری جماعت کے اور جماعت سے باہر جو بڑے بڑے عہدوں پر فائز ہیں۔ ان کی ابتدائی ملازمت مرحوم کی مساعی کی مرہونِ منت ہے۔ ہر شخص کی جائز سفارش کے لئے آپ ہر وقت آمادہ رہتے اور مختلف محکموں کے افسرانِ اعلیٰ سے مستحق امیدواروں کے لئے استمداد کرتے۔ آپ کی طبعی ہمدردی اور

دلسوزی کا صرف ایک واقعہ عرض کرتا ہوں۔ جن دنوں ہمارے محترم دوست خان بہادر ڈاکٹر سعید احمد خاں لاہور میڈیکل کالج میں پڑھتے تھے ان کے امتحان کا ایک پرچہ ایک ہندو کے متعصبانہ رویہ کی وجہ سے ضائع ہو رہا تھا اور ڈاکٹر صاحب کے فیل ہو جانے کے اندیشہ تھا۔ آپ گھبرائے ہوئے حضرت امیر مرحوم و مغفور کے پاس آئے اور اپنی داستان سنائی۔ حضرت امیر مرحوم نے انہیں مرزا صاحب مرحوم کے نام ایک خط لکھ کر دیا اور اس پر قرآن مجید کے یہ الفاظ لکھے احسن کما احسن اللہ الیک ۔ حضرت مرزا صاحب نے ڈاکٹر صاحب موصوف کو اپنی گاڑی میں بٹھایا اور اسی وقت شیخ سر عبدالقادر، خلیفہ شجاع الدین، مولوی محمد شفیع اور دوسرے سرکردہ مسلمانوں کے پاس جو یونیورسٹی کے سینٹ یا سینڈیکیٹوں کے ممبر تھے لے گئے۔ اور سب کو اصل کیفیت سے آگاہ کیا۔ آخر خدا کے فضل سے ڈاکٹر سعید احمد صاحب کامیاب ہو گئے۔ ڈاکٹر صاحب تو ان کے پیارے تھے وہ ایسا ہمدردی کا سلوک ہر کس و ناکس سے کرنے پر آمادہ رہتے اور کبھی دریغ نہ کرتے۔

آپ کی ہمدردی اور دلسوزی اور احسان شناسی کا ایک اور واقعہ بیان کرنا ضروری خیال کرتا ہوں۔ خان بہادر ڈاکٹر رحیم خاں لاہور کے ایک مقتدر رئیس اور ڈاکٹر تھے اور مرزا صاحب مرحوم کے استاد بھی تھے۔ انارکلی میں دھنی رام روڈ پر ایک بڑے پھاٹک والی حویلی ان کی یادگار کھڑی ہے۔ ڈاکٹر صاحب موصوف کے یتیم پوتے کو طاعون ہو گئی۔ طاعون کے دنوں میں حضرت اقدس کی ہدایات تھیں کہ جماعت کے لوگ طاعون کے مریضوں سے الگ رہا کریں۔ جب ڈاکٹر رحیم خاں صاحب مرحوم کی اہلیہ اور بچے کی والدہ مرزا صاحب مرحوم کے پاس آئیں کہ آپ چل کر بچے کو دیکھیں تو آپ مریض کی کیفیت سن کر تڑپ اٹھے اور اسی وقت حضرت مسیح موعود کی خدمت میں ایک عریضہ لکھ کر خاص طور پر اجازت طلب کی اور لکھا کہ میں اس بچے کے علاج سے باز نہیں رہ سکتا کیونکہ یہ ڈاکٹر رحیم خاں کا پوتا ہے جو میرے محسن تھے۔ اور مجھے ان کے خاندان کا بہت پاس خاطر ہے اور اس بچے کو تکلیف

کی حالت میں دیکھکر کیسے بیٹھا رہوں ؟ اگرچہ میں حضور کی ہدایات کے مطابق ہر ممکن احتیاط برتتا ہوں وغیرہ - یہ ہمدردی اور یہ دلسوزی آپ کا ہی حصّہ تھا۔

* آپنے ہزاروں مریضوں کا مفت علاج کیا اور مفت دوا بھی دی۔ جماعت کے ہر شخص کے لیئے اس کی درخواست کے بغیر نسخہ پر دوائی کی نصف قیمت کے الفاظ لکھ دیتے۔ قومی کارکنوں کو مفت دوائی دیتے اور اپنے جملہ کاروبار کو کاروبار کے رنگ میں نہیں بلکہ خدمتِ خلق کے رنگ میں چلاتے رہے اور اپنا سب کچھ خدا کے بندوں کا مال سمجھتے تھے۔

مسلمان ڈاکٹروں کے حقوق کی نگہداشت آپ کا ایک اور مشن تھا۔ مفصلات میں بیٹھے ہوئے مسلمان اسٹنٹ سرجن اور سب اسسٹنٹ سرجن اپنے تبادلوں، ترقی اور دیگر ضروریات کے لیئے آپ سے رجوع کرتے۔ انسپکٹر جنرل ہسپتال ہائے کے دفتر کا ہندو سپرنٹنڈنٹ لچھمن داس نامی جو دفتر پر پوری طرح حاوی تھا مسلمان ڈاکٹروں کو خاصا پریشان کیا کرتا تھا، لیکن مرزا صاحب مرحوم سے ضرور دبتا تھا۔ اور جب کسی ڈاکٹر کا کیس مرزا صاحب دفتر میں بھیجتے تو اس کے حسب خواہش کام ہوجاتا۔

ڈاکٹروں کے علاوہ باقی تمام محکموں میں بھی جہاں مسلمانوں کی حق تلفی ہورہی تھی اس کے مداوا کے لیئے آپ کی خدمات عامتہ المسلمین کے لیئے وقف تھیں۔ بارہا لاہور کی تمام اسلامی انجمنوں کے مشترکہ وفد ملکہ گورنمنٹ کے اعلیٰ افسروں کے پاس جاتے جن میں خلیفہ شجاع الدین انجمن حمایت اسلام کی طرف سے سیّد محسن شاہ انجمن اسلامیہ کی طرف سے بعض مدیران جرائد اور مرزا صاحب اپنی انجمن کی طرف سے بطور نمائندہ شریک ہوتے اور مشترکہ محاذ بناکر مسلمانوں کے حقوق کے لیئے سعی کرتے۔

مرزا یعقوب بیگ ایک قلبِ صافی کے مالک تھے اور

حسن ظنی اور سادہ لوحی :- ہر انسان کو وہ راست باز سمجھتے اور ہمیشہ نیک ظنی سے کام لیتے تھے۔ بارہا کئی لوگوں نے فرضی مصائب کی داستانیں سناکر آپ سے مدد حاصل کی۔

بیسیوں افراد نومسلم بن کر آئے اور طرح طرح کے فائدے اٹھا کر چل دیئے۔ کیونکہ آپ نومسلین کی بالخصوص بہت امداد فرمایا کرتے تھے۔ ایک شخص محمدؐ عالم نامی جو پیدائشی مسلمان تھا۔ ایک بڑے ہندو گھرانے کا فرد بن کر آپ کے پاس آگیا اور چند دن بعد اپنے اسلام کا اعلان کیا۔ یہ شخص کئی ماہ تک مرزا صاحب کے مکان پر مہمان رہا اور پھر آپ کے توسط سے لاہور کے چیدہ چیدہ مسلمانوں، علامہ سر اقبال، نواب نثار علی خاں اور ان کے بھائیوں اور دیگر معززین شہر سے متعارف ہوگیا۔ جب اس نے اچھی طرح راہ و رسم متقدر لوگوں سے پیدا کر لی تو ایک کوٹھی لے لی اور موٹر کار بھی آگئی اور بیرے خانسامے اور پورا ٹھاٹھ باٹھ پیدا کر لیا۔ وہ بڑی ہوشیاری سے لوگوں سے رقمیں ہتھیا لیتا اور کسی کو شبہ بھی نہ ہوتا۔ اس نے کئی بار مرزا صاحب مرحوم کو جُل دیا اور ان سے بھی رقمیں لیں اور ڈاکٹر غلام محمدؐ صاحب مرحوم سے بھی۔ کافی عرصہ بعد اس کی چند مشتبہ حرکات کی بنا پر میاں محمد صادق صاحب نے اسے گرفتار کرا دیا اور بعد میں معلوم ہوا کہ وہ ایک سابقہ سزا یافتہ اور نوسر باز ہے۔ یہ ایک واقعہ صرف بطور مثال درج کیا گیا ہے۔ ورنہ ایسے بیسیوں افراد آئے جو مرحوم کی حسن ظنی اور نیک دلی سے ناجائز فائدہ اُٹھا گئے تاہم آپ نے اپنی روش ترک نہ کی اور کسی حاجت مند کو شبہ کی نگاہ سے نہ دیکھا۔

مرحوم کے احباب:۔ مرزا یعقوب بیگ صاحب اپنے وسیع مشرب کے پیش نظر کثیر الاحباب بزرگ تھے اور آپ کے دوستوں میں ہر مذہب و ملت کے لوگ موجود تھے۔ لاہور کے پرانے ہندو خاندانوں سے بھی آپ کے دوستانہ تعلقات تھے اور آپ دیرینہ تعلقات کا ہمیشہ پاس کرتے تھے۔ مشہور کانگریسی لیڈر لالہ لاجپت رائے کے بڑے بھائی ڈاکٹر دھنپت رائے آپ کے بڑے عزیز دوست تھے۔ میں نے بچپن میں ڈاکٹر دھنپت رائے کو دیکھا ہے چیمبرلین روڈ پر سبزی منڈی سے پہلے داہنی طرف ابھی تک ایک منزلہ دکانوں کی ایک قطار باقی ہے۔ یہاں ڈاکٹر صاحب کا مطب ہوتا تھا اور وہ اکثر شام کو عم مرحوم کے پاس آیا کرتے تھے۔ اور کبھی یہ دونوں ملکر سیر کے لئے بھی جایا کرتے

تھے۔ لاہور میں ایک اور معزز ہندو خاندان لالہ نرسنگ داس کا تھا جن سے آپ کے گہرے
دوستی کے تعلقات تھے اور لالہ نرسنگ داس کی موت کے بعد اس کی تقسیم جائیداد میں اس
کے بیٹے مرحوم سے رجوع کرتے رہے۔ اسی طرح راجہ نریندر ناتھ کا خاندان جن کے دادا
راجہ دینا ناتھ سکھوں کے عہد میں کلانور کے قریب جاگیر کے مالک تھے اور راجہ آف کلانور
کہلاتے تھے۔ آپ کی ہمسائیگی میں رام گلی کے ایک سرکردہ ہندو بزرگ لالہ پولو رام جو محکمۂ
ڈاکخانہ جات کے بڑے افسر تھے آپ کے اور حضرت امیر مرحوم کے پرانے اور بے تکلف
دوست تھے۔ اسی طرح پروفیسر رُچی رام ساہنی، رائے صاحب لالہ رگھوناتھ سہائے،
لالہ کانشی رام دید اور ایسے کئی اور ہندو معززین سے آپ کے مخلصانہ تعلقات تھے۔ لالہ پرومن
داس ایڈووکیٹ ان کے مرحوم بھائی ایوب بیگ کے دوست تھے۔ ان سے بھی عمر بھر
مرزا صاحب نے چھوٹے بھائیوں کا سا سلوک کیا۔

لاہور کے مسلمان خاندانوں میں سے بھی چند ایک گھرانوں سے خصوصی تعلقات تھے۔
جن میں سے اول میاں ریاض الدین مرحوم کا خاندان تھا۔ گھوڑا ہسپتال کے قریب ایک
مشہور کوٹھی "الریاض" نواب غلام محبوب سبحانی کی اولاد کی تھی۔ نواب غلام محبوب سبحانی لاہور
کے مشہور رئیس اور نواب شیخ امام الدین گورنر کشمیر کے فرزند تھے اور دراصل یہ بزرگ
ہوشیار پور کے رہنے والے تھے۔ ان سے چار پشت سے ہمارے خاندانی مراسم تھے۔
اور مرزا صاحب مرحوم ان کے ہاں بطور معالج بھی اور پرانے خاندانی تعلقات کی وجہ
سے بھی بہت آیا جایا کرتے تھے۔ اس وقت اس خاندان کے چشم و چراغ مسٹر جی معین الدین
ہیں جو سی ایس پی کے بڑے سینئر افسر اور اسوقت چیف الیکشن کمشنر ہیں۔

دوسرے میاں نظام الدین مرحوم کا خاندان۔ میاں نظام الدین صاحب مرحوم رئیس
بارود خانہ لاہور اور ان کے بھائی میاں حسام الدین صاحب مرحوم سے مرزا صاحب کا پرانا
دوستانہ تعلق تھا۔ بہ حیثیت طبیب بھی آپ اس خاندان کے معالج تھے۔ اور ویسے سوشل

تعلقات بھی اچھے گہرے تھے۔ لاہور کے موجودہ مشہور مسلم لیگی لیڈ میاں امیرالدین اور ان کے بھائی میاں امین الدین مرحوم سے بھی بڑی محبّت کا تعلق تھا۔ کبھی کبھی میاں امین الدین مرحوم شکار اور تفریح کا پروگرام بناتے تو مرحوم مرزا صاحب بھی اس میں شرکت فرمایا کرتے۔ میاں نظام الدین صاحب مرحوم سال میں ایک دو مرتبہ بادامی باغ کے قریب اپنے آموں کے باغ میں انبہ خوری کا اہتمام کرتے۔ اس محفل میں علامہ سر محمدؐ اقبال اور میاں صاحب کے اور بہت سے احباب شریک ہوتے اور مرزا صاحب مرحوم بھی جایا کرتے۔

سر محمدؐ اقبال سے تعلقات:۔ علامہ اقبال مرحوم سے مرزا صاحب کے بڑے پرانے اور گہرے دوستانہ مراسم تھے۔ علامہ اقبال اپنی زندگی کے ابتدائی دور میں سلسلہ احمدیہ کے مقتدر بزرگوں خصوصًا حضرت مولٰنا نورالدین صاحب سے بہت متاثر ہوتے رہے۔ اور قادیان بھی آیا جایا کرتے۔ مرزا یعقوب بیگ مرحوم، سیّد محمدؐ حسین شاہ صاحب مرحوم اور حضرت مولٰنا محمدؐ علی صاحب مرحوم سے علامہ کے بڑے مخلصانہ تعلقات تھے چنانچہ مولٰنا عبدالمجید سالک مرحوم کی کتاب "ذکرِ اقبال" (ص۶۶) میں علامہ کے ان بزرگوں سے تعلقات کا حوالہ دیا گیا ہے، لیکن مرزا یعقوب بیگ سے علامہ کے خصوصی تعلقات تھے چنانچہ جب علامہ کی شادی لدھیانہ میں ہوئی تو علامہ کے چند خاص الخاص احباب جو برات کے ہمراہ لدھیانہ گئے۔ ان میں مرزا یعقوب بیگ بھی شامل تھے۔ سنہ ۱۹۳۴-۳۵ء میں علامہ ایسے بیمار ہوتے کہ گلے کی آواز بیٹھ گئی۔ مرزا صاحب مرحوم ان کی مزاج پرسی کے لئے گئے اور مناسب طبّی مشورہ بھی دیا۔ جب آپ رخصت ہونے لگے تو علامہ نے فرمایا کہ میرے لئے دعا بھی کریں۔ مرزا صاحب نے پرانی بے تکلّفی کی بنا پر کہا کہ اب ہماری دعائیں کیا اثر کریں گی۔ ہم تو بقول آپ کے گمراہ ہیں وغیرہ۔ کیونکہ انہی دنوں علامہ نے احمدیوں کے کفر و اسلام کے بارہ میں ایک بیان دیا تھا جس کا بہت چرچا ہو رہا تھا۔ مرزا صاحب مرحوم فرمایا کرتے تھے کہ علامہ مرحوم نے بڑے اعتذار کے

ساتھ صفائی پیش کی اور فرمایا کہ ان کا روئے سخن اس بیان میں جماعت لاہور کی طرف ہرگز نہیں ہے اور دوبارہ دعا کی درخواست کی۔ علامہ مرحوم نجی تقریبات پر بھی اور ہمارے قومی جلسوں میں بھی برابر شمولیت فرماتے رہے۔ مرزا صاحب مرحوم کے انتقال کے وقت وہ بھی بیمار تھے۔ اور مرحوم کی تعزیت کے طور پر حضرت امیر مولانا محمد علی صاحب کے نام آپ نے یہ مکتوب لکھا۔

مکرمی مولوی صاحب۔ ابھی اخبار انقلاب میں ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب مرحوم کے انتقال کی خبر پڑھ کر بہت رنج ہوا۔ شرافت کا پیکر مجسم تھے اور فطرتاً بنی نوع انسان کے ہمدرد۔ خدا تعالیٰ ان کو غریق رحمت کرے۔ مجھے معلوم نہیں ان کے صاحبزادے کہاں ہیں۔ آپ از راہ عنایت میرا پیغام ہمدردی ان تک پہنچا دیں۔ میں کئی روز سے نزلہ کی وجہ سے صاحب فراش ہوں۔ ورنہ اس مقصد کے لئے خود ان کی خدمت میں حاضر ہوتا۔

والسلام۔ محمد اقبال"

اسی طرح میاں سر فضل حسین مرحوم نے رنج بھرا خط حضرت امیر کی خدمت میں لکھا اور مرحوم کے جذبہ خدمت خلق کی تعریف کی۔ مسلمانوں کے عمومی لیڈر ان دنوں سر محمد شفیع مرحوم تھے۔ ان سے نیز میاں سر فضل حسین مرحوم اور شیخ سر عبد القادر اور چوہدری سر شہاب الدین ان سب سے مرحوم کے گہرے مراسم تھے اور آپ کے قریبی دوستوں میں مولوی احمد دین وکیل، شیخ گلاب دین ایڈووکیٹ۔ مولوی غلام محی الدین قصوری خاں صاحب، سعادت علی خاں، چوہدری سلطان محمد بیرسٹر سیالکوٹ (فیض احمد فیض کے والد) شیخ امیر علی ریٹائرڈ سیشن جج اور خان صاحب اللہ بخش خاں ڈویژنل فارسٹ آفیسر کے نام خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

لاہور کے چند اور معزز خاندانوں کی ذیل میں جن سے مرحوم کے گہرے تعلقات تھے بنگلہ ایوب شاہ کے شہزادگان (شہزادہ عالمگیر کے والد صالح جان صاحب) شیخ نعمت اللہ صاحب رئیس لاہور (ھنزاں کے ایم شیخ کے والد) مزنگ کے میر سلیمان شاہ اور رسانده کے ملک نصیر الدین کے نام قابل ذکر ہیں۔

احبابِ جماعت سے یگانگت

مرحوم کے دل میں اپنے دوستوں کے لئے بڑی قدر و منزلت تھی اور دوستی کے بڑے اونچے معیار پر آپ قائم تھے میاں غلام رسول صاحب مرحوم آپ کے اخلاص کی مثال یوں دیا کرتے تھے کہ اگر کوئی شخص مرزا صاحب کی موت کا وارنٹ ان کے سامنے رکھ دے اور دوستی کے نام پر ان سے کہے کہ اس پر دستخط کر دیں تو وہ ضرور دستخط کر دیں گے۔ ایسی دوستیاں اب خواب و خیال ہو گئی ہیں اور وہ اخوت و یگانگت جو پرانے بزرگوں میں تھی وہ اب عنقا ہو چکی ہے۔

الغرض مرزا صاحب کے اپنے دوستوں سے بڑے محبت کے تعلقات تھے خصوصاً مولانا محمد علی صاحب۔ شاہ صاحب۔ خواجہ صاحب۔ شیخ رحمت اللہ صاحب۔ مولینا غلام حسن خانصاحب۔ اور مولانا صدرالدین صاحب سے آپ کے بڑے مخلصانہ تعلقات تھے۔ امیر مرحوم سے محبت کے علاوہ ان کا احترام بھی بہت ملحوظ رکھتے تھے۔ انجمن کے اندر قومی معاملات میں کبھی اختلاف رائے بھی ہو جاتا اور بعض اوقات تلخی تک نوبت پہنچ جاتی لیکن آپ کے منہ سے کبھی کوئی سختی کا کلمہ نہیں نکلا۔ ایک مرتبہ حضرت امیر مرحوم نے بھری مجلس میں فرمایا کہ قومی معاملات میں انہیں احباب سے بسا اوقات ناگوار خاطر الفاظ سننے پڑے لیکن اگر کسی شخص نے زندگی بھر انہیں ناموزون الفاظ سے یاد نہیں کیا تو وہ مرزا یعقوب بیگ تھے حضرت امیر کی قدر و منزلت کے طور پر آپ کے ڈلہوزی جانے سے قبل اور واپسی پر ضرور مرزا صاحب احباب جماعت کی دعوت کرتے اور وقتاً فوقتاً تحائف آپ کی خدمت میں بھیجا کرتے۔ سردی کے موسم میں کبھی کبھی زور دے کر امیر مرحوم کو کام سے اٹھا لیتے اور اپنی موٹر میں بٹھا کر بیس تیس میل دور شکار اور تفریح کے لیے لے جاتے۔ اسی طرح خان صاحب یعقوب خاں کو بھی آپ ضرور ہمراہ لے جاتے حضرت امیر کے اہل و عیال اور سب عزیزوں سے بڑی محبت کا سلوک روا رکھتے۔

خواجہ کمال الدین صاحب مرحوم سے بھی کمال درجہ کی دوستی تھی۔ میں نے خواجہ صاحب کے بہت سے خطوط مرحوم کے نام دیکھے ہیں جن میں خطاب "جانِ برادر" اور "جانِ من" ہوتا تھا اور ان سے انتہائی محبت اور قلبی اخوت کا اظہار ہوتا ہے۔ حضرت خواجہ صاحب کی وفات کے بعد ایک روز شام کا واقعہ ہے کہ ہم سب اہل خانہ کھانا کھا رہے تھے جبکہ ایک ملازم سے اتفاقاً شیشہ کا جگ گر کر ٹوٹ گیا۔ یہ جگ سالہا سال سے گھر میں استعمال ہو رہا تھا لیکن اُس شام کو اس کی قضا آ گئی۔ اس پر مرحوم مرزا صاحب اس قدر روئے کہ ان کی ہچکی بندھ گئی۔ ہم سب بہت حیران ہوئے کہ یہ ایسا نقصان تو نہ تھا جس سے مرحوم اس قدر متاثر ہوتے کیونکہ گھر میں برتن اکثر ٹوٹتے رہتے تھے اور نئے آتے رہتے تھے مگر یہ رونے کا موقع سمجھ میں نہ آیا۔ جب مرحوم کی طبیعت کچھ سنبھلی تو فرمانے لگے کہ اس جگ نے خواجہ صاحب مرحوم کی یاد تازہ کر دی تھی۔ وہ اکثر ہمارے ہاں جب تشریف لایا کرتے تو عام پلیٹ میں نہیں بلکہ بڑی غوری میں پلاؤ کھایا کرتے تھے اور گلاس کی بجائے یہ جگ منہ سے لگا کر پانی پیا کرتے تھے اور ہم ان کی خوش خوری سے لطف اندوز ہُوا کرتے تھے۔

مرزا صاحب مرحوم کی وفات کے دن بیگم صاحبہ خواجہ صاحب مرحوم نے بتایا کہ خواجہ صاحب کے انتقال کے بعد جو شخص باقاعدگی سے ان کے پاس جا کر پرسشِ احوال کرتا رہا اور اپنے مرحوم دوست کی یاد میں آنسو بہاتا رہا وہ مرزا یعقوب بیگ تھا۔ کئی لوگوں کو اس کا علم نہیں تھا کہ آپ کس قدر باقاعدگی سے خواجہ صاحب مرحوم کے بچوں کی خبر گیری کرتے رہے اور حقِ دوستی ادا کرتے رہے۔

اسی طرح حضرت شاہ صاحب سے آپ کے برادرانہ تعلقات تھے۔ اپنی ہر نجی ضرورت اور ذاتی معاملات کو بغیر شاہ صاحب کے مشورہ کے سرانجام نہ دیتے اور شاہ صاحب کا وجود لاہور میں ان کے ایک برادرِ حقیقی کی مانند تھا۔ شاہ صاحب مرحوم کی اولاد خصوصاً

کرنل سیّد بشیر حسین سے آپ کو بے حد پیار تھا۔

مولانا صدر الدین صاحب سے مل کر مرحوم میں ایک شگفتگی پیدا ہو جاتی تھی اور مولانا صاحب موصوف کو بھی وہ اپنا نہایت عزیز دوست تصور کرتے تھے۔ جب مرزا صاحب مرحوم ۱۹۳۹ء میں بیمار ہوئے تو مولانا صاحب موصوف ان دنوں بیگم روڈ پر رہا کرتے تھے۔ لیکن آپ نے بالالتزام صبح و شام دن میں دو مرتبہ مرزا صاحب کی عیادت فرمائی اور گھنٹہ دو گھنٹہ آپ کے پاس بیٹھا کرتے اور آپ کا جی بہلاتے۔ ڈاکٹروں نے مریض سے ملاقاتیں بند کی ہوئی تھیں لیکن صرف مولانا صدر الدین صاحب کی ملاقات خوشگوار سمجھی جاتی تھی اور یہ بات قلبی کیفیت کے بغیر پیدا نہیں ہوتی۔

اسی طرح حضرت شیخ رحمت اللہ صاحب و حضرت مولانا غلام حسن خاں صاحب مرحوم سے آپ کے تعلقات بہت دیرینہ اور بڑی پائیدار محبت کے تھے۔ شیخ صاحب کا آپ سے بڑے بھائیوں کا سا معاملہ تھا اور حضرت مولانا غلام حسن خاں صاحب جو خود بھی ایک یکتا انسان تھے مرحوم کی وفات پر لکھتے ہیں: "میں نے اپنی لمبی عمر میں کئی پیاری ہستیاں دفن کیں۔ مگر مجھے یاد نہیں کہ میں کسی کی جدائی سے ایسا متاثر ہوا ہوں جیسا کہ اس رفیق کی جدائی سے ——— وہ انجمنیں جن کا وہ رکن تھا اس کا نعم البدل تلاش کریں تو لاحاصل ہوگا۔ اس کے دوست اگر اس کی صحبتوں کا لطف ڈھونڈیں تو ناکامی ہوگی"۔

اسی طرح جماعت کے ان نوجوانوں سے جو تعلیم کے سلسلہ میں لاہور میں مقیم ہوتے ان کی ضروریات معلوم کرتے رہتے اور بوقت ضرورت ہر ایک کی مدد کرتے اور مناسب رنگ میں ان کی حوصلہ افزائی فرماتے اور ایک مشفق عزیز اور باپ کی طرح موانست کا اظہار فرماتے۔ جماعت کے مخلص بزرگوں کی اولاد جو لاہور میں رہی اور مرحوم کے اخلاق سے مستفیض ہوتی رہی۔ ان میں ڈاکٹر سعید احمد خاں صاحب۔ ڈاکٹر عبد العزیز صاحب۔ ڈاکٹر چوہدری عبد المجید صاحب۔ پروفیسر شیخ محمد فاضل صاحب۔ میاں غلام عباس صاحب۔ پروفیسر شیخ

عزیز احمد مرحوم ایبٹ آبادی اور ان کے بھائی شیخ محمد احمد خاں مرحوم وکیل اور ایسے ہی کئی اور نام لئے جا سکتے ہیں جن سے مرحوم نے ہمیشہ محبت آمیز سلوک کیا اور پاسداری کی۔

خلاصۂ کلام

مرزا یعقوب بیگ صاحب مرحوم کی زندگی کے حالات بہت ہی اختصار کے ساتھ پیش کئے گئے ہیں ورنہ ایک ضخیم کتاب لکھی جا سکتی تھی۔ ان کے اخلاق و عادات کا باب بھی کافی تشنہ رہا ہے اور اس ضمن میں سینکڑوں قابل ذکر باتیں اور بہت سے واقعات تھے جنہیں نظر انداز کرنا پڑا اور مرحوم کے اخلاق و اوصاف کو پوری تفصیل سے بیان نہیں کیا جا سکا کیونکہ محدود گنجائش کے پیش نظر قلم کو بار بار روکنا پڑا۔ شاید خدا تعالیٰ پھر مجھے ہی یا کسی اور دوست کو توفیق دے کہ اس سے بہتر اور مفصل سوانحعمری مرحوم کی لکھی جا سکے۔

اس تنگیٔ داماں کا گلہ سب سے زیادہ خود میری ذات کو ہے۔ میں اب تک اظہار جذبات نہیں کر سکا۔ اور شاید ایسا کرنے کا مجھے حق بھی نہ تھا کیونکہ میں نے یہ چند صفحات قومی نکتہ نگاہ سے لکھے ہیں اور رشتہ داری یا خونی تعلق کی بنا پر نہیں۔ تاہم یہ عرض کئے بغیر نہیں رہ سکتا کہ مرحوم میرے سب سے بڑے محسن اور مربی تھے۔ اگرچہ میں ان کا برادرزادہ تھا لیکن انہوں نے مجھ سے اپنے بچوں کا سا سلوک کیا۔ میری تعلیم و تربیت میں ان کی دلچسپی نے مجھے انسان بنایا اور تھوڑا بہت جو شعور مجھے حاصل ہوا اور یہ دین سے کسی قدر مس ہوا اور خدا کے دین کی کوئی ادنیٰ سی خدمت کرنے کا موقع ملا تو یہ سب ان کی نظر کرم کا نتیجہ تھا۔ یہ ان کی دلی تڑپ تھی کہ میں خدمت دین کو اپنی زندگی کا مقصد بناؤں اور اس انجمن کا کارکن بنوں جس کے لئے خود انہوں نے بہت بڑی مالی اور جانی قربانیاں کی تھیں۔ میں نے ان کے حکم کی تعمیل اور ان کی خواہش کی تکمیل میں اپنی جوانی کا زمانہ اور زندگی کے بیس سال انجمن میں گذار دیئے۔ امید ہے ان کی روح مطمئن ہو گی۔ اللہ تعالیٰ جنت الفردوس میں انہیں بہت اونچے مقام عطا کرے اور وہ ہمیشہ رحمت ربی کے

سایہ میں رہیں ؛

مرحوم کی اولاد مرحوم کی وفات کے وقت آپ کی اولاد دو صاحبزادے اور پانچ صاحبزادیاں تھیں۔ آپ کے بڑے صاحبزادے ڈاکٹر مرزا داؤد بیگ اور دو بیٹیاں شادی شدہ اور صاحب اولاد تھیں۔ آپ کے دوسرے فرزند مرزا عبد الرحمٰن بیگ آپ کی وفات کے وقت انگلستان میں انجینئرنگ کی تعلیم کے لئے گئے ہوتے تھے۔ اب وہ ریلوے میں ایک معزز عہدہ پہ فائز ہیں اور آج کل امریکہ میں سرکاری ملازمت کے سلسلہ میں گئے ہوئے ہیں۔ مرحوم کی ایک جواں سال بچی نے ۱۹۴۴ء میں انتقال کیا۔ اور آپ کے دوسرے بیٹے اور بیٹیاں اب اپنے اپنے گھروں میں آباد ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان سب کا حامی و ناصر ہو اور مرحوم کی نیک سیرت کا پرتو ان کے جملہ پس ماندگان پر پڑتا رہے ؛

آخری چند حروف سلسلہ کلام کا خاتمہ میں مرحوم مرزا صاحب کے اپنے الفاظ پہ ہی کرنا چاہتا ہوں اور یہ دعا کرتا ہوں کہ یہ آخری چند الفاظ ہی کسی کے دل میں اتر جائیں اور اس کتاب کی تالیف کا مقصد پورا ہو جائے۔ "پیغام صلح" کے "قبول احمدیت نمبر" میں اپنی داستانِ حیات بیان کرنے کے بعد فرماتے ہیں :

"میری غرض یہ ہے کہ سب احباب کو اپنے نمونہ سے یہ ثابت کرنا چاہیے کہ انہوں نے قبول احمدیت سے کیا خصوصیات حاصل کیں۔ ورنہ لفظی دعووں اور محض باتوں سے کچھ حاصل نہیں۔ صحابہ کرام کی طرح اپنی زندگیوں کو ایک خاص نمونہ اور دین کی اشاعت اور خدمت کے لئے روشنی کا مینار بنانا چاہیئے جس سے دوسروں کو بھی راستہ اور ہدایت ملے اور وہ حضرت مسیح موعود کی صداقت اور آپ لوگوں کے صدق نیت اور حسن اعمال کو دیکھ کر قائل ہوں" ؛

(پیغام صلح نومبر ۱۹۳۳ء)

سیرت مرزا ایوبؔ بیگ مرحوم

مرزا یعقوب بیگ

فہرست مضامین سیرۃ ایوبؑ

MIRZA AYWB BEG

سیرت مرزا ایوّب بیگ مرحوم
اور
حضرت مسیح موعودؑ کے تبرکات

آج پہلا دن ہے کہ میں نے سیرت کی تکمیل کے لیے بعض پُرانے مسودات کی پڑتال شروع کی۔ سب سے اوّل میری نظر اس نوٹ بک پر پڑی۔ جو عزیز مرحوم نے حضرت مسیح موعود حضرت مولانا نورُالدین صاحب، و حضرت مولانا عبدالکریم صاحب کے خطوط اور بعض ارشادات کے متعلق رکھی ہوئی تھی۔ اس کا بیشتر حصہ خود عزیز مرحوم کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے۔ بعض مکتوب اخویم مکرم مولانا شیر علی صاحب کے ہاتھ کے لکھے ہوئے معلوم ہوتے ہیں۔ اور بعض جناب مکرم معظم مفتی محمد صادق صاحب کے ہاتھ کے لکھے ہوئے ہیں۔ اور بعض پر ہر سہ اصحاب کے دستخط ہیں۔ (اور پڑھنے والے حضرات سے سب نے درخواست دُعا کی ہے گویا کہ ان کی یہ دلی خواہش تھی کہ یہ مکتوب اشاعت پا دیں۔ اور پبلک ان سے فائدہ حاصل کرے۔ الحمدللہ کہ اس عاجز کو اللہ تعالیٰ نے یہ توفیق دی)

یہ تینوں اصحاب اکثر اکھٹے رہتے تھے۔ تعلیم بھی اکھٹی حاصل کرتے تھے۔ رخصتوں میں حضرت مسیح موعودؑ کی زیارت کے لیے قادیان بھی اکھٹے جاتے تھے۔ اور اپنے دینی ذوق و شوق کو بھی اکٹھا ہی پورا کرتے تھے۔

اس کے علاوہ اس نوٹ بک میں مرحوم کے بعض رویائے صادقہ و الہامات ہیں۔

اس نوٹ بک کے ضروری حصص میں انشاءاللہ تعالےٰ سیرت کے آخر میں بطور ضمیمہ درج کروں گا۔ مگر بعض حضرت مسیح موعودؑ کے خطوط ہیں۔ جو کہ اپنے اندر ہدایت اور نور رکھتے ہیں ۔۔ اور ان سے بہت سے روحانی و وجدانی عقدے حل ہوتے ہیں ان کو اقساط کے ذریعے ہدیہ ناظرین کرنے کا ارادہ رکھتا ہوں۔ ممکن ہے کہ ان سے کسی روح کو فائدہ پہنچے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان پر کاربند ہونے کی توفیق دے۔ آمین۔

خاکسار مرزا یعقوب بیگ۔ دارالسلام ڈلہوزی
مورخہ ۱۰ رجولائی ۱۹۳۵ء

سیرت ایوب کی طباعت

تحدیث بالنعمت

میرے پاس الفاظ نہیں کہ میں اللہ تعالےٰ کا شکریہ ادا کرسکوں کہ جس نے مجھے توفیق دی کہ میں اپنے مرحوم و مغفور بھائی مرزا ایوب بیگ کے حالاتِ زندگی کو جو کہ میں نے آج سے قریبًا ۴۳ سال قبل قلمبند کیئے تھے۔ احباب تک پہنچا سکوں۔ اگر یہ حالات نہ چھپتے تو گویا نادر واقعات کا ایک خزانہ تھا جو کہ مخفی رہتا اور دنیا پر ظاہر نہ ہوتا۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ ثُمَّ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ۔

اگرچہ مسودہ میرے ہاتھ کا لکھا ہؤا ہے۔ مگر آج جو میں نے اس کو پڑھنا شروع کیا تو میرے دل پر عجیب کیفیت طاری ہوئی۔ گویا کہ میرا مرحوم و مغفور بھائی میرے سامنے بیٹھا ہے۔ اور میں اس کے حالات لکھ رہا ہوں۔ اس وقت میرا دل حزیں ہے اور میری آنکھیں ڈبڈبائی ہیں اور میرے آنسو نہیں تھمتے۔ میں درد دل سے باری تعالےٰ کی جناب میں دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالےٰ مرحوم کو بخشے اور اس کے سوانح دوسروں کے لیئے مشعلِ ہدایت ہوں۔ اور حضرت مسیح موعودؑ کے متعلق جو غلط فہمیاں اس وقت دنیا میں پھیلی ہوئی ہیں۔ وہ دور ہوں۔ اور لوگوں کو علم ہو کہ وہ کس قدر اعلیٰ اور برتر ہستی تھی جو کہ اس زمانہ میں ظاہر ہوئی۔ اور ہم میں اپنی عمر بسر کرکے گذر بھی گئی۔ مگر بہت تھوڑے ہیں جنہوں اس کی قدر و قیمت کو پایا اور سمجھا۔

مرحوم نے کل ۲۵ سال عمر پائی جس میں اس کو کل آٹھ سال حضرت مسیح موعودؑ سے تعلق رہا۔ طالب علمی بھی کی اور ملازمت بھی کی۔ مگر اکثر فرصت کا وقت آپ کی صحبت میں گذارا۔ اس نے کیا پھل پایا اور کیسی تبدیلی اپنے اندر کی کہ وہ نُورٌ علیٰ نُور ہو گیا۔

چنانچہ خود حضرت مسیح موعودؑ نے اس کی نسبت تحریر فرمایا "کہ وہ اولیاء اللہ کے صفات اپنے اندر رکھتا تھا"۔ "وہ ایک شیشہ تھا جو منہ تک عطر سے بھرا ہوا تھا۔ اور اس میں اور کسی چیز کی گنجائش نہ تھی"۔ اور یہ کہ "ایسی روحیں کئی سو سال بعد کسی خاندان میں آتی ہیں"۔ وغیرہ وغیرہ۔

غرضیکہ جو کچھ اس نے پایا حضرت مسیح موعودؑ کی صحبت سے پایا۔ اور آپ کے طفیل قرآن مجید اور اسوۂ حسنہ آنحضرت صلعم سے پایا۔ خاکسار و عزیز ایوب بیگ مرحوم نے جب ۱۸۹۲ء میں حضرت مسیح موعود کی بیعت کی تو ہم ساری جماعت میں چھوٹے تھے۔ اور ہم پر جو نقش ہوا وہ حضرت مسیح موعودؑ کی صحبت سے ہوا (یا حضرت مولانا نورالدین صاحب و مولانا عبدالکریم صاحب کی صحبت سے) مجھے تو ابھی اپنے خاتمہ کا علم نہیں۔ مگر عزیز مرحوم عشق و محبت الٰہی کی ایک تصویر تھا۔ اور خدمتِ دین اور خدمتِ خلق اس کا شیوہ تھا یہ ایک ثمر تھا حضرت مسیح موعودؑ کے باغ کا جس پر اور کسی کا اثر نہ تھا۔ اربابِ بصیرت و طالبانِ حق کے لیے اس کے سوانح میں حضرت مسیح موعودؑ کے برکات مشاہدہ کرنے کا کافی سامان موجود ہے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالےٰ اس کو بہتوں کے لیے موجب ہدایت بنا دے۔ اور ہم سب کو دین کو دنیا پر مقدم کرنے کی توفیق دے آمین۔ اور ہم سب کا خاتمہ بالخیر کرے۔ جن اصحاب کی نظر سے یہ چند اوراق گذریں وہ مرحوم کے لیے اور اس خاکسار کے لیے ضرور دعا فرماویں۔ نیز میرے والد صاحب مرحوم مرزا نیاز بیگ صاحب کے لیے بھی دُعا فرماویں۔ اور میری والدہ صاحبہ مرحومہ اور محترمہ دادی صاحبہ کے لیے دعا فرماویں۔ ان تینوں بزرگواروں کی ہم پر شفقت و مہربانی بدرجہ غایت تھی۔ اور فطرت صحیحہ کی نشوونما بجز گھر کی تربیت کے نہیں ہوسکتی۔ سو وہ ہم نے ان تینوں بزرگوں سے پائی۔ ان کے نمونہ اور ان کی دعا سے ہم نے بہت کچھ حاصل کیا اللہ تعالےٰ ان سب پر اپنی رحمتیں نازل فرماوے آمین۔ رَبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيَانِي صَغِيرًا آمین

دارالسلام ڈلہوزی ۱۱ر جولائی ۱۹۳۵ء

خاکسار مرزا یعقوب بیگ

فخر کے طور پر نہیں بلکہ تحدیث بالنعمت کے طور پر اس وقت بیان کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ جب میں نے یہ اوراق لکھے اس وقت میری عمر ۲۷، ۲۸ سال سے متجاوز نہ تھی۔ روحانی نشوونما۔ تعلق باللہ، اعمال صالحہ، سچی روحانی زندگی، گناہ اور اس سے بچنے کی راہ وغیرہ دقیق مسائل کے متعلق جو کچھ کہ اس عاجز نے بیان کیا ہے۔ وہ سب حضرت مسیح موعودؑ کی صحبت اور قرآن مجید کی محبت کا نتیجہ ہے جو کہ آپ کے طفیل حاصل ہوئی ورنہ ان مسائل کا حل کرنا کوئی آسان کام نہیں۔ جب تک کوئی شخص صاحبِ حال نہ ہو بیان نہیں کر سکتا۔ یا وہ کر سکتا ہے جس نے بزرگانِ دین اور صوفیائے کرام کی کتابیں مطالعہ کی ہوں۔ یا عرصہ تک ان کی صحبت میں رہا ہو۔ فالحمد للہ علی ذالک۔ اس میں بھی طالبانِ حق کے لیے اس سرچشمہ کی صداقت کو پہچاننے کے لیے ایک بیّن دلیل و برہان ہے۔ مگر یہ اللہ تعالٰے کی نصرت اور اس کے فضل کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتا۔ اور کثرت سے دُعا اور تضرع اور ابتہال اس کے فضل کی جاذب ہو سکتی ہے۔ دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ کل مومن بھائیوں کو اس کی توفیق دے۔ آمین۔ وَذَالِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ ذُوالْفَضْلِ الْعَظِيْمِ۔ آخر میں یہ بھی عرض کرنا چاہتا ہوں کہ یہ سیرت کا مسودہ ۱۹۰۰ء میں لکھا گیا تھا۔ بلکہ مطبع اخبار "الحکم" میں طبع کرایا تھا۔ مگر شائع نہ ہو سکا۔ اور کچھ فرمے تلف ہو گئے۔ اس لیے اصل مسودہ سے دوبارہ طبع کروا رہا ہوں۔ گویا کہ حضرت مسیح موعودؑ کی وفات سے سات سال قبل لکھا گیا۔ اس سے جماعت کی عام اخلاقی و روحانی افتاد کا پتہ چلتا ہے۔ ہم دونوں کو بھی اس وقت صرف آٹھ سال بیعت کئے ہو گئے تھے۔ ماسوائے اس کے حضرت مسیح موعودؑ کی صحیح پوزیشن بھی سمجھ میں آ سکتی ہے۔ جو کہ اس وقت جماعت کے ذہن میں تھی۔ اور جس پر ان کا ایمان و اعتقاد تھا۔

سوانح برادر مرحوم و مغفور مرزا ایوب بیگ

ایک قابلِ رشک نمونہ

آج ۲۳/ اپریل ۱۹۰۱ء ہے اور میرا عزیز اور پیارا مرحوم و مغفور بھائی مرزا ایوب بیگ اب سے قریباً ایک سال پہلے ہم سے جدا ہو گیا۔ اور وہ پُر نور چہرہ ہمیشہ کے لیے ان آنکھوں سے ناپدید ہو گیا۔ اور وہ میرا قوتِ بازو بھائی جس کے مبارک وجود پر میں فخر کیا کرتا تھا آخر مجھ سے علیحدہ کیا گیا۔ اگرچہ میں عاصی اس مرحوم سے عمر میں دو تین سال بڑا تھا۔ مگر وہ خورد سال عزیز رُشد، سعادت، اور نیک بختی میں مجھ سے کئی درجہ زیادہ بڑھا ہوا تھا۔ مگر با ایں ہمہ وہ میری ایسی اطاعت اور فرمانبرداری کرتا تھا جیسے ایک سعید بچہ اپنے والدین کی فرمانبرداری کرتا ہے۔ مرحوم میرا بھائی ہی نہ تھا بلکہ ایک اعلیٰ درجہ کا مونس و غمگسار اور شفیق حبیب تھا۔ مرحوم اپنی تمام زندگی میں سوائے چھ سات ماہ کے جب کہ میں لاہور سے تبدیل ہو گیا تھا۔ اخیر دم تک مجھ سے کبھی جدا نہ ہوا تھا۔ ہم کو ایک دوسرے کی جدائی نہایت شاق ہوتی تھی۔ میرے پاس وہ الفاظ نہیں کہ میں اس تعلق یگانگت کو بیان کروں جو کہ مجھ میں اور اس مرحوم و مغفور میں تھا۔ گویا کہ ہم ہر دو یک جان و دو قالب تھے۔ وہ مرحوم اس الٰہی سلسلہ کے لیے ایک زینت کا موجب تھا۔ اور ایمان اور اتقا کا اعلیٰ درجہ کا نمونہ تھا۔ چنانچہ حضرت مسیح موعودؑ اس کی نسبت فرماتے ہیں کہ وہ نوجوان اولیاء اللہ کی صفات اپنے اندر رکھتا تھا۔ اور وہ ایک شیشہ کی طرح سے تھا جو کہ عطر سے لبریز تھا۔ غرض کہ اس عزیز کا جینا اور مرنا دونوں قابلِ رشک کیفیات اپنے اندر رکھتے تھے۔ مرحوم کی وفات کے فوراً بعد ان کے مختصر سے حالات میں نے اخبار "الحکم" میں چٹھی کی صورت میں بغرض اشاعت بھیجے تھے۔ مگر میں نے اس چٹھی میں یہ بھی وعدہ کیا تھا کہ میں اس مرحوم کے

سوانح کو ایک مختصر سے رسالہ کی صورت میں شائع کروں گا۔ مگر اب میرے اس وعدہ پر بھی قریب دس گیارہ ماہ کے گذر گئے ہیں۔ اور میں ایفاء نہیں کر سکا۔ اس لیے کہ مجھے اپنے منصبی فرائض میں بھی مصروفیت رہتی ہے اور بدقسمتی سے کچھ کاہلی بھی میرے شامل حال رہی ہے کہ میں اس مبارک کام کے لیے وقت نہیں نکال سکا۔ مگر اب اتنا وقت گذر جانے کے باعث مجھے بہت ندامت ہوئی کہ میں اپنے وعدہ کو پورا نہیں کر سکا۔ اور نیز یہ کہ اجل کا وقت معین نہیں کہ کب آ جاوے۔

صحبتِ مردِ کامل

اور میں جو ایک متقی نوجوان کے حالات سے لوگوں کو مطلع کرنا چاہتا ہوں۔ اس میں ناکام نہ رہ جاؤں۔ کیونکہ اس سوانح کے پیش کرنے سے غرض یہ ہے کہ طالبِ حق لوگوں کو معلوم ہو کہ اس تھوڑی سی عمر اور تھوڑی سی صحبت سے ایک سعید فطرت کہاں تک روحانیت میں ترقی کر سکتی ہے۔ اور اس مسیحؑ کے انفاس طیبات کی برکت سے جو کہ اس زمانہ کے لیے مصلح ہو کر آیا ہے، اس زمانہ کے نوجوان کہاں تک مستفیض ہو سکتے ہیں۔ اور اس کے اثرِ صحبت سے متمتع ہو کر خود کیا فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ اور مخلوق کو کن برکات سے مشرف کر سکتے ہیں۔ ایک مسلمان کے لیے اس سے بڑھ کر اور کیا نعمت ہے کہ اس کا دل اس بات کی حلاوت اپنے اندر پالے کہ اسلام نے جو دستور العمل اس کے لیے پیش کیا ہے۔ وہ اس کے لیے دین و دنیا میں ہُدیٰ و نورٌ ہے۔ اور اس کو خداوند ذوالجلال کی کامل کتاب کے ساتھ محبت اور عشق پیدا ہو جاوے۔ اور اسکے اوامر پر عمل کرنے میں اپنے دل میں کوئی تنگی نہ پاوے۔ اور اس کے نواہی کے لیے اپنے اندر کوئی رغبت محسوس نہ کرے۔ اور طبعاً اس کے دل میں خدا تعالےٰ کے احکام کی عظیم الشان عظمت و محبت پیدا ہو جاوے۔ اور اس کے احکام پر عمل کرنا ہی اس کی فطرت ہو جاوے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جو کہ افضل البشر اور خیر الرسل ہیں۔ کامل درجہ کی محبت اور انس پیدا ہو جاوے۔ اور ہر معاملہ میں اور ہر بات میں اس نبی معصوم صلی اللہ علیہ وسلّم کے اسوۂ حسنہ کی تلاش ہو اور

اس کی اتباع کو اپنے لیے نہایت ہی سرور اور لذت کا باعث سمجھے۔

جبکہ ایک مسلم اس درجہ کا فرمانبردار ہو جاتا ہے پھر وہ غیروں کے لیے خدا تعالے کی طرف سے ایک برکت کا موجب ہوتا ہے ایسا انسان ہر ایک محسن کا حق پہچانتا ہے۔ اور ہر ایک انسان سے نیکی اور بھلائی کرنا اپنا مقصود بالذات خیال کرتا ہے۔ وہ مخلوق کی بھلائی کے واسطے اپنے آرام کو قربان کرتا ہے۔ اور اگر اس مبارک کام میں اس کی جان بھی چلی جاوے تو پرواہ نہیں کرتا (اگر صد جان بہ پا ریزم ہنوزش عذر مے خواہم)

احیائے روحانی مردِ کامل سے تعلق کی مثال اس بارش کی ہے جو عین ضرورت کے وقت بھیجی جاتی ہے۔ اور جہاں جہاں کہ وہ صاف اور مصفی قطرات پڑتے ہیں زمین کی ہر ایک قسم کی غلاظت کو دھو دیتے ہیں اور وہ دانے جو گرد و غبار اور نجاست میں پڑے ہوئے ہوتے ہیں ان کو وہ ایسا پاکیزہ لباس بخش دیتے ہیں کہ ان کو دیکھتے ہی آنکھ لذت پکڑتی اور بینائی کو تر و تازگی حاصل ہوتی ہے۔ اور وہی دانہ جو ایک وقت نجاست میں پڑا ہوا تھا۔ تھوڑے دنوں کے بعد خود ہوا کو نجاستوں سے پاک و صاف بنا دیتا ہے۔ یہی حال ان لوگوں کا ہے جو ایک کامل انسان کی صحبت میں رہ کر کمال حاصل کرتے ہیں۔ اور گویا کہ ان کے وجود کا ایک جزو ہو کر دنیا کے لیے رحمت کا موجب ہو جاتے ہیں۔

سیرت مسیح موعودؑ ابھی چند روز ہوئے ہیں کہ میرے نہایت ہی عزیز اور محترم بھائی مولانا مولوی عبد الکریم صاحب نے حضرت مسیح موعودؑ کی سیرت لکھی ہے۔ جس میں انہوں نے یہ ثابت کر دکھایا ہے کہ حضرت اقدس امام زماں مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کا وجود اس زمانہ کے لیے رسول معصوم صلی اللہ علیہ وسلم کا نمونہ ہے۔ اور ان کے اخلاق و عادات اسی سانچے میں ڈھلے ہوئے ہیں جس میں کہ آنحضرت کے تھے۔ اور جو کوئی کہ بصیرت رکھتا ہو وہ اس متبرک انسان کی صحبت میں رہ کر اسی نتیجہ پر پہنچ سکتا ہے۔ جس پر کہ ہمارا معزز بھائی پہنچا۔ جس نے کہ سالہائے دراز تک اس محمدی مسیح کی صحبت میں رہ کر اس کے

ہر ایک اندرونی اور بیرونی حالات کو نہایت ہی غور اور تعمق کی نظر سے دیکھا اور ایک غیر متعصب صاف گو انسان کی طرح ان تمام حالات کا نقشہ کھینچ کر جو کہ اس نے اس زمانہ کے اس عظیم الشان انسان کی نسبت مشاہدہ کیے ہوئے تھے پبلک کے سامنے پیش کر دیے۔

جماعتِ مسیح موعودؑ

قرآن کریم نے اس مسیح موعودؑ کی جماعت کو بھی صحابہ کی جماعت کے ساتھ شامل کیا ہے۔ کیونکہ ان کا معلم بھی وہی فطرت لیکر آیا ہے جو آنحضرت صلعم کی تھی۔ اور یہ بھی اسی کتاب کی طرف لوگوں کو بلاتا ہے جس کو کہ آج سے تیرہ سو سال پہلے وہ عرب کا الٰہی پہلوان دنیا میں لایا تھا۔ اور جیسے کہ آنحضرتؐ کا وجود خدا نما تھا۔ ایسے ہی اس کے اس مثیل کا وجود بھی خدا نما ہے۔ اور حضرت اقدس مسیح موعودؑ نے ہمیشہ یہی نصیحت اپنی جماعت کے لوگوں کو کی ہے اور کرتے ہیں کہ صحابہ کے نیک نمونہ کی اتباع کرو۔ اس پاک گروہ کے سے اخلاق پیدا کرو۔ اور اس طرح سے مروت اور اللہ تعالیٰ کے رستہ میں بذل مال و جان اختیار کرو۔ اور اپنی نفسانی خواہشات کو چھوڑ دو۔ اور ظلم اور تعصب اور کینہ اور بے جا عداوت سے اپنے دلوں کو پاک صاف کر لو۔ اور بنی نوع انسان کی بہبودی کے لیے ہر دم کوشاں رہو۔ کسی شخص کے ساتھ درشت خوئی سے پیش نہ آؤ۔ اور اگر کوئی شخص اپنی بے سمجھی سے تم کو بُرا بھی کہے اور تکلیف بھی دے۔ پھر بھی تم برداشت کرو اور بردباری اور حوصلہ سے کام لو۔ کیونکہ جب تک کہ تم اپنے غیظ و غضب اور غصہ کو اللہ تعالےٰ کی راہ میں قربان نہ کر دو گے۔ خدا تعالےٰ کی نظر میں قابل شفقت نہ خیال کیے جاؤ گے۔ اور جب تک کہ تمہاری نفسانی خواہشات کا بھوت تمہارے مطیع نہ ہو گا۔ تب تک تم کو نورانی قویٰ نہ دیے جائیں گے۔ اور کوئی رنگ یا مذہب کا اختلاف تم کو اس بات کی طرف مائل نہ کرے کہ تم انصاف نہ کرو۔ اور کسی کا حق دبا لو۔ خدا تعالےٰ کو ہمیشہ حاضر و ناظر جانو۔ اور کبھی یہ مت خیال کرو کہ تمہارا کوئی فعل یا کوئی ارادہ چاہے کتنا ہی چھپا کر کیا جاوے اس عالم الغیب خداوند کی آنکھ سے چھپ سکتا ہے۔ غرضیکہ ہر ایک پہلو میں صحابہ کے

رنگ میں رنگین ہو جاؤ اور جس طرح سے کہ وہ پاک گروہ دنیا کے لیے خیر و برکت کا موجب تھا تم بھی نفع رسانی خلائق کا بیڑا اپنے سر پر اٹھا لو۔

بیعت کی اصل غرض

اب حاصل کلام یہ ہے کہ اہل اسلام میں جو اخلاقی کمزوریاں حد سے زیادہ بڑھ گئی ہیں۔ ان کی درستی کے واسطے اللہ تعالے نے حضرت امام زمان کو مبعوث فرمایا ہے۔ اور انہوں نے بارہا تقریری اور تحریری طور پر یہ اعلان کر دیا ہے کہ جو شخص کہ ہم سے بیعت کرنے کے بعد بھی اپنے اندر پاک تبدیلی نہیں کرتا اور اپنے غصے کو نہیں مارتا وہ ہم میں سے نہیں ہے۔ وہ ہم سے کاٹا جائے گا۔ اس کی مثال اس خشک ٹہنی کی ہے جس کا حقیقی پیوند درخت سے منقطع ہو جاتا ہے۔ اور ایک دن آتا ہے کہ وہ خود بخود اس سے جھڑ جاتی ہے۔ یا کاٹ کر پھینکی جاتی ہے اور جلانے کے کام آتی ہے۔ اس لیے ہماری جماعت میں سے ہر ایک کا فرض ہے کہ وہ ہمیشہ اپنے نفس کو ٹٹولتا رہے کہ کہاں تک ایمانی حلاوت اور قوت قدسی اس میں ہے تاکہ اس کے معلوم کیے بغیر وہ اس خشک لکڑی کی طرح نہ ہو جاوے جس کا پیوند درخت سے منقطع ہو جاتا ہے۔ اگر بظاہر اسی کے ساتھ پیوست ہوتی ہے مگر دراصل اس کا کوئی تعلق اس درخت سے نہیں ہوتا۔ اور یا بد قسمتی سے اس کی ایسی حالت نہ ہو جاوے کہ وہ خشک ہونے کے بعد علانیہ طور پر خود اس مبارک پیوند سے انقطاع کر لے یا وہ حکماً اس سلسلہ سے علیحدہ کیا جاوے جیسے کہ بعض بدکرداروں کو خود حضرت مسیح موعودؑ کو اپنی جماعت سے خارج کرنا پڑا۔

میری یہ دعا ہے کہ اللہ تعالے ہم میں سے ہر ایک کو یہ توفیق دے کہ آئے دن وہ اخلاص میں قدم آگے بڑھائے۔ اور وہ اپنے نیک اخلاق اور عادات میں دنیا کے لیے ایک نمونہ بنے۔ اور اس کا وجود گم گشتگانِ طریقت کے لیے اس مینارہ روشنی (لائٹ ہاؤس) کی طرح سے ہو جس سے کہ بھولے ہوئے جہاز ران ہدایت پاتے ہیں۔ یا اس ستارہ کی طرح ہو جو اندھیری رات میں اپنی چمک سے رستہ پر چلنے والوں کی رہبری کرتا ہے۔ غرضیکہ اس جماعت میں

سے ہر ایک کا وجود خلقِ خدا کے لیے خیر و برکت کا موجب ہونا چاہیئے۔ اور اس کے کسی قول و فعل سے اسلام اور اس کی کامل کتاب اور اس کے کامل رسول صلعم پر اور پھر امام زمان پر دوسرے لوگوں کو الزام دینے کا موقع نہ رہے۔

ہادیانِ دین و مجدّدینِ دین کی ضرورت

اس قسم کے اخلاق و عادات کا پیدا کرنا اگرچہ اس ظلمت کے زمانے میں نہایت مشکل اور دور از قیاس تصوّر کیا جاتا ہے۔ مگر دراصل یہ امر قابلِ حصول اور عین ممکنات میں سے ہے۔ جیسے کہ صحابہ کرام اور صدہا اور ہزاروں بزرگانِ دین اور دیگر متقی لوگوں کی مثال سے ظاہر ہے۔ مگر جس طرح سے کہ ایک بچّہ چلنا نہیں سیکھتا جب تک کہ اپنے سامنے ہر روز چلتے پھرتے لوگوں کو نہیں دیکھتا اور ان کی طرح چلنے کی کوشش نہیں کرتا۔ اور وہ باتیں کرنی نہیں سیکھتا جب تک کہ وہ باتیں کرنے والے لوگوں کو اپنے اردگرد نہیں دیکھتا اور ان کی سی نقل کرنے کی کوشش نہیں کرتا۔ اسی طرح سے کوئی سنہرا در قابلیت انسان حاصل نہیں کر سکتا۔ جب تک کہ اس کے لیے ان راہوں سے کوشش نہیں کرتا۔ جو کہ اس کے واسطے مقرر ہیں۔ اسی طرح سے الٰہیات میں ترقی کرنے کے لیے اور ایک بے ضرر اور کامل انسان بننے کے لیے اس کے لیے ضروری ہے کہ کچھ حصّہ عمر کا اہل اللہ لوگوں کی خدمت میں کاٹے اور ان کے نمونہ کی پیروی کرے۔ (صحبتِ صالح ترا صالح کند؛ صحبت طالع ترا طالع کند)

مومن کے لیے مرادِ عظیم

چاہیئے کہ قرآن کریم کو اپنا دستور العمل بناوے اور جو طریقے کہ اس کامل کتاب نے خداشناسی اور خدا رسی اور نفس مطمئنہ حاصل کرنے کے لیے بیان فرمائے ہیں ان پر عمل درآمد کرے۔ چنانچہ ہماری جماعت میں سے جن لوگوں نے اس طریق پر اپنی کوششوں کو لگایا ہے۔ انھوں نے اپنی کوششوں کا ثمر اسی دنیا میں پا لیا ہے۔ اور انھوں نے اچھی طرح سے اپنے نفسوں میں دیکھ لیا ہے۔ کہ فطرتاً ان کو گناہ اور معصیت کی راہوں سے نفرت اور منافرت ہو گئی ہے۔ اور جیسے

کہ ایک انسان کسی بدبودار اور عفونت دار جگہ سے بھاگتا ہے ایسے ہی وہ گناہ اور معصیت کے لوازمات اور ارادوں سے بھاگتے ہیں۔ اور ظلم اور تعصب کی راہوں سے وہ اس طرح سے دور ہوتے ہیں جس طرح سے کہ ایک راہ گزر گرنے والی دیوار دیکھ کر بھاگتا ہے کہ کہیں اس کے نیچے نہ دب جاوے۔ اور نیک اعمال اور راستی کی طرف ان کی فطرت راغب ہوتی ہے۔ اور ان کا دل حق کی خوشبو سے سرشار ہوتا ہے۔ اور ہمیشہ ان کی بڑی بھاری یہی خواہش ہوتی ہے کہ کہیں کوئی خدمت بنی نوع انسان کی میسّر آجاوے۔ ایسے لوگوں کے دل الٰہی محبت سے بھر جاتے ہیں۔ اور وہ اس کی رحمت اور فضل ہر آن میں اپنے ساتھ دیکھتے ہیں۔ اور وہ فوق الفوق ہستی جو دنیا کی نظر سے پوشیدہ ہے (یہاں تک کہ اس زمانے کے کروڑہا لوگ اپنے قول یا فعل سے اس کی ہستی کے منکر ہیں) ان سے پوشیدہ نہیں رہتی۔ اور وہ ہر آن میں اس کا یدِ قدرت اپنی اعانت میں کام کرتا پاتے ہیں۔ اور کسی قسم کا رنج و غم ان کے دل پر مستولی نہیں ہوتا۔ گویا کہ ان کی بہشتی زندگی اسی دنیا سے شروع ہو جاتی ہے۔ (لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ) یہی ہے حقیقی خوشی اور لازوال راحت اور یہی ہے مرادِ عظیم جس کے حاصل کرنے کے لیے ہر ایک شخص کوشاں ہے۔ مگر یہ سچی اور ہمیشہ ساتھ رہنے والی خوشی نہ دولت سے ہاتھ آتی ہے، نہ امارت سے، نہ دنیا کے عیش و عشرت بہم پہنچانے سے اور نہ اعلیٰ ہنر ور ہونے سے اور نہ فیشن ایبل بننے سے۔ غرضیکہ کوئی دنیا کا مشغلہ ایسی کامیابی اور خوشی نہیں پہنچا سکتا۔ جو ہمیشہ تک ساتھ رہے۔ اور جس کا انجام حسرت نہ ہو۔ بڑے بڑے اہل الرائے لوگوں نے اس مسئلہ کو سوچا اور غور کیا ہے۔ وہ اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ یہ خوشی انسان کو صرف خدا کا ہو کر حاصل ہوتی ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ دین کے لیے کوشش کا انجام شیریں ہوتا ہے۔ دنیا کی عشرتی زندگی کا ابتدا شیریں ہوتا ہے مگر انجام سخت تلخ ہوتا ہے۔ ہماری جماعت میں ایک دو نہیں بلکہ بیسیوں ایسے اصحاب ہیں اور ہو چکے ہیں۔ جنہوں نے کہ اس مسیح موعودؑ کے طفیل اس مرادِ عظیم کو پا لیا۔ اور حقیقی طور پر صحابہ کے رنگ میں رنگین ہو گئے۔ اور انہوں نے اپنے

آپ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس پیشگوئی کا مصداق بنایا جو مسیح موعودؑ کی جماعت کی نسبت قرآن کریم میں مندرج ہے کہ اس کی جماعت بھی صحابہ کی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے روحانی فیض سے حصہ لے گی۔ اور اسی قسم کے لوگوں میں سے میرا عزیز اور مرحوم و مغفور بھائی مرزا ایوب بیگ بھی تھا۔ مرحوم جس کی نسبت حضرت مسیح موعودؑ نے اپنے ایک خط میں میری طرف لکھا کہ وہ اولیاء اللہ کے صفات اپنے اندر رکھتا ہے اور نیز فرمایا کہ اس کی مثال ایک شیشہ کی ہے جو لبالب عطر سے بھرا ہوا ہوتا ہے۔ اور اس میں کسی اور چیز کی گنجائش نہیں ہوتی۔ برادر مرحوم اور سید فضیلت علیشاہ صاحب و ڈاکٹر بوڑے خاں صاحب اسسٹنٹ سرجن اور دیگر اصحاب جو فوت ہو چکے ہیں۔ اس قسم کے لوگ تھے کہ اپنا ایمان ثابت لے کر اس جہان سے رخصت ہو گئے۔ مگر ہم کو کیا معلوم ہے کہ ہمارا خاتمہ کیسا ہو گا۔ ہمارے ایمان ابھی تک معرض امید و بیم میں ہی ہیں۔ اس لیے اللہ تعالیٰ سے یہی دعا ہے کہ وہ ہم سب کا خاتمہ بخیر کرے۔ اور ہم سے کوئی ایسا فعل سرزد نہ ہو جو قیامت کے روز ہماری روسیاہی کا موجب ہو۔ اور ہم کو توفیق دے کہ ان اصحاب کے نمونہ کی پیروی کریں جو ثابت قدمی کے ساتھ اس جہان سے رخصت ہوئے۔

ایمانی ثمرات جو مرحوم کو حاصل ہوئے

مرحوم و مغفور ایوب کے سوانح لکھنے سے بڑی بھاری غرض اس خاکسار کی یہی ہے جیسا کہ میں نے شروع میں ہی عرض کیا ہے کہ میں دنیا کے سامنے ایک ایسے نوجوان کا نمونہ پیش کروں جو اپنی پچیس سالہ عمر میں تقویٰ و طہارت اور خداشناسی کی اس منزل کو پہنچ گیا تھا جو ہزارہا صد سالہ زاہدوں کو سالہا سال کی چلہ کشیوں اور مجاہدات سے حاصل نہیں ہوتی۔ تاکہ لوگ اس پارس کو پانے کی کوشش کریں۔ جس نے اس نپلائے خاک کو ایک نظر میں اکسیر کر دیا تھا۔ دنیا میں کوئی ہادی اور مصلح اور اہل اللہ نہیں گذرا جس کے زمانہ کے لوگوں نے اس کو جھٹلایا نہ ہو۔ اور جس کے ساتھ ہنسی اور ٹھٹھا نہ کیا گیا ہو۔ اور جس کو مجنوں اور دیوانہ نہ کہا گیا ہو۔ مگر مشاہدہ اور تجربہ نے ایک زمانہ گذرنے کے بعد یہ بات ثابت کر دی کہ خدا کی طرف بلانے والا گو وہ ہی آخر

میں کامیاب ہؤا۔ اور ان کو مجنوں کہنے والے خود اپنے جنون میں ہلاک ہو گئے۔ اور جو درخت کہ انھوں نے لگایا اس کو کوئی دشمن پامال نہ کر سکا۔ یہاں تک کہ وہ بڑھا اور پھیلا اور پھلا اور اپنے وقت پر بار لایا۔ اس لیے محض اس بات سے کہ فلاں شخص کی جو خدا کی طرف سے مامور ہونے کا دعویٰ کرتا ہے اس وقت تکذیب ہو رہی ہے دھوکا میں نہ آنا چاہیئے کیونکہ ممکن ہے کہ یہ بھی الٰہی مامورین کے گروہ میں سے ہو جن کی کہ پہلے تکذیب ہو چکی ہے۔ ہر ایک درخت اپنے پھلوں سے پہچانا جاتا ہے۔ سب سے پہلے دیکھنے کی یہ بات ہے کہ معلوم کریں کہ ایسے مدعی کی تعلیم کا کیا اثر ہے؟ کیا جو لوگ کہ ان کی اتباع کرتے ہیں وہ دین سے دُور ہو جاتے ہیں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کی حمایت اور نصرت کا خیال ان کا جز و روح بن جاتا ہے؟ کیا وہ کامل ایمان ہستی باری تعالےٰ پر ان کو حاصل ہوتا ہے یا نہیں جو کہ ایک مومن کے لیے ضروری ہے؟ کیا ان کی طبیعتوں میں حلم، انکسار، بردباری اور غربت بھر جاتی ہے یا ان سے غصہ، غضب تکبر، عناد اور خودروی ظہور پاتی ہے؟ کیا راستی انصاف اور مروت اور رزق حلال سے ان کو محبت ہے یا جھوٹ ظلم۔ بدمعاملگی۔ اور حرام خوری اور رشوت ستانی ان کا طریق ہے؟ وغیرہ وغیرہ۔ اگر ایسے مدعی کی صحبت میں رہنے سے انسان دیندار اور متقی بن جاتا ہے اور اس ظلمت کے طریقوں سے دور ہو جاتا ہے۔ جو آج کل دنیا کو گھیرے ہوئے ہیں۔ تو یقیناً جانو کہ ایسا شخص خدا تعالےٰ کی طرف سے ہے اور اس کی بدگوئی سے ڈرو۔ اور اس کی صحبت سے فیض حاصل کرو تاکہ اس کے بعد پھر دست افسوس نہ ملنا پڑے۔ اور وہ دین ایمان کی نعمت اور وہ حقیقی خوشی جو اس کے ذریعہ سے ملتی ہے۔ اس کو حاصل کرنے کی کوشش کرو۔

دنیا کے لیے رحمت

دوسری غرض اس سوانح کے لکھنے سے میری یہ ہے کہ میں اس نیک بخت انسان کے واقعات زندگی سے یہ ثابت کروں کہ مذہبی برکات اور روحانی ترقیات کے علاوہ عام طور پر خدا کے ایک برگزیدہ مامور کے فیض صحبت سے اور مرکز کی بنا دینے والے ہاتھ سے عام سوسائٹی اور بنی نوع انسان کے لیے ایک

سعید الفطرت انسان کہاں تک برکت کا موجب ہو سکتا ہے۔ میرے مرحوم و مغفور بھائی نے اپنی اس پچیس سالہ زندگی میں اپنی بیوی، اپنے بچے، اپنے ماں باپ، اپنے بھائیوں، اپنے دیگر رشتہ داروں، اپنی پاک اور معصوم امام کی جماعت کے دیگر افراد۔ عام طور پر مسلمانوں اور ہندؤں اور عیسائیوں کے ساتھ جن سے کہ آپ کا واسطہ پڑا اس قسم کا سلوک اور برتاؤ اور مروت اور احسان اور نیکی اور خوش معاملگی اور دیانت، امانت اور تقوی طہارت کا نمونہ دکھایا کہ اس کے فوت ہو جانے پر اپنے اقربا نے تو افسوس کرنا ہی تھا اجنبی لوگوں نے جن میں سے بہت سے اہلِ ہنود و عیسائی اور یورپین صاحبان اور کالج کے پروفیسروں نے اس کی وفات سے اپنے دلوں پر ایک صدمہ محسوس کیا۔ مرحوم کی وفات کی خبر سن کر سب احباب اور رفقا کی طرف سے تعزیت کے خط میرے نام اور میرے محترم والد صاحب کے نام آئے۔ بعض خط ایسے لوگوں کی طرف سے تھے جن سے اس مرحوم کی ایک آدھ دفعہ صرف چند منٹوں کے لیے ملاقات ہوئی تھی۔ مگر اتنی تھوڑی سی ملاقات میں بھی انہوں نے یہ ظاہر کیا کہ ایوب مرحوم کے اخلاق اور محبت کے جوش نے ان کو اپنا گرویدہ کر لیا تھا۔ اور اس کی وفات کی خبر سن کر انہوں نے نہایت حسرت ظاہر کی کہ کاش ان کو اس صالح نوجوان کی صحبت میں کچھ زیادہ عرصہ تک فیض اٹھانے کا موقع ملتا۔

گناہ سوز فطرت

تیسری غرض اس سوانح کے لکھنے سے میری یہ ہے کہ میں اس نوجوان کے واقعات سے یہ ثابت کروں کہ جو لوگ کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے امام اور مجدد اور مہدی مقرر ہو کر آتے ہیں۔ جیسے کہ آج کل حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی ہیں۔ ان کے نیک اثر سے ان سے ملنے والوں اور محبت رکھنے والوں کو۔ جھوٹ، زنا، بدنظری، بدکاری، ظلم، بغاوت، تعدی، خیانت، دغا، فریب، ناانصافی، کشت و خون و دیگر انواع و اقسام کے جرائم اور معاصی سے دلی نفرت اور پرہیز ہو جاتی ہے۔ اور اس کے مقابل پر سچ بولنا۔ عفت، حیا، عدل و انصاف، سچی فرمانبرداری، اطاعت، اخلاص، مروت، امانت دیانت، خوش معاملگی حقوق العباد کا پورا خیال رکھنا۔ ہر ایک گناہ کے موقع سے پرہیز کرنا غرضیکہ

تقویٰ، طہارت اور پاکیزگی کی ہر ایک راہ اور طریق سے کمال درجہ کی محبت اور اُنس ہو جاتا ہے۔

گناہ اور اس سے بچنے کی راہ

گویا کہ تمام اخلاق فاضلہ اس کی روح کا ایک جزو ہو جاتے ہیں۔ اور سب اخلاق ردیہ اس کے روح کے لیے اس طرح موجب نفرت اور خطرا اور ڈر اور پرہیز کے ہو جاتے ہیں جس طرح سے کہ عام لوگ چیچک اور ہیضہ اور طاعون اور دیگر وبائی بیماریوں سے ڈرتے ہیں۔ کیونکہ یہ بات ان کے دل میں میخ فولاد کی طرح گڑی ہوئی ہوتی ہے۔ کہ ہر ایک قسم کے گناہ اور معاصی (جس کو عام اصطلاح میں جرائم کہا جاتا ہے) کا خیال بھی رفتہ رفتہ انسان کو اس قسم کے چھوٹے گناہ اور پھر بڑے بڑے گناہ اور جرائم کا مرتکب بنا دیتا ہے۔ جس سے کہ ایک قسم کا زنگ اور تاریکی دل پر چھا جاتی ہے۔ جو رفتہ رفتہ اس کے سارے دل کا احاطہ کر لیتی ہے۔ اور جس طرح سے کہ چیچک اور ہیضہ کا بیمار اکثر ہلاک ہو جاتا ہے اسی طرح سے ایسے مجرم کی روح مر جاتی ہے اور اس میں کوئی نور نہیں رہتا۔ جو اس کو خدا تک پہنچا سکے۔ اس طرح سے وہ خدا سے دور اور اس تک پہنچنے کی راہوں سے دور اور مہجور ہو کر شیطان کے حوالہ ہو جاتا ہے۔ دنیا میں بھی ایسی بدمعاشی اور بدمعاملگی سے جسمانی گورنمنٹ اور سلطنت سے سزا پاتا ہے۔ اور آخرت میں بھی خدا تعالےٰ کی بارگاہ میں معتوب ہوتا ہے۔ جہاں کہ اس کا باریک سے باریک گناہ بھی چھپ نہیں سکتا۔ اور ایک نہایت ہی درد دینے والے عذاب میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ جس کی کہ دنیوی جیل خانوں اور سزا کے طریقوں میں کوئی نظیر نہیں۔ اور نہ ہی اس سے مخلصی اور بھاگ جانے کی کوئی سبیل ہو سکتی ہے۔

بعثت مجدّدین و مامورین کی اصل غرض

ظاہری گورنمنٹوں نے بھی قوانین بنائے ہیں جن میں کہ ہر ایک قسم کے جرم کی تصریح کی گئی ہے۔ اور بتایا گیا ہے کہ جو شخص کہ ان میں سے کسی ایک جرم کا مرتکب ہوگا اس کو فلاں قسم کی سزا دی جائے گی۔ اس پر بھی لوگ جرم کرتے ہیں۔ اور ہر طرح کی بدمعاشی اور بدمعاملگی کے مرتکب ہوتے ہیں۔ ظاہری گورنمنٹوں کے پاس کوئی ایسی سبیل نہیں کہ ہر ایک جھوٹے، بدمعاملہ، زانی

بدکار، حرام کار، چور اچکا۔ رشوت خور۔ مفسد اور بدمعاش کی بدمعاشی کی نسبت علم حاصل کریں۔
اور اگر علم حاصل ہوجاوے تو ہر ایک مجرم کو گرفتار کرسکیں۔ گورنمنٹ اپنے محکمہ پولیس کی معرفت اور
مخبروں کی معرفت چوروں اور بدمعاشوں کا جہاں تک ممکن ہوسکتا ہے پتہ لگاتی ہے اور ان کو
گرفتار کرنے کی کوشش کرتی ہے۔ پھر ان کو مناسب سزائیں دیتی ہے۔ مگر بہت سے مجرموں
میں سے صرف چند ایک مجرموں کے پکڑے جانے اور سزا پانے سے ارتکاب جرائم میں اتنی
کمی واقع نہیں ہوسکتی جتنی کہ چاہیئے۔ اصل میں جسمانی اور روحانی جرائم سے بچنے کے لیے صرف
دو ہی سبیلیں ہوسکتی ہیں۔ اوّل یہ کہ جو کوئی جرم کا مرتکب ہو۔ ان میں سے ہر ایک پکڑا جاوے اور
سزا پاوے تاکہ اوروں کو عبرت ہو۔ دوسرے یہ کہ لوگوں کے دلوں میں ایک گناہ سوز فطرت پیدا
ہوجائے جس سے وہ ہر ایک قسم کے جرم اور گناہ سے ایسے متنفر ہوجاویں کہ کبھی کسی جرم اور ارتکاب
جرم کی راہ کے نزدیک نہ پھٹکیں۔ اوّل الذکر صورت کا تو اس دنیا میں پورا ہونا محال ہے۔ اس
کے لیے موت کے بعد الٰہی حکومت کا انتظام مقرر ہے۔ جس میں کہ ہر ایک مجرم سزایاب ہوگا۔
وہاں پر سب مجرموں کو سزا پاتے ہوئے دیکھ کر کوئی شخص کبھی کسی جرم کے ارتکاب کا خیال تک
نہ کرے گا۔ البتہ دوسری صورت کا وقوع ممکنات سے ہے۔ اور اس کے لیے اللہ تعالےٰ کی
قدیم سے سنت چلی آئی ہے۔ کہ وہ انبیاء، رسولوں، مجددوں اور اولیاء اللہ کو دنیا میں بھیجتا ہے
تاکہ وہ دنیا میں لوگوں کو نیکی کی تعلیم دیں۔ اور خود نیک بن کر دکھلادیں۔ اللہ تعالےٰ نے ایسے لوگوں
کی زبان میں ایک تاثیر رکھی ہوئی ہوتی ہے۔ کہ وہ لوگوں کے دلوں کو اپنی طرف کھینچ لیتی ہے
ان کی صحبت میں ایک برکت ہوتی ہے۔ اور خدا کی رحمت ہوتی ہے جو اس کے پاس بیٹھنے والوں
پر بھی نزول کرتی اور ان کے دلوں کو پاک وصاف کردیتی ہے۔ اور ان کی نصرت میں اللہ تعالیٰ
کی قدرت کا نمایاں ہاتھ مخلوق کو مشاہدہ ہوجاتا ہے۔ جس کو کہ علی وجہ البصیرت نہ پہچاننے سے
انسان گناہوں کا مرتکب ہوجاتا ہے۔ اس ذات پر اگر کامل درجہ کا ایمان ہو کہ وہ ہمارے ہر ایک
فعل پر نگران ہے اور اس کو ہمارے باریک سے باریک مخفی ارادوں اور منصوبوں کی خبر ہے اور

یہ کہ ہم کو ہمارے اعمال کی پاداش ضرور ملے گی تو ممکن نہیں کہ کوئی شخص بھی کبھی کسی گناہ کا مرتکب ہو۔ دنیاوی حکام اور بادشاہوں کے سامنے بڑے سے بڑا بدمعاش بھی کسی جرم کا مرتکب نہیں ہوتا۔ اور اگر کوئی یہ بیباکی کرے بھی تو فوراً سزا پاتا ہے۔ چہ جائیکہ ان بادشاہوں کے بادشاہ اور حیّ وقیوم ہستی کے سمیع وبصیر ہونے کا کامل علم حاصل کر کے کوئی ایسا فعل کرے۔ غرض کہ اللہ تعالےٰ ان کی دعا اور انفاس طیبات سے آسمانی برکات کا نزول کرتا ہے جس سے ہر ایک قسم کے معاصی سے سچی نفرت ہو جاتی ہے۔ اور ایک گناہ سوز فطرت عطا ہوتی ہے اس لیے اس کا ضروری نتیجہ یہ ہوگا کہ جتنے زیادہ لوگ ان کی صحبت سے فائدہ حاصل کریں گے اتنی ہی دنیا میں بھلائی اور نیکی پھیلے گی۔

یہ دینی مصلحین اور مجدّدین کی جماعت گویا کہ اللہ تعالےٰ کی طرف سے زمینی سلطنتوں کے لیے ایک عظیم الشان معاون اور مددگار کے طور پر ہوتی ہے۔ یہ لوگ مخلوق کے دلوں میں ایسی تبدیلی کرنے کے لیے مبعوث ہوتے ہیں کہ وہ فطرتاً گناہ اور معاصی اور ہر ایک قسم کے جرائم سے دور رہیں اور ہر ایک نیکی کو اختیار کریں۔ اس لیے وہ نہایت ہی خوش قسمت سلطنت ہے جس کے ملک میں امن وامان قائم رکھنے کے لیے خداتعالےٰ کی طرف سے ایسے اسباب میّسر آجاویں۔

یہ ایک مسلم امر ہے کہ فی زمانہ سلطنت برطانیہ جیسا عدل وانصاف کسی سلطنت میں نہیں ہے۔ چاہے وہ اہل اسلام کی سلطنت ہو یا غیر اسلام کی سب سے بڑا نازک معاملہ دین کا ہوتا ہے۔ جس سلطنت میں دین کا تعصب نہ ہو اس کو یہ سمجھ لینا چاہیئے کہ وہ دیگر تعصبات سے بھی ضرور خالی ہوگی۔ چنانچہ جو مذہبی آزادی اس زمانہ میں انگریزی راج میں ہے۔ وہ دنیا بھر کی کسی اور سلطنت میں نہیں۔ ہر ایک مذہب والا اپنے عقائد کی تبلیغ بغیر کسی روک ٹوک کے کھلے طور پر کر سکتا ہے۔ ہم اہل اسلام ہی غور کریں کہ ہمارے مذہب کے مختلف فرقوں کو جو آزادی اپنے اپنے اصولوں اور عقائد کے اظہار اور تبلیغ کے لیے اس سلطنت میں ہے۔

وہ ہم کو اپنے اسلامی ممالک میں بھی میسر نہیں آ سکتی۔ اگر شیعہ اپنے عقائد کی تبلیغ افغانستان و سلطنت روم میں کرنا چاہیں۔ تو ممکن نہیں۔ اسی طرح سے اہلِ سنّت جماعت اگر ایران میں اپنے عقائد کو پھیلانا چاہیں تو ممکن نہیں ایسے ہی اور سب فرقوں کا حال ہے۔

سلطنت برطانیہ اور مذہبی آزادی

اللہ تعالیٰ نے جو دنیا کی کل اقوام پر نظر رکھتا ہے۔ موجودہ دنیاوی سلطنتوں میں سے انگریزی سلطنت ہی کو عدل میں اول نمبر پر پایا۔ اس لیے اس نے اسی سلطنت میں اس زمانے کے روحانی امام اور معاون کو مبعوث کیا تاکہ وہ لوگوں کو نصیحت کرے کہ وہ اس گورنمنٹ کے احسانوں کو پہچانیں اور اس کے ملک میں امن کو قائم رکھنے کے لیے پورے وفادار، فرمانبردار اور جان نثار بننے کی کوشش کریں۔ اور ہر ایک ظلم، معصیت اور بدی اور بغاوت کی راہ کو ترک کریں۔ اور ہر طرح کی نیکی اور پرہیزگاری اور اطاعت کو اختیار کریں آج اس زمانہ میں مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کا وجود جو اس زمانہ کے امام ہیں گورنمنٹ برطانیہ کے لیے نہایت مغتنمات میں سے ہے، اور ایک نعمت خداداد ہے۔ کیونکہ اس زمانہ میں بھی ایک کثیر تعداد ایسے مسلمانوں کی ہے کہ جو مذہبی لڑائیوں کو جائز سمجھتی ہے۔ باوجودیکہ گورنمنٹ انگریزی دن رات ان کے جان ان کے مال ان کے دین اور ان کے ایمان کی حفاظت کرتی ہے۔ اور اس گورنمنٹ نے ابھی بہت عرصہ نہیں گذرا کہ ان کو ایک ایسی ظالم حکومت سے ملک پنجاب میں ہی نجات دی ہے جو ان کے مال وجان و ایمان کے لیے ایک وبال کا موجب تھی۔ بہت سے لوگ ابھی زندہ ہیں۔ جنہوں نے وہ اندھیر گردی دیکھی ہے کہ اس ملک پنجاب میں روز روشن میں بستیوں کی بستیاں لٹ جاتی تھیں۔ دن چھپے تو اکیلے دوکیلے آدمی کا شہر سے باہر نکلنا بھی محالات سے تھا۔ لوگ قافلے بنا کر راہ کاٹتے تھے اور بیسیوں جانیں تلف ہو جاتی تھیں۔

مذہبی آزادی کی یہ حالت تھی کہ دین کی تبلیغ تو درکنار، کوئی شخص اونچی آواز سے اذان

دینے کا مجاز نہ تھا۔ اگر کوئی شخص بقر عید کے موقع پر بھی گائے ذبح کرتا تھا تو اس کا جرم ایسا سمجھا جاتا تھا کہ جیسے کسی انسان کو قتل کر دیا جاوے۔ بلکہ اس سے بھی زیادہ۔ اور اس کو دکھ کی موت سے مارا جاتا تھا۔

صرف اہل اسلام ہی کا یہ حال نہ تھا بلکہ اہل ہنود اور دیگر اقوام کے لوگ بھی ان کے ظلم سے تنگ تھے۔ ان کی اپنی قوم بھی خانہ جنگیوں سے تباہ ہو رہی تھی۔ غرضیکہ سلطنت انگریزی ایک بارانِ رحمت کی طرح سے اللہ تعالےٰ کی طرف سے ملک پنجاب پر نازل ہوئی جس نے ہر ایک قوم کو ایک جلتے ہوئے تنوروں سے نکالا۔ اس آگ سے سب سے زیادہ متاثر مسلمانوں ہی کی قوم تھی۔ اور اسی قوم کی حالتِ زار کو دیکھ کر اور خصوصاً بعض پاک نفوس کی دعا سے جن پر اس قوم ناحق شناس نے نہایت ظلم و ستم کیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی مخلصی کے لیے اس انصاف پسند قوم کو منتخب فرمایا۔ وہ شخص نہایت ہی نااہل ہے اور دین و دنیا میں نامراد جانے والا اور حق کا خون کرنے والا ہے جو اس قوم کے احسانات سے اپنی نظر بند کر لے۔ اور بجائے اس کے کہ ان کے احسان کے بدلہ میں ان کے ساتھ کچھ نیکی کرے ان کا گلا کاٹنے کا ارادہ کرے۔

حضرت مرزا صاحب نے قرآن مجید اور حدیث اور دیگر عقلی و نقلی دلائل سے صاف طور پر ظاہر کر دیا ہے کہ ایسے لوگ جو بے گناہ انگریزوں اور دیگر مذاہب کے لوگوں کو مار کر غازی کہلاتے ہیں اور جنتی بننا چاہتے ہیں۔ وہ جنت نہیں اپنے لیے دوزخ خریدتے ہیں۔ اور جب تک کہ ان کو کوئی اشاعت اسلام نماز روزہ اذان و دیگر فرائض مذہبی سے نہ روکے تب تک کسی صورت میں جہاد نہیں ہو سکتا۔ اور سلطنت انگریزی نے تو ہمارے ملک میں اذان، نماز و دیگر اسلامی شعار کی ادائیگی میں جو روک اس حکومت سے پہلے ہم پر تھی اس کو دور کیا۔ اور اتنی مذہبی آزادی ہم کو دے رکھی ہے کہ کسی دوسرے اسلامی ملک میں مسلمانوں کو اس سے بڑھ کر آزادی حاصل نہیں۔ تو پھر ان پر جہاد کس طرح سے

روا ہے۔ اور مرزا صاحب نے یہ امر کھول کھول کر بیان فرمایا ہے کہ انسان کا شکر تو خدا کا شکر کرنے کے لیے ایک زینہ ہے جو شخص کہ انسان کے احسان کی قدر نہیں کرتا وہ خدا کے احسان کی بھی قدر نہیں کرتا۔ اور یہ کہ خدا تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے۔ هَلْ جَزَاءُ الْإِحْسَانِ إِلَّا الْإِحْسَانُ۔ یعنی احسان کا بدلہ احسان ہی ہو سکتا ہے۔ جو کوئی احسان کے بدلے بدی اور بدسلوکی کرتا ہے یا کرنے کا ارادہ رکھتا ہے وہ خدا تعالیٰ کا نافرمان ہے اور خدا کا نافرمان ہو کر کس طرح سے اس کی درگاہ سے رضا حاصل کر سکتا ہے۔

جہاد منسوخ نہیں کیا

حضرت اقدس مرزا صاحب نے جہاد کے مسئلہ کو منسوخ نہیں کیا۔ اور نہ وہ کر سکتے تھے۔ کیونکہ یہ قرآن کا حکم ہے بلکہ یہ ظاہر کیا ہے کہ موجودہ حالات میں ملک ہندوستان میں اس کا اطلاق جائز نہیں اور یہ ظاہر کیا کہ لوگ جو ایک خونی مہدی کے منتظر تھے کہ وہ آئے گا اور دنیا کو کشت و خون سے بھر دیگا اس کی نسبت قرآن اور حدیث و آثار صحیحہ و دلائل نقلیہ و عقلیہ سے ثابت کیا کہ ایسا خونی مہدی کوئی نہیں آنے والا۔ اور ایسا خیال وحشیانہ طبع لوگوں کا پھیلایا ہوا ہے۔ ایسے مہدی کے آنے کا قرآن اور حدیث سے کوئی ثبوت نہیں ملتا۔

عقاید صحیحہ کا استحکام

غرض کہ ہر ایک قسم کے عقاید حقہ کو مرزا صاحب دنیا میں پھیلاتے ہیں۔ اور یہ سب کچھ ایک سچے جوش اور اخلاص سے ہے چوبیس پچیس سال کا عرصہ کچھ کم نہیں۔ یہی عرصہ انسانی جوشوں کے ابتلاء کا وقت ہوتا ہے اور زندگی کا جزو اعظم یہی زمانہ ہوتا ہے۔ اپنی تمام زندگی کے سب سے بہتر حصے میں انسان وہی کام کرتا ہے جو اس کو سب سے زیادہ مرغوب ہو۔ اور جس کے لیے دلی جوش ہو کوئی شخص نفاق اتنی مدت تک قائم نہیں رکھ سکتا۔ ان مسائل کو عام طور پر ظاہر کرنے اور شائع کرنے سے بہت سے جاہل مسلمانوں نے مرزا صاحب کو بُرا کہا ہے۔ اور کفر کے فتوے دیے ہیں۔ مگر جو لوگ کہ دنیا سے فتنہ و فساد دور کرنے اور حق کی روشنی پھیلانے کیلئے

آتے ہیں۔ وہ کبھی یہ پرواہ نہیں کرتے۔ کہ ان کی بات سے لوگ راضی ہوتے ہیں یا نہیں بلکہ وہ تو صرف خدا تعالےٰ کو راضی کرنا ہی اپنا مقصود سمجھتے ہیں۔ اور اس کے منشا اور حکم کے مطابق چلنا اور عمل کرنا اپنا فرض سمجھتے ہیں اور نہ ہی وہ کام اس غرض سے کرتے ہیں۔ کہ وہ کسی سلطنت کو راضی کریں اور اس سے اس خدمت کے صلہ میں کوئی جاگیر یا خطاب لیں۔

غرض کہ اس رسالہ کی اشاعت کی ایک غرض یہ بھی ہے کہ ایوب بیگ مرحوم ان لوگوں میں سے تھا جن کو خدا تعالےٰ کی طرف سے گناہ سوز فطرت ملتی ہے۔ اور وہ گناہ کا ارتکاب تو کجا اس کے ارتکاب کے واقعات سے بھی دور بھاگتے ہیں۔ اور یہ گناہ سوز فطرت اور تقویٰ اور طہارت اس کو حضرت مرزا صاحب مسیح موعودؑ کے طفیل اور ان کے فیض صحبت سے نصیب ہوئی۔

ہر ایک مسلمان کو کوشش کرنی چاہیئے کہ وہ سچا متقی بن جاوے۔ اور وہ خدا تعالےٰ اور اس کے رسول کے احکام کی ادائیگی میں ہی اپنے لیے زندگی اور آب حیات سمجھے۔ اور اس کے خلاف کو اپنی روحانی زندگی اور ایمان کے لیے موت اور زہر قاتل تصور کرے۔ خدا تعالےٰ کے حق کے بعد دوسری مخلوق کے حقوق ہیں۔ چاہیئے کہ ان حقوق کی ادائیگی میں بھی وہ پورا نکلے۔ اور اپنے ہاتھ پاؤں یا دیگر اعضا سے عام خلق اللہ کی بھلائی میں مشغول ہو۔ خصوصاً اپنے محسنوں سے ضرور نیکی کے بدلہ میں نیکی کرے اور الٰہی گورنمنٹ کا ظل جو یہ دنیاوی گورنمنٹ ہے۔ اس کے احسانات کو بھی کبھی نہ بھولے۔ اور اس کی فرمانبرداری کو بھی قرآنی تعلیم کے بموجب اپنے لیے جزو ایمان سمجھے۔ کیونکہ جو انسان کا شکر نہیں کرتا وہ خدا کا شکر بھی نہیں کرتا۔

اب میں اس تمہید کو اس دعا پر ختم کرتا ہوں کہ اللہ تعالےٰ مجھ کو آں عزیز کے سچے واقعات کو پبلک کے سامنے پیش کرنے کی توفیق دے۔ اور یہ ایک نوجوان صالح کی یادگار دوسرے نوجوانوں کے لیے اس دنیا کی تاریکی سے باہر نکالنے کے لیے ایک مینار کا کام دے۔ اور جس طرح کہ یہ نوجوان اپنی پچیس سالہ زندگی میں طہارت اور پاکیزگی اور اعمال صالحہ

کی چمک اپنے سینہ میں رکھتا تھا۔اسی طرح سے اسے خدا تو مجھ کو اور اس امت محمدیہ کے دیگر نوجوانوں کو بھی توفیق دے کہ وہ بھی تیری رضا کی سیدھی راہ پر چل کر اسی دنیا میں سعادت دارین کو حاصل کریں۔آمین۔

خاکسار یعقوب بیگ

سوانح مرزا ایوب بیگ

مختصر ابتدائی حالات

برادر عزیز مرحوم کی پیدائش اگست ۱۸۷۵ء میں بمقام کلانور ضلع گرداسپور ہوئی۔ان ایام میں پنجاب میں عام طور پر کثرت سے بارشیں ہو رہی تھیں۔بلکہ کئی جگہ سیلاب بھی آئے تھے۔میرے والدین اپنے معمولی رہائش کے مکان کو چھوڑ کر دیوان خانہ میں آ گئے تھے۔کیونکہ اصل سکونتی مکان بوسیدہ ہونے کی وجہ سے اندیشہ تھا کہ بارش میں گر نہ جائے۔اس وقت عام طور پر لوگوں میں سیلاب کا اندیشہ ہونے کی وجہ سے گھبراہٹ پھیلی ہوئی تھی۔عین اس گھڑی میں ہمارے گھر میں اس خوشی کا موقع آیا۔اور بارش کی بوندوں کے ساتھ اس مبارک وجود نے اس دنیا میں قدم رکھا۔اس وقت یہ کس کو معلوم تھا کہ یہ مبارک مولود اپنے نیک عادات اور ستودہ صفات اور مزین اعمال کی رو سے اپنی قوم اور گھرانہ میں ایک درخشندہ ستارہ کی طرح چمکے گا۔اور عام سوسائٹی میں عزت کی نگاہ سے دیکھا جائے گا۔اور اہل اسلام میں ایک اعلیٰ درجہ کے متقی اور صالح نوجوان کا نمونہ ہوگا۔اور یہ بھی کس کو معلوم تھا کہ یہ نوجوان ایسا خوش قسمت ہوگا کہ مسیح آخر الزمان مہدی موعود و امام الوقت کے برگزیدہ خدام اور اصحاب میں سے ہوگا۔اور یہ کس کو علم تھا کہ یہ مولود اپنے کمال اخلاص اور محبت اور کامل اتباع اور سچے عشق کی وجہ

سے جو اس کو اسلام سے اور اسوۂ حسنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اور اس امام برحق مسیح موعودؑ سے تھا۔ یہ ایسی ترقی کرے گا کہ حضرت مسیح موعودؑ کی خاص نظر لطف اور محبت اس پر ہوگی۔ اور وہ اس سے ایسا پیار کرے گا جیسے کہ اپنے حقیقی بیٹوں سے اور یہ کہ وہ اس رتبہ پر پہنچے گا۔ کہ خدا تعالیٰ کا مکالمہ بلا واسطہ اس کے ساتھ ہو۔ اور یہ کہ وہ بار بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے عالمِ رویا میں مشرف کیا جائے گا۔ اور یہ بھی کسی کو خبر نہ تھی کہ یہ مبارک مولود پچیس سال کے عرصہ کے اندر ہی اپنے روحانی کمال کو پہنچ کر، پھر اسی خدا کی طرف چلا جائے گا۔ جس کی طرف سے کہ یہ آیا تھا۔

خاندانی حالات

چونکہ ایوب بیگ مرحوم اپنے تقویٰ اور طہارت اور پاکیزگیٔ نفس کی رُو سے اور اپنے ہر مرتبہ کی رُو سے جو کہ اس کو حضرت مسیح موعودؑ کے فیض صحبت سے محبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور تقرب باری تعالےٰ میں حاصل ہوا تھا۔ وہ اس قابل تھا کہ قوم اس کے وجود پر فخر کرے اور خصوصاً وہ خاندان جس کا کہ وہ ممبر تھا۔ آں عزیز کا ذکر کرتے ہوئے حضرت اقدس حجۃ اللہ المسیح الموعودؑ ایک روز فرماتے تھے کہ "ایسی مبارک روحیں جیسی کہ ایوب بیگ مرحوم کی تھی۔ اکثر صدہا سال کے بعد ہی کسی خاندان میں آتی ہیں"۔ اور مبارک ہے وہ سلسلہ جس میں کہ ایسا فرشتہ منش انسان پیدا ہوا۔ اس لیے میں ضروری سمجھتا ہوں کہ مختصر طور پر اپنے خاندانی حالات کا اس جگہ ذکر کر دوں۔

ہمارے خاندان کے مورث اعلیٰ مرزا عبدالحکیم بیگ صاحب تھے۔ جن کا بنا کردہ گاؤں موضع حکیم پور جو کلانور سے صرف تین میل کے فاصلہ پر ہے اب تک ہمارے خاندان کے قبضہ میں ہے۔ اور وہ اس فوج کے اکابر سر داروں میں سے تھے جو شاہ طہماسپ صفوی نے ہمایوں بادشاہ کے ساتھ ایران سے روانگی کے وقت بھیجی تھی۔ جب اکبر بادشاہ کلانور میں تخت نشین ہوا تو اس نے اس جگہ اپنی یادگار قائم کرنی چاہی۔ اس لیے اس نے مرزا عبدالحکیم بیگ صاحب کو مع اور بہت سے ہمراہیوں کے کلانور میں آباد کیا۔ مرزا صاحب

موصوف ان سب کے سردار تھے۔ اور کلانور کے علاقہ کے محاصل میں سے چوتھا حصہ ان کو ملتا تھا۔ مرزا عبدالحکیم بیگ صاحب کی نسل میں سے بہت سے ذی جاہ افراد گذرے ہیں اور کئی عالم و فاضل اور اہل تقویٰ لوگ بھی ہوئے ہیں۔ چنانچہ ہمارے پڑدادا مرزا عبدالرحیم بیگ صاحب جو مہاراجہ رنجیت سنگھ کے مصاحبوں میں سے تھے اور سکھ حکومت سے قبل ریاست ٹونک میں وزیر اعظم تھے۔ اپنے زمانہ میں بڑے متقی اور پرہیز گار مشہور تھے۔ اور میرے دادا مرزا احمد بیگ صاحب رسالدار بہادر اپنی سخاوت اور جوانمردی اور مہمان نوازی اور یتامیٰ اور غرباء سے خصوصاً محبت کرنے کی وجہ سے مشہور تھے۔ اس جگہ پر مرحوم کے والدین کا ذکر خصوصیت سے کرنا خالی از لطف نہ ہوگا۔ والد صاحب کا نام مرزا نیاز بیگ صاحب ہے جو کلانور کے رئیس اعظم ہیں۔ اور ان کو دربار گورنمنٹ میں خاندانی اعزاز کی وجہ سے کرسی ملتی ہے۔ اور پراونشل درباریوں میں ان کا شمار ہے۔ اور خود بھی محکمہ نہر میں معزز عہدہ پر رہ کر اب گورنمنٹ سے پنشن لیتے ہیں۔ مرزا صاحب موصوف کو ابتدائے عمر سے ہی فقراء کی صحبت کا شوق رہا ہے انہوں نے تارک الدنیا ہو کر اپنے ابتدائے جوانی کے ایام سید امام علی شاہ صاحب مرحوم ساکن رتڑ چھتڑ کی صحبت میں گذارے۔ جس سے ان کو بہت کچھ روحانی فائدہ پہنچا۔ اور ۱۸۹۲ء میں انہوں نے حضرت اقدس حجۃ اللہ المسیح الموعود کی بیعت کی۔ بیعت سے پہلے اس خاکسار میں اور والد صاحب موصوف میں حضرت اقدس کے دعاوی کے متعلق بہت خط و کتابت رہی حتٰی کہ میں نے ان کو ایک خط حضرت مسیح موعودؑ کے علامات و نشانات صداقت و دلائل اور اثبات دعویٰ کے متعلق اسّی صفحے کا لکھا تھا۔ مگر چونکہ ان کی فطرت سعید تھی۔ حضرت صاحب کی صداقت ان پر بھی اپنی صفائی باطنی اور الہام اور رویائے صادقہ کے سبب سے عیاں ہو گئی۔ اور وہ بیعت میں داخل ہو گئے۔

مرحوم کی والدہ بھی نہایت کم گو، تہجد گزار، شب بیدار اور احکام خدا اور رسول کی سچی پابند ہے۔ اور اس کو قرآن مجید سے ایک عشق ہے۔ کہ دن اور رات میں جس وقت ذرا

سی بھی فرصت پاتی ہے۔ قرآن مجید کی تلاوت میں ہی صرف کرتی ہے۔ غربا اور مساکین کی پرورش اور ان سے محبت اور الفت کرنے کا اس کو ہمیشہ خیال رہتا ہے۔ اور عجز اور انکسار اور غربت اور حلیمی اس کی فطرت میں کوٹ کوٹ کر بھری ہے۔

یہ اللہ تعالے کا بڑا بھاری احسان تھا کہ اس نے ہمیں ایسے سعید الفطرت اور متقی والدین عطا کیے۔ اور بہت کچھ ان کی طہارت باطنی کا اثر تھا کہ ہمارے دلوں نے امام برحق حضرت حجۃ اللہ المسیح الموعود کی صداقت کو چھوٹی سی ہی عمر میں نہایت حلاوت اور انشراح صدر سے قبول کرلیا۔ ذَالِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ ذُوالْفَضْلِ الْعَظِيْمِ۔ رَبَّنَا اِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِيًا يُّنَادِىْ لِلْاِيْمَانِ اَنْ اٰمِنُوْا بِرَبِّكُمْ فَاٰمَنَّا رَبَّنَا فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ۔ رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ۔

طفولیت

برادر مرحوم کی طبیعت میں بچپن سے ہی حلیمی اور انکسار تھا۔ ۱۸۸۵، ۸۶ء میں برادر مرحوم اور خاکسار اور مجھ سے بڑے بھائی اکبر بیگ ہم تینوں اپنے والد صاحب کے پاس امرتسر میں پڑھا کرتے تھے۔ ہماری والدہ اور دیگر متعلقین کچھ عرصہ کے لیے کلانور چلی گئی تھیں۔ اور والد صاحب بھی علاقہ میں اکثر ملازمت کی وجہ سے دیہات میں دورہ کے لیے چلا جایا کرتے تھے۔ برادر عزیز کی عمر اس وقت قریبًا دس گیارہ سال کی تھی۔ اور میں آن عزیز سے قریبًا تین سال بڑا تھا۔ اور مرزا اکبر بیگ مجھ سے قریبًا اسی قدر بڑے تھے۔ ایک روز کسی بات پر ہم تینوں بھائی جھگڑ پڑے مجھے اچھی طرح سے یاد نہیں کہ زیادتی کس کی طرف سے ہوئی۔ مگر ہم سب نے علیحدہ علیحدہ اس جھگڑے کی رپورٹ والد صاحب کو لکھ کر بھیجی۔ مجھے اچھی طرح سے یاد ہے کہ ایوب بیگ مرحوم نے اس خط میں اپنی بریت کے لیے والد صاحب کو مفصلہ ذیل شعر لکھا تھا ؎

من آں مورم کہ درپایم بمالند   نہ زنبورم کہ از نیشم بنالند

بیعت آں عزیز نے حضرت اقدس مرزا غلام احمد صاحب قادیانی مسیح موعود و مہدی مسعود کی بیعت ۵ رفروری ۱۸۹۲ء کو بمقام لاہور کی تھی جبکہ حضرت اقدس دہلی کے مباحثہ کے بعد لاہور میں کئی روز ٹھہرے تھے ۔ اس خاکسار نے بھی برادر عزیز سے ایک روز پہلے یعنی ۴ رفروری ۱۸۹۲ء کو بیعت سے شرف حاصل کیا تھا اور یہ عجیب بات تھی کہ ہم دونوں بھائیوں کو حضرت اقدس کی خدمت میں دو تین روز ہی حاضر ہونے سے حضرت اقدس کے ساتھ ایک خارق عادت محبت پیدا ہوگئی اور دل ان کی طرف ایسے کھنچے گئے جیسے کہ لوہے کو مقناطیس کھینچ لیتا ہے ۔ مجھے ان دنوں میڈیکل کالج میں داخل ہوئے ابھی تھوڑا ہی عرصہ ہوا تھا ۔ اور برادر عزیز اسلامیہ ہائی سکول لاہور میں پڑھتا تھا ۔ مجھے تو حضرت اقدس مسیح موعودؑ کے چہرے کو دیکھنے سے ہی یہ کامل یقین ہوگیا کہ یہ منہ جھوٹ بولنے والے کا ہرگز نہیں ہو سکتا ۔ مجھ کو تو حضرت مسیح کی موت یا حیات کے جھگڑے سے کوئی سروکار نہ تھا ۔ اور یہ خدا تعالےٰ کا فضل ہے کہ میرا دل کبھی بھی اس خلجان میں نہیں پڑا اور نہ ہی کسی مولویانہ بحث یا جھگڑے سننے کا اشتیاق تھا ۔ مجھے تو ایک ایسے ہادی کا ہاتھ پکڑنے کی ضرورت تھی کہ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سچی اتباع کا نمونہ دکھا دے جس سے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت اور ان کی ہر ایک بات سے پیار ہو جاوے اور اللہ تعالےٰ کا خوف و خشیت دل میں جگہ لے ۔ تا کہ ہر ایک قسم کے معاصی اور گناہوں سے بچنے کے لیے ایک گناہ سوز فطرت عطا ہو ۔ سو حضرت مرزا صاحب کو دیکھنے سے اور ان کا کلام سننے سے مجھے یہ کامل یقین ہوگیا کہ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اور کامل اتباع میں گداز ہیں ۔ اور خدا تعالےٰ کا خوف و خشیت ان کی بات بات میں ٹپکتا تھا ۔ اس لیے ان کی سچائی کی نسبت میرے دل میں ایسا یقین ہوگیا جیسے کہ سورج کو نکلتے دیکھ کر یقین ہو جاتا ہے کہ اب دن چڑھ گیا ہے ۔ اس لیے میں نے ڈاکٹر عبد الحکیم خاں صاحب ایم بی کے ساتھ جا کر (جو اس وقت میڈیکل کالج میں پڑھتے تھے ۔) حضرت اقدس کی

بیعت کی۔ اس بیعت کے بعد جو روحانی برکات اور فیوض سے مجھے حصہ ملا ان کا میں کسی طرح سے شکر ادا نہیں کر سکتا۔ کیونکہ یہ محض اللہ تعالےٰ ہی کا فضل تھا۔ ورنہ میں تو اس کا ایک عاجز ناچیز بندہ ہوں۔ اور جو حلاوت اور مزا آئے دن کے نشانات کو دیکھ کر جو حضرت مسیح موعودؑ کی صداقت میں ظاہر ہوتے رہتے ہیں۔ اس اپنے ایمان بالغیب کی نسبت آتا ہے میں اس کو بیان نہیں کر سکتا۔ اور یہ خدا تعالیٰ کا فضل تھا کہ اس نے اس چھوٹی سی عمر میں حضرت مسیح موعودؑ کی صداقت کو میخ فولاد کی طرح میرے دل میں گاڑ دیا۔ الحمد للہ علیٰ ذٰلک۔ ثم الحمد للہ۔

جس زمانہ میں ہم دونوں بھائیوں نے بیعت کی وہ عجیب دن تھے۔ یعنی لاہور میں حضرت اقدس کی مخالفت کا بہت زور تھا گلی کوچوں میں سفاک اور بیہودہ لوگ حضرت اقدس کی نسبت گندہ دہانی کرتے تھے۔ اور ان کی نسبت بہت کچھ جھوٹے اور لغو اور بیہودہ قصے مشہور کیا کرتے تھے۔ اکثر لوگوں کا ہجوم حضرت اقدس کے مکان کے گرد رہا کرتا تھا۔ اور اندیشہ رہتا تھا کہ بدمعاش لوگ زبردستی مکان میں گھس نہ آئیں۔ اور حملہ کر دیں۔ اور جو لوگ کہ بیعت کرتے تھے ان کو دوسرے مسلمان تنگ کرنے کی کوشش کرتے تھے۔ غرض کہ لاہور میں ان دنوں ایک عجیب طوفان بے تمیزی پھیلا ہوا تھا۔ بیعت کا اکثر عام طور پر اظہار نہ کیا جاتا تھا۔ چنانچہ میں نے برادر مرحوم سے خفیہ بیعت کی۔ اور اس نے اگلے روز مجھ سے پوشیدہ۔

برادر عزیز کی بیعت کا معاملہ بالکل نرالا تھا۔ مرحوم نے بیان کیا کہ میں دو تین روز تک حضرت اقدس کی خدمت میں حاضر ہوتا رہا۔ اور ان کی گفتگو لوگوں کے ساتھ سنتا رہا۔ ۵ فروری ۱۸۹۲ء کی شام کو جو میں چار بجے دن کے مدرسہ سے واپس آیا تو حضرت صاحب کے مکان میں گیا تو میں نے وہاں دو رکعت نماز پڑھی وہ نماز ایسے خشوع خضوع کے ساتھ پڑھی کہ اس سے پیشتر کسی نماز میں ایسا حضور قلب نہ ہوا تھا۔ اس کے بعد میری طبیعت میں سخت رقت پیدا ہو گئی اور آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ حضرت اقدس اس وقت بالاخانہ میں تشریف لے گئے تھے اور میرا دل

اس وقت اس بات کے لیے تڑپتا تھا کہ اس صادق مرسل من اللہ کی میں فوراً بیعت کر لوں۔ اور میں نہ جانتا تھا کہ کس طرح سے مَیں حضرت صاحب کی خدمت میں پہنچوں۔ مگر میرا دل ہرگز قابو میں نہ رہتا تھا۔ یہاں تک کہ میری بلند آواز سے رونے تک نوبت پہنچی اور ہچکی بندھ گئی میرے ساتھ ایک میرا ہم جماعت بھی تھا۔ دروازہ کو کھٹکھٹانے پر مرزا اسمٰعیل (جو اب پر سیمین ہے۔) ملازم حضرت اقدس مرزا صاحب نیچے اتر آیا۔ میں نے اس کو کہا کہ ہم دونوں طالب علم اس وقت حضرت مرزا صاحب سے ملاقات کرنا چاہتے ہیں۔ حضور نے نہایت کرم سے ہم دونوں کو اپنے پاس بالا خانہ پر بلایا۔ میں نے عرض کی کہ ہم دونوں بیعت کرنا چاہتے ہیں۔ حضور نے ہماری درخواست کو منظور کیا۔ پہلے میرے ہم جماعت کو حضرت اقدس نے بیعت کے لیے اندر بلایا۔ ان دنوں حضرت اقدس ہر ایک امیدوار سے علیحدہ علیحدہ بیعت لیا کرتے تھے۔ اور دس شرائط میں سے ہر ایک کی نسبت تفصیل وار بیان کر کے اس پر کاربند رہنے کے لیے اقرار لیا کرتے تھے۔ اور جس وقت کہ میرا ہم جماعت مذکور اندر بیعت کر رہا تھا۔ میرے دل میں تفرع اور خشیت باری تعالےٰ نے اور بھی زور کیا۔ اس وقت تین چار دفعہ میری آنکھوں کے سامنے بجلی کی طرح ایک نور کی چمک نظر آئی۔ پھر مجھے حضرت اقدس نے بیعت کے لیے اپنے پاس بلایا۔ جب مجھے حضور امام الزمان نے دیکھا تو فرمایا "تمہارے چہرے سے رشد اور سعادت ٹپکتی ہے"۔ پھر مجھ سے پوچھا تم کہاں کے رہنے والے ہو۔ اور تمہارے باپ کا کیا نام ہے۔ جب میں نے بتایا تو چونکہ حضور والد صاحب کو اور ہمارے خاندان کو جانتے تھے فرمایا کہ تم تو ہمارے قریبی ہو۔ پھر حضرت اقدس نے بیعت لی۔ اور بیعت کرنے سے مجھے ایسا معلوم ہوا کہ جیسے نور اندر بھر دیا جاتا ہے۔

بیعت کے برکات | اس بیعت کے بعد جو ہم دونوں بھائیوں میں تبدیلی ہوئی۔ اس کو مَیں سمجھتا ہوں کہ میرے والد صاحب مقابلۃً میری

نسبت اچھا بیان کر سکیں گے۔ اور انشاء اللہ تعالیٰ میں ان کی خدمت میں درخواست
کروں گا کہ وہ ہم دونوں بھائیوں کی نسبت اپنی سچی سچی رائے بلا کم وکاست ایک چھٹی
کے طور پر تحریر کریں۔ کہ ہم میں بیعت سے کیا تبدیلی پیدا ہوئی۔ اور وہ چھٹی اس کتاب میں
انشاء اللہ درج کی جاوے گی۔

تھوڑا ہی عرصہ ہؤا ہے کہ میرے والد صاحب قبلہ گاہی ایک دوست کے ساتھ
حضرت اقدس مرزا صاحب کے برکات بیان کرتے ہوئے ہمارا ذکر بھی ضمناً کرنے
لگے۔ فرمایا کہ میں نے اپنے بچوں کو انگریزی مدرسوں میں داخل کیا۔ اور ان کی تعلیم پر بہت سا
روپیہ خرچ کیا۔ یہ مدرسہ کی پڑھائی میں تو اچھی کوشش کرتے تھے۔ مگر میں جب ان کی
دینی حالت پر غور کرتا تھا تو گھنٹوں فکر و تردد میں پڑا رہتا تھا کہ ان کا انجام کیا ہوگا۔ اور
کئی دفعہ یہ خیال بھی آتا تھا کہ اگر یہ دیندار نہ بنے تو میرا اتنا روپیہ جو میں نے ان کی تعلیم پر
خرچ کیا ہے رائیگاں جائے گا۔ یعنی وہ دیکھتے کہ نماز سے ہم کو کوئی محبت نہیں۔ اور کبھی
ہؤا تو والد صاحب کے ساتھ دیکھا دیکھی نماز پڑھ لی ورنہ خیر اور روزہ کے تو کبھی نزدیک
نہ جاتے تھے۔ کبھی عید میں شامل ہونے کے لیے عید سے پہلے روز کا روزہ رکھ لیا ورنہ
اتنا بھی نہیں۔ اور قرآن مجید پڑھنے کی طرف کوئی رغبت نہ تھی۔ یہ اللہ تعالیٰ کا احسان تھا
کہ اس کے فضل سے ہم میں بدچلنی کوئی نہ تھی، مگر دین اور دینداری کی باتوں سے بھی کوئی لگاؤ
نہ تھا۔ بلکہ یہ رسوم ایک تمسخر کی نگاہ سے دیکھی جاتی تھیں۔ والد صاحب نے اپنے دوست
کو فرمایا کہ جب میرے یہ دونوں لڑکے یعنی مرحوم اور خاکسار ۱۸۹۲ء و ۱۸۹۳ء کی موسم گرما
کی تعطیلات میں میرے پاس گکڑ ہٹہ ضلع ملتان میں آئے تو میں نے ان کی حالت میں ایک
عظیم الشان تبدیلی دیکھی کہ جس کو مشاہدہ کر کے میں حیران رہ گیا اور میں حیرت میں تھا
کہ اسے خدا تو نے کون سے اسباب ان کے لیے میسر کر دیے جن سے ان کے دلوں
میں ایسی تبدیلی ہوگئی کہ یہ نورٌ علیٰ نور ہو گئے۔ میں نے دیکھا کہ یہ ساری نمازیں پڑھتے ہیں

اور ٹھیک وقت پر نہایت ہی شوق اور عشق کے ساتھ اور سوز و گداز کے ساتھ نماز کے لیے کھڑے ہوتے ہیں۔ اور نہایت رقت کے ساتھ نماز ادا کرتے ہیں۔ اور اکثر اوقات میں ان کو نماز کے بعد دیکھتا کہ ان کا چہرہ آنسوؤں سے تر ہے اور خدا تعالے کے خوف و خشیت کے آثار ان کے چہروں میں نمودار ہوتے تھے۔ اور بعض اوقات میں ان کو دیکھتا تھا کہ نماز میں اللہ تعالے کی بارگاہ میں تضرع اور ابتہال میں ان دونوں بچّوں کی چیخیں نکل جاتی تھیں۔ اس وقت میرے ان دونوں لڑکوں کی عمر بالکل چھوٹی تھی۔ داڑھی کا آغاز بھی نہ تھا۔ میں ان کی اس عمر میں یہ حالت دیکھ کر ایسا خوش ہوا کہ میں اللہ تعالے کے حضور میں سجدات شکر بجا لاتا نہ تھکتا تھا۔ ان کی سابقہ روحانی حالت کی کمزوری کو دیکھ کر میرے دل میں ہر وقت ان کی نسبت ایک ڈر لگا رہتا تھا۔ اور اس سے میرے دل پر ایک ایسا بوجھ تھا کہ جو کسی وقت نہ ہٹتا تھا۔ مگر ان ہر دو سعید بچوں میں یہ تبدیلی دیکھ کر میرے سینہ سے یہ سب بوجھ اتر گئے۔ ان ہر دو بچوں کی روحانیت ایسی صاف نظر آتی تھی کہ مجھے ان کے وجود معطّر نظر آتے تھے۔ اور ان کے پاس بیٹھنے سے مجھے خوشبو آتی تھی۔ اور اس سے پہلے ان کی یہ حالت ہرگز نہ تھی۔

ے والد صاحب کو فقرا اور اہل اللہ کی صحبت میں رہنے کا موقع ملا ہے۔ اور خود بھی انھوں نے مدت تک اپنی روحانی ترقی کے لیے دنیا سے کنارہ کشی کر لی تھی۔ اور دن رات خدا تعالیٰ کی عبادت میں لگے رہتے تھے۔ والد صاحب فرمایا کرتے ہیں کہ تب سے ان پر یہ اللہ تعالیٰ کا خاص فضل ہے کہ جن لوگوں کی روحانی حالت اچھی ہوتی ہے یا دروں صافی رکھتے ہیں، یا خدا کے گروہ کے آدمی ہوتے ہیں ان سے ان کو ایک قسم کی خوشبوئی آجاتی ہے جس کو کہ ظاہری حواس محسوس نہیں کر سکتے ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ۔

والد صاحب اس دوست سے فرمانے لگے کہ ان کی اس قدر روحانی حالت کی تبدیلی سے غایت درجہ کی خوشی ہوئی۔ مگر مجھ پر اس وقت یہ عقدہ نہ کھلا کہ ان کو اس چھوٹی سی عمر میں یہ فیض اور یہ تاثیر اور یہ روحانی برکت کہاں سے ملی۔ آخر کار کچھ مدت کے بعد مجھے یہ بات معلوم ہوگئی کہ ان ہر دو بچوں نے یہ سعادت اور رُشد و تقویٰ اور پاکیزگی حضرت اقدس مرزا غلام احمد صاحب مسیح موعودؑ کی بیعت سے حاصل کی ہے اور ہمارے والد صاحب کو حضرت صاحب کی بیعت میں شامل کرنے کا ایک بڑا بھاری موجب ہماری عملی تبدیلی تھی۔ جس نے کہ ان کو حضرت اقدس کی طہارت کی سنیت اور انفاس طیبہ کی نسبت اندازہ لگانے کا اچھا موقع دیا۔

ہماری بیعت کے بعد حضرت اقدس چند روز تک لاہور میں ٹھہرے ہم دونوں بھائی قریباً ہر روز کالج و سکول کی پڑھائی کے بعد حضرت اقدس کی صحبت میں جاکر بیٹھتے اور ان کے فیض صحبت سے حصہ لیتے اور اکثر ان کے مباحثات مخالفین سے سنتے۔ انہی دنوں کا مجھے ایک عجیب قصہ یاد ہے کہ ایک شخص آیا۔ اور اس نے نہایت ناپاک اور گندے الفاظ سے حضرت اقدس کو مخاطب کیا۔ اور اپنے خبث باطنی سے ان کو بہت گالیاں دیں۔ حضرت اقدس خاموش ہوکر سنتے رہے اور مریدین چاہتے تھے کہ اس کو بند کیا جاوے۔ اور باہر نکال دیا جاوے۔ مگر حضرت اقدس نے ان کو ایسا کرنے سے منع کیا۔ اور کسی نے اس کو نہ روکا۔ حتیٰ کہ وہ بیہودہ بکواس کرتے کرتے خود ہی خاموش ہوگیا اس کے خاموش ہو جانے پر حضرت اقدس نے اس کو مخاطب کرکے فرمایا کہ "بھائی کچھ اور بھی کہہ لے" اور ان کے چہرہ سے کوئی آثار ملال کے نظر نہ آتے تھے۔ حضرت کے یہ الفاظ سن کر اس شخص کو اپنے کردار پر سخت ندامت ہوئی اور پھر اس کو اپنی بے سمجھی اور بیہودگی پر سخت رقت ہوئی۔ اور گڑگڑا کر حضرت اقدس کے پاؤں پر گر پڑا۔ اور معافی کا خواستگار ہوا۔ اور کہا کہ مجھ سے سخت نادانی ہوئی ہے میں حضور کے مرتبہ کو نہ پہچانتا تھا۔ میری توبہ اس

وقت ایک معز ز ہندو بھی اس جگہ بیٹھا تھا۔ اس نے مولانا مولوی رحیم اللہ صاحب لاہوری کو مرزا صاحب کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ "یہ شخص مجھ کو نا کام رہنے والا نہیں معلوم ہوتا۔ یہ دنیا کو جیت جائے گا۔" اور یہ بھی کہا "کہ مسیح کے تحمل اور برد باری کا حال میں نے کتابوں میں پڑھا تھا۔ مگر مرزا صاحب کا نمونہ اس سے کچھ کم نہیں ہے۔"

انہیں ایام میں ایک شخص دیوانہ وار گلی کوچوں میں پھرا کرتا تھا۔ اور اپنے آپ کو مہدی کہا کرتا تھا۔ حضرت اقدس مسجد سے نماز پڑھ کر تشریف لا رہے تھے جب مکان کے قریب پہنچے تو اس دیوانہ نے حضرت اقدس پر حملہ کیا اور حضرت اقدس کی دستار مبارک سر پر سے گر پڑی۔ حضرت اقدس کے ساتھ اس وقت سید فضیلت علی شاہ صاحب مرحوم انسپکٹر پولیس اور ان کے بھائی سید امیر علی شاہ صاحب ڈپٹی انسپکٹر پولیس اور کئی دوست تھے۔ جنہوں نے اس کی یہ حرکت دیکھ کر اس کو پکڑ لیا۔ اور چاہتے تھے کہ اس کو اس کی حرکت کی پاداش دیں۔ مگر حضرت اقدس نے ان کو منع کیا۔ اور فرمایا کہ "اس کو چھوڑ دو عاجز ہے۔" غرضیکہ ان ایام میں ہم کو حضرت اقدس کی پاک تعلیم اور ان کے اعلیٰ اخلاق اور تحمل اور برد باری کا نمونہ دیکھنے کا اتفاق ہوا۔ اور اس سے ہم کو فروتنی، اور غربت اور انکساری، تحمل و اخلاق فاضلہ کے حاصل کرنے کا دل میں غایت درجہ کا شوق پیدا ہو گیا۔ اور دن بدن ہماری روحانی حالت ترقی پکڑتی گئی۔ اور ہمارے دل خدا تعالےٰ کی طرف کھنچے گئے۔ اور ہم کو کلام الٰہی کے سننے اور پڑھنے سے ایک خاص قسم کا دلی لگاؤ اور عشق پیدا ہو گیا تھا۔ برادر عزیز مرحوم نے بچپن میں ایک دفعہ قرآن مجید پڑھا ہوا تھا۔ مگر موجودہ مدارس کی غفلت والی زندگی اور مروجہ تعلیم انگریزی وغیرہ میں ہمہ تن مصروفیت کے سبب اگلا پڑھا ہوا بھی بھول گیا تھا۔ اور اس خاکسار راقم نے تو سرے سے بچپن میں ایک بار بھی قرآن سے عبور نہ کیا تھا۔ مجھے تو تقریباً چار پانچ سال کی عمر سے ہی مدرسہ میں پڑھنے بٹھا دیا گیا تھا۔ اور شاید صرف پہلا پارہ ہی نصر گا

کسی ملّا سے والدین نے پڑھوایا تھا۔ حضرت صاحب کی بیعت کرنے کے بعد معاً قرآن مجید باترجمہ پڑھنے کا شوق پیدا ہوا۔ چنانچہ ہم دونوں بھائیوں نے ایک ایک نسخہ قرآن مجید کا بازار سے خریدا اور بڑے شوق سے پڑھنا شروع کیا۔ ہمارے محلہ کے قریب مولانا مولوی رحیم اللہ صاحب مرحوم رہتے تھے۔ جو ایک صوفی منش اور نہایت باخدا آدمی تھے اور قرآن مجید نہایت ہی سوز و گداز اور رقت سے پڑھا کرتے تھے۔ حضرت اقدس حجۃ اللہ المسیح الموعود سے ان کو ایک خاص مناسبت اور عشق تھا۔ چونکہ مولانا صاحب موصوف ہم دونوں بھائیوں کے استاد تھے اور اب قریباً چھ سات سال کا عرصہ ہوا ہے کہ وہ اس دار فانی سے انتقال کر گئے ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ مختصراً کچھ ان کا ذکر بھی اس سلسلہ میں درج کروں تاکہ آئندہ نسلوں کے لیے یادگار رہے۔ اور وہ بھی ان بزرگوں میں میں شمار کیے جائیں جو اول المومنین میں سے تھے۔ جب کہ حضرت اقدس مسیح موعود کے دعاوی کے متعلق ایک جہان کے ذہن تاریکی میں تھے۔ مولوی صاحب موصوف ان لوگوں میں سے ثابت ہوئے جن کے سینہ کو اللہ تعالےٰ نے ایک خاص روشنی بخشی ہوئی تھی۔ کہ انہوں نے اس زمانہ میں جب کہ دیگر مولویوں کے سینوں میں سے کفر کے فتوے جوش مار رہے تھے اس امام برحق اور مرسل اللہ پر ایمان لانے میں سبقت کی۔ مولوی صاحب مذکور اعلیٰ درجہ کے موحد تھے۔ وہ فرماتے تھے کہ اکثر فقرا اور سجادہ نشین لوگوں کی خدمت میں ان کو حاضر ہونے کا اتفاق ہوا۔ اور انہوں نے ان کو کسی نہ کسی شعبۂ شرک میں مبتلا دیکھا اور کسی کی بیعت کرنے کو ان کے استفتائے قلب نے شہادت نہ دی حتّٰی کہ مولوی صاحب موصوف نے جناب اخوند صاحب سوات بنیر کا شہرہ سنا۔ چنانچہ مولوی صاحب لاہور سے اتنا دُور دراز سفر کر کے سوات بنیر پہنچے۔ مولوی صاحب نے اکثر حصّہ سفر کا پاپیادہ طے کیا اور انہوں نے جناب اخوند صاحب کی ملاقات کا شرف حاصل کیا۔ اور بیعت کے لیے عرض کی۔ چنانچہ مولوی صاحب نے فرمایا کہ بیعت کے وقت اخوند صاحب موصوف نے

مولوی صاحب کو اپنی صورت ـــــ کا تصوّر دل میں رکھنے کی تلقین کی۔ مولوی صاحب اس وقت چشم پُرآب ہو گئے۔ اور فرمایا کہ میرا اتنا دور دراز کا سفر اختیار کرنا ہی رائیگاں گیا۔ افسوس کہ اخوند صاحب بھی شرک کی ہی تلقین کرتے ہیں اور وہاں سے واپس آ گئے۔

مولوی صاحب موصوف کو رویا میں اکثر انبیاء و صلحا کی زیارت ہؤا کرتی تھی۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو انھوں نے بارہا عالم رویا اور کشف میں دیکھا تھا۔ ہمارے مکرم و معظم بھائی میاں معراج الدین صاحب کے سکونتی مکان متصل وارڈ رکس کے سامنے کی مسجد میں مولوی صاحب امامت کرایا کرتے تھے۔ اور وہیں اکثر حصہ دن اور رات کا عبادت میں گزارا کرتے تھے۔ اس جگہ ان کو کئی بار عالم بیداری میں نماز پڑھاتے پڑھاتے کشف ہؤا اور حضرت عیسیٰؑ اور حضرت مریم و دیگر انبیاء کو عین بیداری میں دیکھا۔ حضرت اقدس حجۃ اللہ المسیح موعود کی صداقت ان پر نہایت عجیب اور بین الہام اور رویا اور کشوف سے واضح ہوئی تھی۔ چنانچہ وہ اپنا ایک رویا سنایا کرتے تھے کہ انھوں نے حضرت اقدس کے دعاوی پر استخارہ کیا۔ اور اللہ تعالےٰ سے فیصلہ کے لیے دُعا کی۔ تو انھوں نے خواب میں ایک ڈولہ (پالکی) آسمان سے اترتے ہوئے دیکھا اور ان کے دل میں یہ القا ہؤا کہ حضرت مسیح آسمان سے اتر آئے ہیں۔ جب انھوں نے اس پالکی کا پردہ اٹھا کر دیکھا تو اس کے اندر حضرت اقدس حجۃ اللہ المسیح الموعود مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کو پایا۔ چنانچہ پھر مولوی صاحب موصوف نے حضرت اقدس کی بیعت کر لی۔ مولوی صاحب نہایت ہی سادہ طبیعت، منکسر المزاج، کم گو، خلوت پسند، عاشق قرآن و حدیث تھے۔ ہم دونوں بھائیوں اور برادر عزیز سکندر بیگ سے جو ان دنوں میں بالکل چھوٹی عمر کا تھا، نہایت محبت کیا کرتے تھے۔ اور اکثر چشم پُرآب رہا کرتے تھے۔ یہ ہماری خوش قسمتی تھی کہ ہم کو قرآن مجید پڑھانے کے لیے ایسے نیک بخت معلم ملے۔ چنانچہ ہم دونوں بھائیوں نے ایک سال کے اندر اندر قرآن مجید باترجمہ پڑھ لیا۔

ان دنوں میں حضرت قبلہ گاہی مولانا مولوی حکیم نورالدین صاحب جموں میں ملازم تھے۔ اور ان کو اکثر لاہور تشریف لانے کا موقع ملتا تھا۔ مولوی صاحب موصوف کا قرآن کریم سے سچا اخلاص اور محبت اور عشق اور ان کا اعلیٰ درجہ کا روحانی اور اخلاقی نمونہ دیکھ کر ہم دونوں بھائیوں کو مولانا صاحب مذکور سے غایت درجہ کی محبت ہوگئی۔ مولوی صاحب کے اکثر لیکچر سننے کا اتفاق ہوتا تھا۔ اس کے علاوہ مولوی صاحب موصوف کے پاس تمام دن اور رات کے دس گیارہ بجے تک لوگوں کا ہجوم رہتا تھا۔ اور تمام دن لوگوں کو وعظ ونصیحت کرنے اور ان کے سوالات متعلقہ امور دین کے حل کرنے اور قرآن مجید کے معارف سمجھانے میں صرف ہوتا تھا ہم دونوں بھائی بھی اپنی تعلیم سے فارغ ہو کر اکثر وقت مولوی صاحب موصوف کی خدمت میں گذارتے تھے اور ہم دونوں بھائی رات کو مولوی صاحب کا وعظ قرآن وغیرہ سن کر اپنے مکان پر چلے جاتے۔ اور صبح کی نماز کے وقت سے بہت پہلے مولوی صاحب کے مکان پر آجاتے۔ اور ان کے ساتھ ہی صبح کی نماز پڑھا کرتے اور مولوی صاحب ہم سے اپنے بچوں کی طرح پیار اور محبت کرتے۔ اور اکثر دینی مسائل کی حقیقت ہم کو سمجھاتے۔ اور قرآن کریم کے عجائبات ہم کو سکھلاتے۔ سورہ فاتحہ کی عجیب وغریب تفسیر اور یہ کہ اس کو نماز میں کس طرح پڑھنا چاہیئے۔ اور کس طرح سے اس کو اپنے روحانی اور دنیوی مطالب اور مشکلات کے حل کے لیے خدا کی بارگاہ میں ایک ذریعہ بنانا چاہیئے۔ پہلے پہل ہم کو مولانا صاحب موصوف نے ہی سکھائی تھی۔ ہم اکثر محبت سے مولوی صاحب سے چمٹ جاتے۔ اور مولوی صاحب ہم کو اپنے سینے سے لگاتے اور ہمارے لیے بڑی رقت سوز اور محبت سے دعائیں کرتے ہم کو مولوی صاحب موصوف سے اپنے باپ کے برابر محبت ہوگئی۔ اور مولوی صاحب موصوف کو بھی ہم سے ایک دلی لگاؤ ہوگیا اور ہم کو ہمیشہ اپنا بچہ کہا کرتے بلکہ اب تک ہم کو اس بات کا فخر ہے کہ مولوی صاحب موصوف ہم کو اپنا فرزند سمجھتے ہیں۔ اور

اس طرح سے ہم سے محبت و شفقت پدرانہ رکھتے ہیں۔ قرآن مجید کے فہم میں ترقی، قرآن مجید سے محبت اور اسوہ حسنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت اور حضرت مسیح موعود سے محبت اور عشق میں سمجھتا ہوں کہ بہت حد تک حضرت قبلہ گاہی مولانا صاحب موصوف کی دعاؤں کا نتیجہ ہے جو کہ انہوں نے ہمارے حق میں اس وقت کیں جبکہ ہم نے اپنی صغرسنی کی حالت میں روحانی زندگی میں ابھی قدم ہی مارا تھا۔ اور انہوں نے اپنے نورِ قلب سے ہم کو حصہ دیا۔ اور اپنی معرفت اور علم کے دودھ سے ہماری پرورش کی۔ اللہ تعالےٰ مولوی صاحب موصوف کو دین و دنیا میں بامراد اور کامیاب کرے۔ اور ان کو لمبی زندگی عطا فرماوے تاکہ ان کے فیضِ صحبت اور محبت اور نیک نمونہ سے ساری احمدی قوم پورا فائدہ اٹھاوے اور ان کو اللہ تعالےٰ اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع میں مقامِ محمود تک پہنچا دے۔ آمین۔ مولوی صاحب موصوف سے اس خاکسار کو بھی تو غایت درجہ کی محبت تھی۔ مگر ایوب مرحوم کو مجھ سے کئی حصہ زیادہ مولانا صاحب سے محبت اور عشق تھا اور ایوب مرحوم کی جدائی کو خود مولوی صاحب نے بہت محسوس کیا۔

ایوب بیگ مرحوم اکثر قرآن مجید رقت سے پڑھا کرتا تھا۔ اور جب کبھی کوئی آیت اس قسم کی آتی جہاں کہ مومنین کا ذکر ہو تو نہایت عجز و انکسار سے دعا کرتا۔ کہ اللہ تعالےٰ مومنین جیسے اعمال کی توفیق دے اور اگر منافقین کفار اور مغضوب علیہم لوگوں کا ذکر آتا تو دعا کرتا کہ اللہ تعالےٰ ان میں سے نہ بناوے۔ اور دعا مانگتے مانگتے اکثر سجدہ میں گر جاتا۔ اور بعض اوقات آدھ گھنٹہ بلکہ اس سے زیادہ سجدہ میں گزار دیتا۔

قرآن مجید کے کل احکام پر نشان و نمبر حضرت اقدس حجۃ اللہ المسیح الموعود کے قرآن مجید سے (جو چھ سو سے کچھ زائد ہیں) مرحوم نے اپنے قرآن مجید پر لگائے ہوئے تھے عـہ اور قرآن مجید پڑھتے

عـہ خاکسار کے پاس اب بھی وہ قرآن مجید موجود ہے اور میرے قرآن مجید پر بھی ویسے ہی نشانات لگے ہوئے ہیں (منہ)

وقت مرحوم اکثر ان مقامات کو خصوصیت سے مدّنظر رکھتا۔ بلکہ بعض دفعہ کاغذ پر آیت لکھ کر اپنے رہنے کی جگہ کے سامنے لٹکا لیتا۔

ہر رمضان میں برادر مرحوم کم ازکم ایک بار ضرور قرآن مجید ختم کر لیتا۔ اور بیماری کے ایّام میں آں عزیز نے قرآن مجید حفظ کرنا شروع کر دیا تھا اور کچھ حصہ حفظ بھی کر لیا تھا۔

سنّت و حدیث برادر مرحوم کو حدیث کے مطالعہ کا بھی شوق تھا۔ اور یہی کوشش کرتا تھا کہ وہ ہر ایک سنت پر عمل کرے۔ حتیّٰ کہ کھانے پینے کی چیزوں میں بھی ان چیزوں کو بہت رغبت اور محبت سے کھاتا جن کو اسے معلوم تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم محبت سے کھایا کرتے تھے چنانچہ شہد اور سرکہ اکثر کھانے کے ساتھ کھایا کرتا تھا۔ اور لحم البقر سے بھی ایوب بیگ مرحوم کو بہت محبت تھی کہا کرتے تھے کہ حضرت اقدس نے فرمایا تھا کہ اس سے روحانی قوت بہت بڑھتی ہے

نماز مرحوم نماز کو ہمیشہ اوّل وقت میں ادا کرتا، اور نہایت لذت اور سرور کے ساتھ نماز پڑھتا۔ اور نماز میں بہت لمبی لمبی دعائیں مانگتا۔ اور اکثر گڑگڑاتا۔ اور نہایت خشیت اور خضوع کے ساتھ نماز پڑھتا۔ بعض اوقات نماز پڑھتے پڑھتے مرحوم کی چیخیں نکل جاتیں۔ رقت اور سوز وگداز میں مرحوم اپنی جماعت میں ایک نمونہ تھا۔ تہجد کی نماز اکثر مداومت کے ساتھ پڑھا کرتا تھا۔ اور رات کے وقت جب کہ اس کو سوائے خدا کے اور دیکھنے والا کوئی نہ ہوتا تھا۔ مرحوم دل کھول کر دعائیں مانگا کرتا تھا۔ اور بعض اوقات اس کی چیخوں کی آواز سے اس کی بیوی یا پاس کے سوئے ہوئے کی آنکھ کھل جاتی۔ اور مرحوم کو خداوند ذوالجلال کے سامنے سجدہ میں گرا ہوا پاتے تھے۔

حضرت اقدس حجۃ اللہ المسیح موعود سے اور اس الٰہی سلسلہ سے بیعت کے بعد روز افزوں محبت اور اخلاص میں ترقی ہوتی گئی۔ بیعت کے قریباً ایک سال بعد ہم دونوں بھائی پہلی دفعہ حضرت اقدس کی زیارت کے لیے قادیاں میں حاضر ہوئے۔ یعنی مارچ ۱۸۹۳ء میں۔ ان

دنوں مہمان خانہ، مدرسہ وغیرہ عمارات نہیں بنی تھیں۔ پریس کے لیے صرف ایک کمرہ تھا۔ مولانا مولوی حکیم نورالدین صاحب بھی ان ایام میں قادیان میں تشریف رکھتے تھے۔ اور مولوی عبدالکریم صاحب بھی کچھ عرصہ کے لیے تشریف لائے ہوئے تھے۔ مہمانوں کی کثرت جو آج کل ہے ان دنوں میں اس کا عشر عشیر بھی نظر نہ آتا تھا بس ہم دونوں بھائیوں اور مولوی صاحب کے علاوہ اور کوئی مہمان اس وقت موجود نہ تھا۔ حضرت صاحب کے سکونتی مکان کے شرقی جانب آئینہ کمالاتِ اسلام طبع ہو رہی تھی۔ حضرت اقدس اکثر حصہ وقت کا ہمارے پاس ہی ڈیوڑھی سے اوپر والے مکان میں گذارتے تھے۔ جس میں آج کل نواب محمد علی خاں صاحب رہتے ہیں۔ حضرت اقدس محبت اور کرم سے بلا تکلف اکثر ہم مہمانوں کے لیے کھانا بھی خود لے آیا کرتے تھے۔ ہمارے لیے یہ پہلا موقع تھا حضرت اقدس کی صحبت میں چند دنوں تک رہنے کا۔ اس دو تین دن کی صحبت سے ہم کو حضرت اقدس کے ساتھ محبت و اخلاص کا بہت وافر حصہ ملا۔ اور ایمان کو بڑی بھاری تقویت ہو گئی۔ بیعت کرنے کے بعد اس وقت تک ہم ہر دو برادران نے عام مخالفت کے خیال سے اپنے والد صاحب سے بیعت پوشیدہ رکھی ہوئی تھی۔ مگر اس دفعہ قادیاں جانے سے اس کو اتنی قوت ہو گئی کہ اس کا اظہار کرنا ہی ضروری سمجھا۔ چنانچہ برادرم مرحوم کی رضامندی سے خاکسار نے ایک مفصل[عل] خط اپنے والد صاحب کے نام لکھا۔ اور حضرت اقدس کی صحبت اور قادیان کے برکات کی نسبت ان کو لکھا۔ اور ان پر یہ ظاہر کیا کہ چونکہ ان کے ہم پر بے شمار احسانات ہیں اس لیے ہمارا بھی فرض

عل کسی وقت اس خط کا شائع کرنا انشاء اللہ خالی از لطف نہ ہوگا۔ اگر اللہ تعالےٰ نے مجھے تذکرہ یعقوب لکھنے کی ہمت دی تو انشاء اللہ اس میں طبع کرایا جائے گا۔

ہے کہ جہاں تک ہم سے ہو سکے ہم بھی ان کے ساتھ نیک سلوک کریں۔ اور احسان کریں۔ اس لئے یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ہم آپ کو دعوت دیں۔ حضرت امام زمان مسیح موعود کی بیعت کے لئے جن سے ہمارے سینوں کو روشنی پہنچی ہے۔ تاکہ آپ بھی اس سے منور ہوں اور فلاح دارین حاصل کریں۔ چنانچہ وہ عریضہ خاکسار نے حضرت اقدس کو سنایا اور حضرت اقدس بہت خوش ہوئے اور فرمایا کہ کاش ہمارے لڑکے ایسے ہوتے۔ اور بڑا لطف اور مہربانی ہم دونوں پر کی۔ غرض کہ اس خط کے بعد والد صاحب سے اس معاملہ کے متعلق خط و کتابت کا سلسلہ جاری ہو گیا۔ اور انہوں نے بھی اپنے تقویٰ اور طہارت باطنی کی تکمیل حضرت اقدس حجۃ اللہ المسیح الموعود کی بیعت سے کی۔ فالحمدللہ علیٰ ذالک۔

حضرت مسیح موعود کی کشش

اس دفعہ قادیان جانے کے بعد ہمارے دل میں حضرت اقدس کی محبت نے اپنے رشتہ داروں عزیزوں اور دنیا و دنیا کی سب چیزوں سے زیادہ اور بالاتر جگہ لے لی۔ اور ہم کو حضرت اقدس کی خدمت میں حاضر ہونے کے لئے ایک تڑپ لگ گئی۔ اور کوئی مہینہ خالی نہ جاتا تھا کہ ایک دو مرتبہ ہم دونوں بھائی حضرت اقدس کی زیارت سے مشرف نہ ہو آتے تھے۔ اور جب دو چار روز کی رخصتیں ہوتیں تو ضرور قادیان میں ہی گزارتے۔ اور موسم گرما کی تعطیلات جو قریباً اڑھائی تین ماہ کی ہر سال ہوتی تھیں، تو اکثر حصہ ان تعطیلات کا حضرت اقدس کی صحبت میں رہا کرتے تھے۔ اور حضرت قبلہ گاہی مولانا مولوی حکیم نور الدین صاحب کے درس قرآن میں شامل ہوا کرتے تھے۔ اور ایوب بیگ مرحوم نے اس طرح سے

قریباً سارا قرآن مجید بالتفسیر حضرت مولانا صاحب کے درس میں عبور کر لیا تھا۔ حضرت اقدس موسم گرما میں جب ڈیوڑھی کے باہر مسقف کوچہ میں آرام کرتے تو ہم دونوں بھائی اکثر حضرت اقدس کے پاؤں دباتے۔ اور ان کا بدن دابتے تھے۔ اور ہم کو جو کبھی نیند آجاتی، تو تو حضرت اقدس کی چارپائی پر ہی ان کے ساتھ سو جاتے۔ بارہا ایوب بیگ مرحوم اور خاکسار نے حضرت اقدس کی کمر کو بوسہ دیا۔ اور ایوب بیگ مرحوم کی اور خاکسار کی عادت تھی کہ جب حضرت اقدس کے وجود مبارک کو دباتے یا بوسہ دیتے تو بہت عجز و تضرع کے ساتھ اپنے نیک انجام اور دین و دنیا کی فلاح کے لئے دعائیں مانگتے تھے۔ چنانچہ وہ دعائیں مرحوم کے حق میں تو بوجہ احسن قبول ہوئیں (اور اس خاکسار کو ابھی اپنے انجام کی خبر نہیں۔ اللہ تعالےٰ اس خاکسار کو بھی صحابہ کا سا استقلال اور ایمان و خاتمہ بالخیر نصیب کرے۔ آمین)

کامل عشق و اخلاص

مرزا ایوب بیگ مرحوم حضرت اقدس کے پرانے کپڑے اکثر تبرکاً اپنے پاس رکھتے۔ اور یہ ان کا شیوہ تھا۔ کہ حضرت اقدس کے لئے نئی رومی ٹوپی لاتے۔ اور پرانی خود مانگ کر حضرت اقدس سے لے لیتے۔ حضرت اقدس جب کنگھی سر پہ پھیرتے ہیں تو بہت بال سر سے گرتے ہیں۔ ایوب بیگ مرحوم عاشق صادق ہونے کی وجہ سے حضرت اقدس کے بال بھی اکثر تبرکاً اپنے پاس رکھتے۔ ابھی تھوڑے دن کا عرصہ ہوا ہے۔ جب میں ایوب بیگ مرحوم کی

کتابیں اور کاغذ سوانح لکھنے کی غرض سے دیکھ رہا تھا تو ایک لفافہ میں حضرت اقدس کا بال نکلا۔ اے مرحوم تجھے خدا عزّ وجل رحمت کرے۔ تو کامل عشق اور اخلاص کا سچا نمونہ تھا۔

حضرت اقدس کی مجلس میں جب مرحوم ہوتا۔ تو اس سے زیادہ حضرت اقدس کے قریب کوئی دوسرا نہ ہوتا۔ یعنی وہ ہمیشہ حضرت اقدس کے پاس بیٹھتا۔ اور وہ اس بات سے کبھی باز نہ رہ سکتا کہ حضرت اقدس کے ہر وقت پاؤں۔ یا بازو۔ یا کمر وغیرہ دباتا رہے اور اس کی نظر کو حضرت اقدس کے مبارک چہرہ سے کوئی چیز نہیں پھیر سکتی تھی۔ مرحوم ہر وقت ٹکٹکی لگا کر حضرت اقدس کے چہرہ کی طرف دیکھتا رہتا تھا۔ اور منہ سے درود شریف اور استغفار پڑھتا رہتا تھا۔ اور اس کی آنکھوں سے آنسو جاری رہتے تھے۔ اور جب حضرت اقدس کوئی تقریر تقویٰ وطہارت یا تزکیہ نفس کے متعلق فرماتے۔ تو ساری جماعت میں مرحوم سب سے پہلا انسان ہوتا جس کا پیراہن آنسوؤں سے تر ہوتا تھا۔ اور اکثر اوقات ایسا ہوتا تھا کہ مرحوم حضرت کی کمر دباتا دباتا۔ حضرت اقدس کے شانہ پر سر رکھ کر تفرع اور ابتہال سے روتا رہتا۔ اور حضرت اقدس بھی کرم سے اس کو اسی حالت میں رہنے دیتے۔ اور کبھی مرحوم کی اس حرکت سے کشیدہ خاطر یا تنگ نہ ہوتے۔ اور مرحوم پر غایت درجہ کی مہربانی کرتے۔ اور مرحوم کو دبانے سے کبھی منع نہ فرماتے۔

حضرت کا پہرہ دار | پانچ چھ سال کا عرصہ ہوا ہے کہ ضلع گورداسپور میں ڈاکوؤں نے بہت وارداتیں شروع کر دیں۔ اور قادیان کے گرد و نواح میں بھی کئی ایک ڈاکے پڑے ان دنوں میں ایوب بیگ مرحوم سپاہیوں کی طرح رات کو حضرت اقدس کے مکان کے گرد پہرہ دیا کرتا تھا۔ اور اس پہرے میں ہمارے اور بھی محترم نوجوان بھائی مثلاً شیخ عبدالرحیم صاحب و شیخ عبدالرحمٰن صاحب بھی مستعدی سے شامل تھے۔ اس کے علاوہ اور بھی کئی ایک ضرورت کے موقعوں پر مرحوم نے حضرت اقدس کے مکان کی پاسبانی کی۔

مرحوم کا پہلا الہام | ایوب بیگ مرحوم قادیان میں اکثر حصہ وقت کا چھوٹی مسجد

میں گزارا کرتے تھے۔ اور مسجد میں اور مسجد کے محراب میں بڑے خشوع اور خضوع کے ساتھ نماز پڑھتے۔ اور اکثر نماز کے علاوہ نفل پڑھتے۔ اور رکوع اور سجود میں بڑی بڑی لمبی دعا مانگتے۔ مرحوم کو فوت ہونے سے قریباً چھ سال پہلے اسی چھوٹی مسجد میں جبکہ وہ نیم خواب تھا۔ الہام ہوا۔ اللہ ولی الذین آمنوا یخرجھم من الظلمات الی النور۔ میں اس وقت مرحوم کے پاس بیٹھا ہوا تھا۔ مرحوم نے مجھے بتایا۔ اور خدا کے فضل و بشارت پر سجدہ شکر بجالایا۔

اس الہام میں مرحوم کے کمالات باطنی کی طرف اشارہ تھا۔ اور اس میں اس کے حسن خاتمت کی نسبت ایک پیشگوئی تھی۔ اور اس میں اس بات کی طرف بھی اشارہ تھا کہ مرحوم اس دنیا کی آلائشوں اور کدورتوں اور ظلمات سے جلدی نجات پاکر، اللہ تعالیٰ کی رحمت اور غفران کے نوروں سے معمور ہوکر رب العالمین کے جوارِ رحمت میں داخل کیا جائے گا۔ چنانچہ ایسا ہی وقوع میں آیا کہ وہ مرحوم اپنی پچیس سالہ زندگی میں ہی اپنے روحانی کمال کو پہنچ گیا۔ اور اس نے اس جہان میں اللہ تعالیٰ کے انوار سے وافر حصہ حاصل کیا۔ اور پھر ہمیشہ کے لئے اس جسمانی غلاف کو پھاڑ کر الٰہی انوار و برکات میں داخل ہوگیا۔ غفر اللہ لہٗ۔

مرحوم اور قادیان کا سفر اکثر اوقات مرحوم صرف اتوار کے لئے قادیان کو چلا جاتا۔ اور ہفتہ کو رات کے دس گیارہ بجے بٹالہ سٹیشن پر ریل سے اُتر کر رات کو بٹالہ قیام نہ کرتا۔ بلکہ راتوں رات پیدل قادیان کو روانہ ہو جاتا۔ اور تمام دن قادیان میں حضرت اقدس کی خدمت میں رہ کر اگلی شام کو پیدل واپس آجاتا۔ اور کئی دفعہ لاہور سے ایک قافلہ قادیان کو روانہ ہوتا۔ تو بٹالہ سے آگے رستہ میں مرحوم کمزور اور ضعیف العمر احباب کا اسباب خود اٹھالیتا۔ اور اگر یکہ کرایہ پر کرتا اور دیکھتا کہ کوئی بھائی مفلس ہے۔ یا کمزور ہے تو خود یکہ پر سوار نہ ہوتا۔ بلکہ اپنے کمزور بھائی کو سوار کر دیتا۔ اور خود پیدل جاتا۔ اور میں نے یہ

بھی سنا ہے کہ مرحوم (چونکہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے قوی تھا) بعض اوقات تھکے ہوئے ضعیف العمر احباب کو رستہ میں اپنی کمر پر بھی اُٹھا لیتا تھا۔ اور بارش اور آندھی کوئی چیز مرحوم کو قادیان کے سفر سے روک نہ سکتی تھی۔ بہت دفعہ یہ اتفاق ہُوا کہ مرحوم بارش میں بالکل بھیگتا ہُوا قادیان پہنچا۔ اور چونکہ برسات میں اکثر اوقات قادیان ایک جزیرہ بن جاتی ہے۔ مرحوم کمر تک بلکہ اس سے بھی زیادہ پانی میں سے گزر کر قادیان پہنچتا مرحوم تمام رستہ قادیان تک درود شریف اور استغفار پڑھتا ہُوا جاتا۔ اور اسی طرح سے واپس آتا۔ جب قادیان دُور سے نظر پڑتی تو ٹھہر جاتا اور نہایت عجز و انکسار سے دعا مانگتا یعنی وہ دعا جو نیا شہر نظر پڑنے پر رسول کریم نے مانگنے کی ہدایت فرمائی ہے اور بہت دعا کرتا کہ اللہ تعالےٰ اپنے فضل اور انوار۔ اور برکات۔ اور روحانی فیوض۔ اور ایمان و عرفان کا ایک وافر حصّہ اپنی رحمت سے اس سفر میں عنایت فرما دے۔ اور ہر ایک طرح کی عہد شکنی اور ظلم اور عصیاں اور نافرمانی سے پناہ مانگتا۔

مفتی محمد صادق صاحب مرحوم اپنے کامل عشق اور محبت اور اخلاص کا آپ ہی نمونہ تھا جو کہ اس کو حضرت اقدس کے ساتھ تھی۔ آجکل موجودہ جماعت کے نوجوانوں میں مفتی محمد صادق صاحب کا عشق اور اخلاص بھی قابل رشک ہے۔ مگر مفتی صاحب موصوف اپنے کمال صدق سے فرمایا کرتے ہیں کہ انہوں نے حضرت اقدس کے ساتھ عشق اور محبت اور بار بار کی زیارت کے شوق کو ہم ہر دو برادران خاکساران کے عشق و محبت کو دیکھ کر حاصل کیا تھا۔

یہ میں نے صرف تحدیث بالنعمت کے طور پر عرض کی ہے۔ ایوب بیگ مرحوم تو واقعی ایک قابلِ رشک انجام کے ساتھ اس جہان سے رخصت ہُوا —— اور مفتی صاحب موصوف بھی صادق کا خطاب لے چکے ہیں۔ مگر یہ عاجز خاکسار ابھی تک بہت سی روحانی کمزوریاں اپنے اندر رکھتا ہے —۔ دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ بطفیل حضرت مسیح موعود

ان سب کو دُور کرے۔ اور اپنے افضال کا وافر ترین حصہ عطا فرماوے۔ آمین۔

رمضان میں سورج گرہن رمضان کے مہینہ میں چاند اور سورج کو گرہن لگنے کی پیش گوئی علاماتِ ظہور مہدی میں ہے۔ جیسے کہ دار قطنی وغیرہ حدیث کی کتب میں درج ہے۔ ۱۸۹۴ء میں پہلے چاند کو گرہن لگا۔ جب سورج کو گرہن لگنے کے دن قریب آئے۔ تو ہم دونوں بھائیوں نے ارادہ کیا کہ ہم قادیان میں اس وقت موجود ہوں۔ اور حضرت اقدس مسیح موعود کے ساتھ اس نشانِ عظیم کو دیکھیں۔ اور ان کے ساتھ ہی کسوف کی نماز پڑھیں۔ چنانچہ ہم ہر دو بھائی ہفتہ کی شام کو لاہور سے روانہ ہوئے۔ قریب گیارہ بجے رات کے بٹالہ پہنچے۔ اگلے روز علی الصبح گرہن لگنا تھا۔ جب ہم ریل سے اترے تو آسمان بادلوں سے محیط تھا۔ اور آندھی چل رہی تھی۔ اور اتنا اندھیرا تھا کہ ہاتھ پھیلایا ہوا نظر نہیں آتا تھا۔ ہم نے ارادہ کیا کہ چاہے کچھ ہو۔ راتوں رات قادیان پہنچنا ہے۔ چنانچہ ہم دونوں وہاں سے روانہ ہوئے اور ایک ہمارا ہموطن دوست مولوی عبد العلی مرحوم بھی ہمارے ساتھ تھا رستہ بالکل دکھائی نہ دیتا تھا۔ بادل گرجتے تھے۔ بجلی چمکتی تھی۔ اور وہی ہماری رہبر تھی۔ یعنی جس وقت بجلی چمکتی تھی ہم کو رستہ دکھائی دیتا تھا۔

ایک عجیب واقعہ الغرض جب ہم روانہ ہوئے تو ہوا ہمارے مخالف تھی۔ اور مٹی آنکھوں میں پڑتی تھی۔ اور قدم اچھی طرح سے نہیں اٹھتا تھا۔ ہم نے کہا کہ یہاں کھڑے ہو کر دعا مانگیں۔ چنانچہ ہم تینوں رستہ میں کھڑے ہو گئے۔ اور ہم نے نہایت عاجزی اور تضرع کے ساتھ دعا مانگی۔ کہ اے اللہ جو تو آسمان اور زمین کا قادر مطلق خداوند ہے۔ ہم عاجز تیرے بندے ہیں۔ تیرے مسیح کی زیارت کے لئے جاتے ہیں۔ اور ہم پیدل ہیں۔ سردی کا موسم ہے۔ تو ہی ہم پر رحم کر۔ ہمارے لئے رستہ آسان کر دے۔ اور اس بادِ مخالف کو تو دور کر۔ میں اللہ تعالیٰ کی قسم کھا کر کہتا ہوں جس کے ہاتھ میں میری جان ہے۔ کہ ابھی آخری لفظ اس دعا کا ہمارے منہ میں تھا۔

کہ فوراً ہوا کا رُخ بدل گیا۔ اور جیسے کہ ہوا ہمارے سامنے سے آتی تھی۔ اس کا رُخ ہماری پشت کی طرف ہو گیا۔ اور وہ ہم کو دھکیلنے لگی۔ اور یہ خدا کا خاص فضل تھا۔ اور حضرت مسیح موعود کی برکت تھی۔ کہ اب اگر ہم ایک قدم اُٹھاتے تھے تو دو اُٹھتے تھے۔ اور اس آندھی میں ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا کہ ہم ہوا میں اُڑے جاتے ہیں۔ ابھی ہم کو سٹیشن بٹالہ سے روانہ ہوئے بہت دیر نہ گذری تھی کہ ہم نہر کے پاس پہنچ گئے۔ اس جگہ تھوڑی سی بوندا باندی شروع ہوئی۔ نہر کے پاس کوٹھی کے متصل ایک کوٹھا ہے۔ اس میں ہم داخل ہو گئے ان ایام میں ڈاکو گورداسپور کے ضلع کی اکثر سڑکوں پر وارداتیں کیا کرتے تھے۔ ہمارے پاس دیا سلائی تھی۔ ہم نے جلا کر مکان کو دیکھا تو خالی تھا۔ اور اس میں دو اوپلے اور ایک موٹی اینٹ پڑی ہوئی تھی۔ ہم نے یہ صلاح کی کہ ہم ذرا آرام کریں۔ ہم تینوں نے ان ہر دو اوپلوں اور اینٹ میں سے ایک ایک اپنے سرہانے رکھ لی۔ اور ہم زمین پر سو گئے۔ کچھ عرصہ کے بعد میری جاگ کھلی تو بدن بالکل ہلکا معلوم ہوتا تھا۔ تکان سب دور ہو گئی اور وہ فرشِ خاک پر سونا ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا کہ ہم استبرق کے فرش پر سوئے تھے۔ جب میں اس کوٹھے سے باہر نکلا۔ تو آسمان بالکل صاف تھا اور ستارے نکلے ہوئے تھے۔ بادل اور آندھی کا نام و نشان نہ تھا۔ پھر میں نے مرحوم ایوب اور دوسرے ساتھی کو جگایا۔ اور ہم قادیان کو روانہ ہوئے۔ سحری کے وقت ہم دارالامان میں پہنچ گئے۔ اور سحری حضرت کے دستر خوان پر کھائی۔ اور صبح کو حضرت اقدس کے ساتھ کسوف کی نماز پڑھی۔ مولانا مولوی محمد احسن صاحب امروہوی نے یہ نماز پڑھائی تھی۔ اور قریب تین گھنٹہ کے یہ نماز اور حضرت مسیح موعود کی دعا جاری رہی۔ چھوٹی مسجد کی چھت پر نماز پڑھی گئی تھی۔

اس کسوف کے متعلق مجھے ایک عجیب لطیفہ یاد آیا ہے۔ کئی دوستوں نے شیشہ پر سیاہی لگائی ہوئی تھی۔ جس میں سے کہ وہ آفتاب کی طرف گرہن کے آثار دیکھنے میں

مشغول تھے۔ ابھی خفیف سی سیاہی سورج پر شروع ہوئی تھی کہ حضرت اقدس کو کسی نے کہا کہ سورج گرہن لگ گیا ہے۔ حضرت اقدس نے اس شیشہ میں سے نگاہ کی، تو نہایت خفیف سی سیاہی معلوم ہوئی۔ حضرت نے بہت افسوس کیا کہ اس گرہن کو ہم نے تو دیکھ لیا۔ مگر یہ ایسا چھوٹا ہے کہ عوام کی نظر سے چوک جائے گا۔ اور اس طرح سے ایک عظیم الشان نشان اور پیش گوئی شبہ میں پڑ جائے گی۔ حضرت نے کئی بار اس کا اپنے رجمانہ طریق سے ذکر فرمایا۔ اس پر ابھی تھوڑی سی دیر گزری تھی کہ سیاہی بڑھنی شروع ہوئی حتیٰ کہ آفتاب کا زیادہ حصہ تاریک ہوگیا۔ اس پر آپ نے فرمایا کہ ہم نے آج صبح خواب میں پیاز دیکھا تھا۔ اور اس کی تعبیر یہی ہوتی ہے کہ تھوڑا سا غم پہنچے۔ سو شروع میں سیاہی کے عرصہ تک خفیف رہنے سے ظہور میں آیا۔

مرحوم کا سلوک اپنے احباب و دینی بھائیوں سے

مرحوم ایک زندہ مثال تھا، ایسے شخص کی جو حدیث کے مطابق اپنے بھائی کے لئے وہی چیز پسند کرتا ہے جو اپنے لئے وہ پسند کرے۔ اور کبھی اپنے بھائی سے ایسا سلوک روا نہ رکھتا، جو اس کو اپنے لئے ناگوار ہو۔ وہ ہمیشہ اس جستجو میں رہتا تھا کہ اس کو کوئی ایسی خدمت میسر آوے۔ اور کوئی ایسا موقع ہو جس سے وہ کسی بھائی یا دوست کا کوئی کام سنوار کر کر سکے۔ اور اس کی خوشنودی اور دُعا لے سکے۔

مرحوم جن ایام میں چیف کالج میں پڑھایا کرتا تھا۔ قریباً ہر شام کو یا جس دن قانون کی جماعت کا لیکچر ہوتا۔ لاہور آتا۔ مگر کبھی واپس نہ ہوتا جب تک کہ قریباً ہر ایک بھائی کو اس کے مکان پر جا کر نہ ملتا۔ مرحوم ہر ہفتہ التزام کے ساتھ ہفتہ وار جلسہ احمدیہ میں شامل ہوتا۔ اور اگر کوئی بیمار ہوتا تو اس کی بیمار پُرسی ضرور کرتا۔ اور اس کو قریباً ہر روز دیکھنے جاتا۔ ایک دفعہ مفتی محمد صادق صاحب سخت بیمار ہو گئے۔ مرحوم کئی روز تک مفتی صاحب کی خدمت کے لئے ان کے مکان میں رہا اور رات دن ان کی خدمت

کرتا رہا۔ یہاں تک کہ ان کا بول و براز اٹھانے میں بھی دریغ نہ کرتا۔ مفتی صاحب آج تک بھی مرحوم کی اس الفت اور اخلاص اور برادرانہ سلوک کا اکثر محبت سے بھرے ہوئے دل کے ساتھ اور نہایت شکریہ کے ساتھ ذکر کیا کرتے ہیں۔

مرحوم کو اپنی جماعت کے احباب سے جن سے کہ اس کو اکثر واسطہ پڑتا تھا۔ اس قدر محبت تھی کہ ہر ایک یہ خیال کرتا تھا کہ مجھ سے زیادہ اس کا کوئی اور عزیز نہیں ہے اور اب تک کثیر اصحاب جب مرحوم کا ذکر کرتے ہیں۔ تو چشم پُرآب ہو جاتے ہیں۔

اگر کوئی بھائی باہر سے اتفاقیہ لاہور آتا یا سفر سے واپس ہوتا۔ اور مرحوم کو خبر ہو جاتی۔ تو بلا توقف اس کی ملاقات کو جاتا۔ ہمارے مخلص دوست بابو عطا محمد خاں صاحب کا خط مرحوم کی محبت اور اخلاص اور دلربا سلوک کی نسبت پڑھنے کے لائق ہے۔ جو کہ انہوں نے مجھے تعزیت میں لکھا اور مرحوم سے اپنی اس چند منٹ کی ملاقات کا ذکر کیا ہے۔ جب مرحوم ان کو میانمیر کے ریلوے سٹیشن پہ ملنے کو گیا۔ وہ اس کتاب کے دوسرے مقام پہ مندرج ہے۔

مرحوم کے ہم جماعت

مرحوم اپنی جماعت کے سب طلبا سے محبت اور خلق سے پیش آتا۔ اور ان کے ساتھ دلی ہمدردی رکھتا۔ مرحوم جماعت کے ہر ایک طالب علم سے بلا لحاظ مذہب و قومیت کے نیک سلوک کرنا۔ اپنا دینی فرض سمجھا کرتا تھا۔ اور جو اس کے سب سے زیادہ رفیق دوست اور فرینڈ ہوتے۔ ان کے ساتھ مختلف مضامین پہ اکثر مباحث کا سلسلہ جاری رکھتا۔ اور بالخصوص دینی مباحث کا مرحوم کو بڑا شوق تھا ——————— کالج میں

لہ غالباً یہ ڈاکٹر سر محمد اقبال کے بڑے بھائی ہیں جو اوورسیر تھے۔ اور اب تک زندہ ہیں اور چند روز ہوئے کہ ڈاکٹر صاحب کے مکان پر ان کی ملاقات ہوئی۔ منہ۔

مرحوم عبدالرشید[1] چشتی بی اے۔ مرزا اعجاز حسین بی اے۔ شیخ عبدالعزیز بی۔اے
ساکن گوجرانوالہ، و شیخ عبدالعزیز ایم۔ اے وغیرہ احباب مرحوم کے دوست تھے۔
وہ مرحوم کو اس کے مذہبی جوش اور اخلاص کی وجہ سے "مجاہد" کے نام سے پکارا
کرتے تھے۔ وہ اپنے ان سب دوستوں سے اتنا پیار کیا کرتا تھا۔ کہ وہ آج تک
مرحوم کو نہایت حسرت اور سوز سے یاد کرتے ہیں۔ خصوصاً شیخ عبدالعزیز منہاس
گوجرانوالہ کو میں دیکھتا ہوں کہ وہ اپنا محبت اور عشق مرحوم کے ساتھ بہت زیادہ رکھتے
ہیں۔ اور ان کو ابھی تک یہ برداشت ہی نہیں کہ مرحوم کا تذکرہ اپنی زبان سے
کرسکیں۔ کیونکہ وہ بہت رقیق القلب ہیں۔

مرحوم کے ایک دوست اور ہم جماعت لالہ پردمن[2] داس بی اے بھی ہیں۔
مرحوم کے ساتھ یہ سکول کی جماعت سے کالج کے آخری ایام تک تعلیم پاتے رہے۔ مرحوم
کو لالہ صاحب موصوف کے ساتھ ایک خاص محبت تھی اور مجھ کو اچھی طرح علم ہے کہ مرحوم

---

[1] عبدالرشید صاحب چشتی مرحوم سے تھوڑا عرصہ بعد فوت ہو گئے۔ نہایت ہی صالح
اور نیک بخت انسان تھے۔ مرزا اعجاز حسین صاحب نے ان کی سیرت "حیات رشید"
کے نام سے لکھی۔ خود مرزا صاحب بعد میں وکیل ہو کر انبالہ میں پریکٹس کرتے رہے تھوڑا عرصہ
ہوا کہ فوت ہو گئے۔ مولوی عبدالعزیز صاحب منہاس ساکن گوجرانوالہ اب تک اللہ کے فضل
سے زندہ ہیں۔ وکالت کرتے ہیں۔ بہت ہی ذی علم اور علم دوست ہیں۔ ہم سے اسی طرح
سے اخلاص اور محبت اب تک رکھتے ہیں۔ اللہ تعالےٰ ان کو سلامت رکھے۔ آمین۔ منہ۔

[2] لالہ پردمن داس بعد میں وکیل ہوئے۔ قریباً ایک سال ہوا کہ وہ فوت ہو گئے
ان کا مرحوم کے ساتھ برادرانہ سلوک تھا۔ بلکہ خاکسار کو بھی ہمیشہ بھائی کہتے تھے۔ اور جب
مرحوم کا ذکر کرتے تو ان کی آنکھوں میں آنسو آجاتے تھے۔

ان کو اپنے اور دوستوں کے ساتھ ہمیشہ اپنی نیم شبانہ دعاؤں میں یاد کیا کرتا تھا۔ لالہ صاحب موصوف کو بھی مرحوم کے اخلاص کے سبب مرحوم سے بہت محبت تھی ان کو مرحوم کی وفات کا علم مدت کے بعد ہوا۔ جب ان کو علم ہوا تو انہوں نے مجھے ایک پر اخلاص خط تعزیت کا بھیجا۔ جس میں انہوں نے یہ لکھا تھا کہ مرحوم کی وفات کی خبر سن کر ان کی آنکھوں میں اندھیرا چھا گیا۔ اور تمام جہان ان کے لئے اس وقت تاریک ہو گیا۔

مرحوم کی معاشرت | مرحوم اپنی بیوی کے ساتھ غایت درجہ کا نیک سلوک کیا کرتا تھا۔ اور اس کے ساتھ اس کو بہت محبت تھی۔ مرحوم کی بیوی اکثر بیمار رہتی تھی۔ اور بعض اوقات بیمار کی طبیعت چڑ چڑی ہو جاتی ہے۔ مگر مرحوم اس سے کبھی برافروختہ نہ ہوتا۔ ہر ایک بات اس کو نہایت نرمی اور شیریں کلامی سے سمجھا دیتا۔ مرحوم اپنی عمر کا قریباً تمام حصہ سوائے ایک سال کے جب میں فاضلکا میں تبدیل ہو گیا تھا۔ میرے ساتھ رہا۔ مجھے یاد نہیں کہ میں نے کبھی آں عزیز کو اپنی بیوی پر سخت آواز نکالتے یا خفا ہوتے ہوئے دیکھا ہو۔ مرحوم اپنی بیوی کو کھانے پینے اور پہننے میں آسودہ رکھتا تھا۔ اور دیگر ہر ایک قسم کی آسائش کا خیال رکھتا تھا۔ اور اگر بیوی بیمار ہو جاتی تو اس کی خبر گیری اور خدمت کو اپنے لئے فرض سمجھتا۔ بلکہ اگر رات کو بھی جاگنا پڑتا (جیسے کہ چیفس کالج میں والدین سے علیحدگی کی حالت میں اتفاق ہوا) تو فرق نہ کرتا۔

مرحوم کی بیوی | مرحوم کی بیوی کے والد مرزا شمشیر بیگ صاحب جو ہمارے ماموں بھی تھے ایک نیک بخت اور صالح آدمی تھے۔ اور علم دین کا ان کو بہت شوق تھا۔ کلانور کے موحدین کے گروہ میں وہ سرکردہ تھے۔ انہوں نے اپنی دونوں لڑکیوں کو قرآن مجید باترجمہ پڑھایا تھا اور دینیات کی کتابیں بھی پڑھائی تھیں۔ بڑی لڑکی تو میرے بڑے بھائی مرزا اکبر بیگ ڈپٹی انسپکٹر پولیس کے نکاح میں تھی۔ جو کہ اس

جہان سے نیک خاتمہ کے ساتھ رخصت ہوگئی ہے۔ اِنّا لِلّٰہِ وَاِنّا اِلَیہِ راجِعُون۔
مرزا اکبر بیگ صاحب بھی چند سال ہوئے کہ فوت ہوگئے۔ ان کا لڑکا مرزا مبارک
بیگ ایک صالح نوجوان ہے۔ اور جماعت قادیان سے تعلق رکھتا ہے
چھوٹی لڑکی (فاطمہ) مرحوم کے نکاح میں تھی۔ مرحوم نے اس کی تعلیم میں بہت
کوشش کی۔ اس کو حدیث کی کتابیں اور دیگر دینیات کی کتابیں پڑھائیں۔ اور اس کو
بچوں کی تربیت اور تعلیم کے متعلق اور دیگر امور خانہ داری کے متعلق کتابیں پڑھائیں۔
اور کتاب دایہ ہند بھی اس کو پڑھائی۔ غرضیکہ مرحوم نے اس کو نیک اور متقیہ بنانے
کے لئے دو امور کو مدنظر رکھا۔ اوّل یہ کہ اس کو علم دین سکھایا۔ اور دوسرے
خود اس پر عمل کر کے اپنا پاک اور بے لوث اور مطہر نمونہ دکھایا۔ اس کا یہ اثر ہوا کہ
مرحوم کی بیوی کو اللہ تعالے نے خدا سے ڈرنے والی۔ اور خدا کے احکام پر عمل
کرنے والی۔ اور اپنے خاوند کی فرمانبردار۔ اور سچی جانثار بنایا۔ اور اس کو شرک
اور شرک کے ہر ایک شعبہ سے بکلی پرہیز اور نفرت ہوگئی۔ اگرچہ ہمارے ملک کی اکثر
عورتیں توحید کو نہیں سمجھتیں۔ تعویذ۔ جادو۔ گنڈا۔ قبر پرستی وغیرہ شرک کے اقسام میں
پھنسی ہوئی ہیں۔ مگر اللہ تعالے نے اس کی طبیعت میں ان سب باتوں سے نفرت ڈال دی۔
اصل بات یہ ہے کہ عورت اور بیوی کے تعلقات کا چونکہ ایک ایسا نازک
رشتہ ہے۔ جس کو کوئی دوسرا انسان کبھی بھی کما حقہ نہیں سمجھ سکتا۔ اس
لئے میں نے اس خیال سے کہ میں نے ان میاں بیوی کے تعلقات معاشرت کے
متعلق شاید ٹھیک اندازہ نہ لگایا ہو۔ چندماہ ہوئے مرحوم کی بیوی کو خط لکھا کہ وہ خود
مجھے مرحوم کے اپنے ساتھ سلوک اور برتاؤ کے متعلق لکھے تاکہ میں اسے سیرت میں
درج کروں۔ اس لئے میں ذیل میں مرحوم کی بیوی کے خط کو جو میاں بیوی کے سچے اور پاکیزہ
تعلقات کا ایک نمونہ ہے۔ درج کرتا ہوں۔ یہ اس غرض سے ہے کہ ہمارے ملک میں

عورتوں کے حقوق عام طور پر کما حقہٗ ادا نہیں کئے جاتے۔ اور ان کے حقوق مردوں کے حقوق سے کم سمجھے جاتے ہیں۔ حالانکہ اللہ تعالےٰ نے دونوں کے حقوق یکساں رکھے ہیں۔ جیسے کہ فرمایا:۔ ولھن مثل الذی علیھن۔
(سورۃ بقر سپارہ ۲)

پاکیزگی اور طہارت کا ثبوت کسی شخص کی پاکیزگی اور طہارت حقیقی طور پر کبھی نہیں مانی جا سکتی۔ جب تک کہ اس کے گھر والے اور اس کے دن رات کے پاس رہنے والے۔ اور محرم از دوست اس کی تصدیق نہ کریں۔ بالخصوص بیوی سے بڑھ کر اور کوئی شخص میاں کا محرم راز نہیں ہو سکتا۔ عورتوں کی فطرت میں اس قسم کا جستجو اور پڑچول کا مادہ لگا ہوا ہوتا ہے کہ وہ ذراسی بات سے تاڑ جاتی ہیں کہ میاں کی حالت اب دگرگوں ہونے لگی ہے۔ اور اگر میاں کی حالت سدھرنے لگے تو سب سے پہلے ان کو خبر ہوتی ہے۔ اس لئے جس شخص کی سعید الفطرت بیوی اسکی شاکی ہو۔ اور اس کے والدین اس کے شاکی ہوں۔ اور اس کے خیر خواہ اور نیک چلن دوست اس کے شاکی ہوں تو ضرور ہے کہ اس کے چال چلن اور معاملات میں نقص ہو۔ اور اس کا حال صراط مستقیم پر نہ ہو۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوہ حسنہ ہمارے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جب سب سے پہلے وحی ہوئی۔ اور آپ جو اس کیفیت سے واقف نہ تھے۔ ڈر گئے اور دیکھا کہ تمام دنیا اس وعظ کی مخالفت کرے گی تو آپ نے اپنی بیوی خدیجہ کو فرمایا کہ مجھے اپنی جان پر خوف بن گیا ہے۔ وہ نیک بیوی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے رات دن کے حالات سے واقف تھی۔ اس نے اپنے خاوند کو خوب تسلی اور تشفی دی۔ اور اللہ تعالےٰ پر اپنے کامل ایمان کا ثبوت دیا اور اس بات کا بھی ثبوت دیا کہ وہ اپنے خاوند کو کس قدر اپنے لئے رحمت اور برکت کا موجب سمجھتی تھی۔ حضرت خدیجہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جواب میں فرمایا کہ فواللہ لا یخزیک اللہ ابداً۔ انک لتصل الرحم وتصدق فی الحدیث وتحمل الکل وتکسب المعدوم وتقری الضیف وتعین علی نوائب الحق
(بخاری تفسیر سورہ اقرا)

(ترجمہ) خدا کی قسم کبھی تجھے اللہ ذلیل نہ کریگا۔ تو بے شک صلہ رحمی کرتا اور سچ بولتا ہے اور دُکھ والے کا دکھ برداشت کرتا ہے۔ اور مفلس کو دیتا اور مہمان نوازی کرتا ہے۔ اور بھلے کاموں میں وقتاً فوقتاً مدد دیتا ہے۔" حضرت خدیجہ کی اس تقریر سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی ہوگئی اس سے رسول اللہ کی پاکیزگی نفس اور طہارت باطنی کا عجیب ثبوت ملتا ہے کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واقعی ان صفات کے نہ ہوتے تو آپ کو خدیجہ کا یہ بیان اس وقت ہرگز تسلی نہ دے سکتا تھا۔

حضرت خدیجہ کی عمر اس وقت پچپن سال کی تھی۔ اور پندرہ سال سے رسول اللہ کے نکاح میں تھیں۔ ان کی ایسی حالت میں یہ گواہی جب کہ رسول اللہ غمگین تھے۔ نہایت قابل وقعت ہے اور خدیجہ رسول اللہ کی ہم قوم اور ہم شہر ہونے کی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کل ابتدائی حالات سے بھی واقف تھیں۔ خدا کرے کہ ہم سب کا اپنی بیویوں کے ساتھ ایسا ہی نیک سلوک ہو۔ اور اللہ تعالےٰ کے ساتھ ایسا ہی پیوند ہو کہ ہماری بیبیاں بھی ہماری صداقت اور دیانت اور ایمانداری اور تقویٰ پر ایسے ہی ایمان رکھیں جیسے کہ خدیجہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر رکھا۔ اور اللہ تعالےٰ کا بھی فضل ہمارے ساتھ ایسا ہی ہو۔ جیسے کہ ہمارے مرشد و مولا اور امام رسول اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا۔ اور وہ خداوند کریم ہمارا خاتمہ بھی نیک کرے۔ آمین۔

ہماری مستورات | ہمارے ملک میں مردوں کی جو حالت ہے سو ہے۔ عورتوں کی حالت بھی بہت کچھ قابلِ اصلاح ہے۔ بہت سی ان میں نیک بخت ہیں اور اللہ تعالےٰ اور اس کے رسول اور اپنے خاوندوں کی سچی تابعدار ہیں۔ مگر بہت سی ایسی ہیں کہ جو ادنےٰ ادنےٰ سی بات پر اپنے خاوندوں سے بگڑ بیٹھتی ہیں۔ اور خدا تعالےٰ کے احکام کی پرواہ نہیں کرتیں۔ اور اس کی نعمتوں کی قدر نہیں کرتیں۔ اور شرک میں طرح طرح سے گرفتار ہیں۔ اور اپنی اولاد کی تربیت کا چنداں خیال نہیں رکھتیں۔ اللہ تعالےٰ ان کو بھی توفیق دے کہ وہ خدا تعالےٰ کی سچی

فرمانبردار بن جائیں۔ اور اپنے خاوندوں کی بھی سچی رفیق ہوں اور اپنے سب حقوق اور فرائض کا خیال رکھیں اور خدیجہ کے نمونہ کی پیروی کریں۔ آمین

اس میں بہت کچھ مردوں کا قصور رہے کہ اپنی عورتوں اور لڑکیوں کو اور دیگر رشتہ داران کو دین نہیں سکھلاتے۔ اور ان کی اخلاقی اور روحانی اصلاح کے لئے کوشش نہیں کرتے۔ اور وہ بالکل دین سے بے خبر رہتی ہیں۔ اس موقع پر مجھے ایک لطیفہ یاد آیا ہے۔ جو حضرت اقدس نے کئی دفعہ مثال کے طور پر بیان فرمایا ہے۔ ایک عورت[1] نے مرتے وقت اپنے خاوند سے لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کے معنی پوچھے۔ جب اس نے معنی بتائے۔ تو کہنے لگی کہ "ہے ہے میں ساری عمر ہی پرائے مرد کا نام لیتی رہی ہوں۔"

اگر عورتوں کو قرآن اچھی طرح پڑھایا جاوے۔ سب احکام سے ان کو مطلع کیا جاوے اور دوسرے مسائل سے ان کو آگاہ کیا جاوے۔ تو عام طور پر عورتیں بہت جلد نیکی اختیار کرتی ہیں اور حق کو قبول کرنے کے لئے بہت جلد تیار ہو جاتی ہیں اور جن جن لوگوں نے خدا تعالیٰ کے حکم کے مطابق جیسے کہ فرمایا ہے قوا انفسکم و اھلیکم نارا ۔ یعنی اپنے آپ اور اپنے گھر والوں کو آگ سے بچاؤ (دوزخ کی آگ۔ اور نا اتفاقی اور بے امنی کی آگ) اپنی مستورات کو دین سکھانے میں کوشش کرتے ہیں۔ وہ اس جہاں میں بھی سکھ میں رہتے ہیں۔ ان کا گھر بھی ایک جنت کا نمونہ ہوتا ہے۔ اور آخرت میں بھی ان کو جنت ملنی ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا احسان ہے کہ مرحوم کو بھی خدا نے دو جنت دئے۔ ایک اس جہاں میں اور ایک اگلے جہان میں اور میں بھی اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہوں کہ اس نے مجھے بھی اس جہاں میں ایک جنت نصیب کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس جنت میں اور بھی برکت دے۔ اور اگلے جہاں میں بھی اپنی برکتوں سے حصہ دے۔ میرے بہت سے ایسے دوست ہیں اور حضرت امام زمان ہیں کہ جن کے لئے اللہ تعالیٰ

---

[1] یہ ایک واقعہ ہے جس کا حضرت اقدس کو خود علم ہے۔ اسکے خاوند کا مجھے نام یاد نہیں رہا۔

نے دو ہی جنت رکھے ہیں۔ جیسے کہ اللہ تعالےٰ نے مومنین کے ساتھ وعدہ کیا ہے۔ اور جس شخص کو کسی نہ کسی رنگ میں اس جہان میں ہی ایک جنت نصیب نہیں ہوتا۔ اس کو سمجھنا چاہیئے کہ اس کا ایمان ابھی معرضِ خطر میں ہی ہے۔ اللہ تعالےٰ مجھے اور میرے کل دوستوں اور احباب اور رشتہ داران اور کل مومنین کو ان خطرات سے نجات دے۔ اور اپنے فضل سے ہر دو جہانوں میں جنت سے حصہ دے۔ آمین۔

اب میں مرحوم کی بیوی کے خط کا ضروری حصہ درج کرتا ہوں۔ شاید ہے کہ اس سے ہی کوئی نیک دل مرد یا نیک دل عورت باہمی معاشرت کے لیے ایک سبق حاصل کرے (آمین)

مرحوم کی بیوی کا خط

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

اخواں صاحب سلمہ اللہ تعالےٰ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ نے تحریر فرمایا ہے کہ والدِ عصمت[1] کے حالات معاشرت سے جناب کو اطلاع دوں۔ سو میں مختصراً عرض کرتی ہوں۔

جناب سرتاجِ من کا دنیا سے گزر جانا میرے لئے نہایت درجہ کی مصیبت اور حسرت کا زمانہ ہے۔ کیونکہ ابھی تک میری اس دنیا فانی میں ہی زندگی ہے اور میرے خاوند۔ پاک روح۔ فرشتہ سیرت۔ جو اولیاء انبیاء کی صفات اپنے اندر رکھتا تھا۔ ان کا دنیا سے گزر جانا اور عاجزہ کے سر پر سے سایہ اٹھ جانا نہایت

---

(۱) عصمت مرحوم کی ایک ہی بیٹی تھی۔ نہایت ہی سعید الفطرت اور پیاری بچی تھی۔ تین چار سال کی عمر پاکر جہلم میں فوت ہوئی۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ اگرچہ مرحوم کی کوئی اولاد پیچھے نہ رہی۔ میری اولاد اور اُنکے دوستوں کی اولاد اور جماعت کے نوجوان اس مرحوم کے بمنزلہ اولاد ہیں اللہ تعالیٰ ان سب کو اور عامۃ المسلمین کو ایسے صالح نوجوان کے نمونہ کی اتباع کی توفیق دے۔ آمین

درجہ میری بدنصیبی اور بدقسمتی ہے۔ رات دن رونے میں اور بے چینی میں وقت گذرتا ہے۔ چونکہ میرے خیال میں کسی کا خاوند ایسا نہیں ہوگا۔ جو ہمیشہ کے لئے یہی کوشش کرے کہ میری بیوی خوش رہے۔ ہرگز نہیں۔ میں خاص اللہ صاحب کی قسم کھا کر عرض کرتی ہوں۔ کہ وہ ہمیشہ کے لئے یہی کوشش کرتے تھے جس میں یہ عاجزہ خوش رہے۔ اور اپنی جان کو تکلیف دیتے تھے۔ اور مجھے کسی قسم کی تکلیف نہ ہونے دیتے تھے۔ اور نہ ان کا دل برداشت کرتا تھا۔ کہ مجھے کوئی تکلیف پہنچے۔ جناب اخوانصاحب میں کیا ذکر کروں وہ تو میرے عاشق تھے۔ اور جو بات کہتی تھی ہر چند وہی مانتے تھے اور کمال درجہ تک نیک سلوک کرتے تھے۔ بارہ برس میری شادی کے بعد وہ فوت ہوئے ہیں۔ اس بارہ برس میں مجھے وہ ایک دفعہ بھی خفا نہیں ہوئے۔ نہیں تو انسان کا قاعدہ ہے کہ کسی نہ کسی بات پر ناراض ہو جاتا ہے۔ اور یا محبت ہی کم ہو جاتی ہے۔ ہماری ابتدا سے یکساں رہی۔ اب میں سچے دل سے کہتی ہوں کہ میرا حق ان کے ذمے کچھ نہیں رہا۔ انہوں نے میرے تمام حقوق ادا کئے۔ انہوں نے مجھے خود پڑھایا۔ بچوں کی پرورش کا تمیز سکھایا۔ اور علاج معالجہ[۱] (معمولی امراض) سکھایا وغیرہ وغیرہ۔ اب میری یہی دعا ہے۔ کہ اللہ تعالےٰ ان کو اعلیٰ درجہ کا بہشت نصیب کرے اور روز حشر میں سب مومنوں کے یعنی حضرت اقدس کی جماعت میں سردار اور امام ہو کر اٹھیں۔ آمین ثم آمین۔ چنانچہ سوائے صبر اور شکر کے خداوند کریم کے آگے کچھ عذر نہیں۔ ہر دم اس کے فضل کا آسرا ہے۔

تیری اے خدایا مجھے جستجو ہے،	زباں پر میرے بس تیری گفتگو ہے
بہارِ چمن تجھ سے ہی مشکبو ہے	تیری ہی مجھے ہر جگہ آرزو ہے
دو عالم میں یارب فقط تو ہی تو ہے	ہر اک جا تیرے نخل قدرت کی بو ہے
مجھے اپنے عملوں سے ہے شرمساری	گناہ کا ہے سر پہ میرے بوجھ بھاری

---

[۱] اپنی بیوی کو کتاب "دایۂ ہند" پڑھائی تھی۔
مرحوم کی بیوی بھی ۱۹۰۴ء میں فوت ہوئی۔

والدین سے سلوک مرحوم اپنے والدین کی نہایت عزت و تکریم کرتا۔ اور ان کے احکام کی فرمانبرداری کو اپنے لئے سعادت کا موجب سمجھتا۔ مرحوم قریباً ہر نماز میں اپنے والدین کی دین و دنیا کی فلاح کے لئے دعا کرتا۔ اور وہ اس حکم قرآن کا متبع تھا جو والدین کی اطاعت کے بارے میں قرآن مجید میں ہے۔ اور وہ نماز میں یہ دعا کثرت سے مانگتا کہ رب ارحمھما کما ربّیانی صغیراً یعنی اے میرے اللہ تو اس طرح سے ان پر رحم کر اور ان کا مربی اور کرم فرما بن جیسے کہ انہوں نے مجھ پر رحم کیا۔ اور میری دستگیری کی۔ اور میری انہوں نے پرورش کی جبکہ میں بالکل ناتواں اور بے دست و پا تھا۔

بعض دفعہ اگر والدین کی رائے کسی معاملہ میں اس کے خلاف ہوتی۔ یا مرحوم دیکھتا کہ کسی دینی معاملہ میں وہ سستی کرتے ہیں۔ تو احترام کے ساتھ تہجد میں ان کے لئے دعا کرتا۔ اور میں نے دیکھا کہ مرحوم اکثر اوقات سجدہ میں گڑگڑاتا اور روتا اور تمام جا نماز آنسوؤں سے تر ہو جاتا۔ اور میں جب پاس جاتا تو اس کے منہ سے دھیمی دھیمی آواز نہایت عاجزی سے درگاہ باری میں نکلتی معلوم ہوتی تھی کہ ولا تقل لھما اف ولا تنھرھما وقل لھما قولاً کریما وقل رب ارحمھما کما ربیانی صغیرا۔

ترجمہ:۔ ان کو اف بھی نہ کہو۔ اور نہ جھڑکو اور ہمیشہ ان کو عمدہ پیرایہ میں خطاب کرو اور ان کے حق میں دعا کرو کہ اے رب تو اس طرح سے ان پر رحم کر جیسے کہ انہوں نے مجھ پر کیا جبکہ میں بالکل ناتواں اور بے دست و پا تھا۔ مرحوم والدین کے لئے اتنی دعائیں مانگتا تھا کہ مجھے ظن ہے کہ شاید اپنے لئے بھی اتنی دعا نہ کرتا ہو۔ اور میں سمجھتا ہوں کہ یہ مرحوم کی دعاؤں کا نتیجہ تھا کہ میرے والدین کو جو پہلے ہی نیک دل تھے۔ حضرت اقدس حجۃ اللہ المسیح الموعود کی غلامی کا شرف حاصل ہوا۔

ہمارے والدین اور مرحوم کی وفات پر انہوں نے بڑا بھاری نمونہ اپنے صبر اور استقلال اور خدا تعالےٰ کی رضا کو صدق دل سے قبول کرنے کا دکھلایا۔ ہمارے والدین کو مرحوم سے غایت درجہ کی محبت تھی اور اس محبت سے بدرجہا زیادہ تھی جو کہ عام طور پر والدین کو اپنے بچوں سے ہوا کرتی ہے۔ کیوں کہ

مرحوم اپنی سعادت اور نیک بختی اور ایمان اور فرمانبرداری میں ایک نمونہ تھا۔ اور ہمیشہ ان کو خوش رکھنے کی کوشش کرتا تھا۔ اور وہ ان کی فرمانبرداری میں خاص اللہ تعالےٰ کی خوشنودی اور رضا اور خدا کی فرمانبرداری سمجھتا تھا۔ اور جیسے کہ مثل مشہور ہے کہ دل را بدل رہیست۔ چونکہ وہ اپنے والدین کے لئے ہمیشہ دعا کیا کرتا تھا۔ اس لئے ہمارے محترم والدین بھی ہمیشہ اس کے لئے (دو دیگر بچوں کے لئے) دعا کرتے تھے۔ اور یہ والدین کی دعاؤں کا اثر تھا کہ اللہ تعالیٰ نے مرحوم کی باطنی تربیت اور روحانی ترقی کے لئے اسباب مہیا کر دیئے۔

سعید الفطرت فرزند مرحوم ایک سعید فرزند کا سچا نمونہ تھا۔ خدا مجھ کو بھی ایسی ہی توفیق دے کہ پورے طور پہ والدین کی خدمت کر سکوں۔ اور ان کی رضاء سکوں اور ہمارے دوسرے احباب اور برادران کو بھی اس قسم کی توفیق دے۔ کہ وہ اپنے اپنے والدین کے حقوق پورے طور سے ادا کر سکیں۔ جیسے کہ قرآن مجید کا حکم ہے۔ اور یہ خدا کا فضل ہے کہ ہماری جماعت میں ایسے اصحاب بھی موجود ہیں۔ جن کے والدین دیگر مذاہب کے ہیں۔ اور انہوں نے اسلام قبول کر لیا ہے۔ اور والدین کی خدمت اور اطاعت کو ان تمام امور میں جو خدا کے حکم کے خلاف نہ ہوں۔ اپنا فرض سمجھتے ہیں۔ اس لئے اب تک وہ اپنے والدین کی خدمت میں مصروف ہیں۔ اور بعض ان میں سے اپنی کمائیں میں سے مقرر حصہ ہمیشہ اپنے والدین کی نذر کرتے ہیں۔

بھائیوں سے سلوک مرحوم کا اپنے بھائیوں سے سلوک بھی اپنے اندر ایک بیش قیمت نمونہ رکھتا تھا۔ میں اپنے ساتھ اس کے سلوک کو پہلے مفصل لکھ چکا ہوں۔ دوسرے بھائی بھی اس کے حسن سلوک کی وجہ سے اس کے عاشق تھے۔ اور وہ ان سب کی خدمت و اطاعت کو اپنا فرض سمجھتا تھا۔

طالب علمی کے زمانہ میں برادرم مرزا اکبر بیگ و خاکسار و مرحوم اکٹھے امرتسر و لاہور میں تعلیم پاتے رہے۔ اور عزیزہ سکندر بیگ جو ابھی خورد سال تھا۔ ہمارے ساتھ

رہتا تھا۔ ہمارے سب سے بڑے بھائی مرزا رسول[1] بیگ صاحب پہلے محکمہ نہر میں ضلعدار تھے۔ بعد میں اپنے گاؤں حکیم پور کا انتظام کرتے تھے۔ زیادہ تر مرحوم اور خاکسار اکٹھے رہے بلکہ آخر وقت تک ساتھ رہنے کا اتفاق ہوا۔ اور جو نقش کہ اس نے میری طبیعت پر چھوڑا وہ ان اوراق سے ظاہر ہے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالےٰ اس کو غریق رحمت کرے۔ اور ہم سب کو اور ہماری اولاد کو اس کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق دے۔ آمین۔

---

[1] برادرم مرزا رسول بیگ صاحب بعد میں ریاست بہاولپور میں ضلعدار انہار ہو گئے تھے۔ ۱۹۱۷ء میں قبلہ والد صاحب کے تھوڑا ہی عرصہ بعد فوت ہو گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔
ان کے دو لڑکے مرزا اعظم بیگ و امام بیگ ہیں۔ اول الذکر سینٹری انسپکٹر ہے۔ منہ

مرحوم کے حالات زندگی کا خلاصہ

اس مقام تک مرزا ایوب بیگ صاحب مرحوم کے حالات زندگی جو ہدیۂ ناظرین کئے گئے ہیں وہ مرحوم کے برادر اکبر مرزا یعقوب بیگ صاحب کے رقم کردہ ہیں۔ اب ذیل میں مرزا ایوب بیگ صاحب کی سیرۃ کا خلاصہ تحریر کیا جاتا ہے۔ اور اس کے بعد چند خطوط نقل کئے جائیں گے جن سے مرحوم کی سیرت اور کردار پر کافی روشنی پڑتی ہے۔

مرزا ایوب بیگ مرحوم اگست ۱۸۷۵ء میں بمقام کلانور پیدا ہوئے۔ ۱۸۸۰ء عیسوی میں قصبہ قصور میں میاں ولی محمدؐ کی مسجد میں بسم اللہ شروع کرائی گئی۔ دو سال میں قرآن شریف اور کچھ دینیات اور مروّجہ پڑھکر وہ تیسری جماعت میں مدرسہ قصور میں داخل ہوئے۔ ۱۸۸۵ء میں اپنے والد صاحب کے تبادلہ ملازمت کی بنا پر گورنمنٹ ہائی سکول امرتسر میں داخل ہوئے اور ۱۸۸۶ء میں لاہور آ گئے اور یہاں اوّل ایچیسن سکول اور بعد ازاں گورنمنٹ سنٹرل ماڈل سکول میں داخل ہوئے ۱۸۹۲ء میں حضرت مسیح موعود کی بیعت سے مشرف ہوئے۔ ۱۸۹۷ء میں بی اے کے امتحان میں شامل ہوئے اور اسی سال ٹرننگ کالج لاہور کا وظیفہ مل جانے پر ایس اے وی کلاس میں داخل ہوئے اور ۱۸۹۸ء میں ایچیسن چیفس کالج لاہور میں سائنس ماسٹر مقرر ہوئے۔ کالج کے کام کے علاوہ روزانہ دو گھنٹہ راجہ منڈی کے لڑکے کو بھی پڑھاتے رہے اور موجودہ امیر بہاولپور کے والد ماجد محمد بہاول خاں صاحب کو بھی پڑھاتے رہے۔

مارچ ۱۸۹۹ء میں بیمار ہو کر رخصت لیکر قادیان چلے گئے اور حضرت مولانا نورالدین صاحب مرحوم کے علاج کے بعد تندرست ہو کر پھر کالج میں اپنی ڈیوٹی حاضر ہو گئے اور ساتھ ہی لا کالج میں داخل ہو گئے۔ کالج کا کام اور فالتو پڑھائی اور لا کالج کا داخلہ ان سب محنت کے کاموں سے دوبارہ بیمار ہو گئے اور تعطیلات موسم گرما میں اپنے برادر مرزا

یعقوب بیگ کے پاس فاضلکا چلے گئے اور ماہ اکتوبر ۱۸۹۹ء میں واپس اپنی ڈیوٹی پر آگئے۔ کچھ عرصہ بعد پھر بیمار رہوئے اور مسلسل تپ رہنا شروع ہوا اور کمزوری زیادہ ہوتی گئی چنانچہ دوبارہ رخصت لے کر اپنے بھائی کے پاس فاضلکا چلے گئے اور اس طرح مختلف وقفوں سے قریب ڈیڑھ سال بیمار رہ کر ۲۸ اپریل ۱۹۰۰ء کو بمقام فاضلکا انتقال فرمایا۔

ان کے والد بزرگوار نے ان کا سراپا یوں بیان کیا ہے " ایوب بیگ سرو قامت تنومند مضبوط خوبصورت جوان، بڑا صالح، اور قرآن شریف کے معارف سمجھنے والا، بہت سلیم مزاج، خوش خو، خوشنویس انگریزی اور فارسی میں، تہجد خواں، نماز بڑے سوز دل سے پڑھتا تھا، متواضع دوستاں، خدا ترس، خوش پوش۔ وقت اپنے کو سوائے مطالعہ و کار سرکار و یاد الٰہی کے ضائع نہیں کرتا تھا۔ فراخ دل، کسی کی دل آزاری کی بات نہیں کرتا تھا۔" (مرزا نیاز بیگ)

ذیل میں وہ خط درج کیا جاتا ہے جو مرزا یعقوب بیگ صاحب نے برادران جماعت احمدیہ کے نام لکھا اور جو "الحکم" جلد ۴ ۱۸؁ مورخہ ۷ مئی ۱۹۰۰ء میں شائع ہوا۔ اسی خط میں حضرت اقدس مسیح موعود کے دو مکتوب بھی درج ہیں۔ اور ان کے بعد دیگر اکابرین جماعت کے مکتوبات تعزیت درج کئے گئے ہیں (مسعود بیگ)

مرض الموت کے حالات ڈاکٹر صاحب محترم کے قلم سے

برادران۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

آج میرے لئے نہایت حسرت اور افسوس کا دن ہے کہ مجھے اپنے اسی عزیز اور نہایت ہی پیارے بھائی کی وفات کا تذکرہ آپ کے سامنے کرنا پڑا جو کہ اپنی جوانی اور عین شباب کے ایام میں جبکہ وہ نونہال ابھی برگ و بر لانے کے قابل ہوا تھا یک لخت کاٹا گیا۔ اور ہم

سے اس دنیا میں ہمیشہ کے لئے دُور ہو گیا اور پسماندگان کے لئے داغ مفارقت چھوڑ گیا اور اپنی صرف ۲۵ سالہ عمر میں ہم سب سے پہلے دوسرے جہان میں بلایا گیا۔ بھائی بھائی تو دنیا میں بہت ہوتے ہیں اور ایک بھائی کی وفات دوسرے کیلئے ایک بڑا بھاری صدمہ ہوتی ہے مگر اس بھائی مرحوم میں اور مجھ میں جو تعلق محبت اور مودّت کا تھا میں دنیا کے برادرانہ رشتوں میں اس کی نظیر نہیں دیکھتا۔ یہ کہنا کچھ مبالغہ نہ ہو گا کہ ہم میں سے ہر ایک دوسرے کا عاشق وشیدا تھا اور اس قدر دلی لگاؤ کی صرف ایک ہی وجہ تھی یعنی آج سے آٹھ نو سال پیشتر جبکہ مجھے ڈاڑھی کا آغاز شروع ہی ہوا تھا اور مرحوم ایوب بیگ مجھ سے بھی خورد سال تھا خدا تعالیٰ کے خاص فضل اور مہربانی سے اور ہمارے والدین کے خوش طالع سے آخری وقت کے امام کے قدموں تک ہماری رسائی ہوئی اس برگزیدۂ الٰہی نے غایت کرم اور کمال مہربانی سے ہم دونو کو اپنے بچوں کی طرح اپنے کنارِ عاطفت میں لیا۔ نہایت لطف کے ساتھ اس نور سے بہرہ ور کیا جو اس کے اپنے سینہ میں روشن تھا۔ اور ہمیں اپنے زمرۂ خدام میں شمولیت کا فخر بخشا۔ اس مبارک پیوند کا یہ نتیجہ ہوا کہ صدق اور راستی سے محبت ہو گئی۔ اور دل جو ابھی کسی قسم کے بداثر سے متاثر نہ ہوئے تھے اس نیک صحبت سے فیض یاب ہوئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جو کہ افضل البشر وختم الرسل ہیں اور ہر ایک خیر وخوبی کی جڑ ہیں غایت درجہ کا اُنس ہو گیا اور کتاب اللہ سے خاص لگاؤ اور محبت ہو گئی۔ اور حضرت مسیح موعودؑ کی دعا سے خدا تعالیٰ کے خوف اور خشیت نے دل میں جگہ لی۔ ہمارا جسمانی باپ تو ایک تھا ہی، روحانی طور پر بھی ہم ایک ہی باپ کے فرزند ہو گئے۔ اور ماسوا اس محبت کے تعلق کے قلوب کو ایک دوسرے سے ایسا لگاؤ تھا کہ میں سمجھتا ہوں کہ ہم دونو بھائی ایک دوسرے کے لئے یک جان دو قالب تھے۔ جبکہ میرے اور اس عزیز کے ایسے تعلقات تھے تو ایسے آرام قلب اور راحت جان شفیق کے گذر جانے سے ممکن تھا کہ تمام دنیا داروں کی طرح میں بھی اندوہ وغم وکرب میں مبتلا ہو کر فراق میں ہلاک ہو جاتا مگر تسلی دینے والی ایک ہی بات تھی اور وہ یہ کہ اس عزیز کا خاتمہ بالخیر

ہوا جو کہ اس امام زمان کے ایک خواب سے قریب چھ ماہ پیشتر معلوم ہو چکا تھا
"یہ سعید نوجوان اپنے رشد اور نیک بختی اور طہارت میں اسلام کے اس برگزیدہ سلسلہ میں ایک نمونہ تھا اور جو صبر اور استقلال اس نے اپنے اس ڈیڑھ سال سے زیادہ عرصہ کی بیماری میں دکھلایا اس کی اس زمانہ میں بہت ہی کم نظیر ملتی ہے ۔ یعنی اس تمام عرصہ میں ایک لحظہ بھر کے لئے بھی اس کے ایمان اور استقلال کو جنبش نہیں آئی اور وہ آخیر وقت تک اس بیماری میں بھی اللہ تعالیٰ کی رضا پر ایسا شاکر تھا جیسا کہ کوئی دنیادار کسی دنیاوی نعمت پانے پر خوشی اور انبساط سے شکر کا لفظ منہ پر لاتا ہے ۔ تمام بیماری میں اسم بامسمیٰ ایوب نے اف تک نہ کی اور آخری سانس تک بیماری کے دکھ سے اس کی آنکھ میں آنسو نہ آیا ۔ اور ایسی سخت بیماری کے اس ڈیڑھ سال کے عرصہ میں اس نیند کا بہت سا حصہ جاگنے میں گزرتا تھا اور کئی راتیں اس نے اپنی آنکھوں میں گذاری تھیں ۔ اس نے کبھی ناشکری نہ کی ، اور نہ کبھی کوئی لفظ مایوسی کا منہ سے نکالا ۔ میں بارہا ساری ساری رات کھانسی اور بے آرامی میں دیکھتا تھا ۔ مگر جب کبھی میں اس کو پوچھتا تھا کہ بھائی کیا حالت ہے تو جواب دیتا تھا کہ الحمد للہ میں بہت اچھا ہوں ۔ اس بیماری کی حالت میں بھی اس نے کوئی نماز قضا نہ کی ۔ میں طبیب ہوں ۔ میں نے ہزارہا بیمار دیکھے ہیں ۔ بیماری سے اکثر انسان ہراساں ہو جاتا ہے ۔ اور متعلقین تیمارداروں کو بیمار کو تسلی و تشفی دینی پڑتی ہے ۔ مگر میں نے اسے ایسا تسلی یافتہ بیمار پایا ۔ کہ ہمیشہ اپنے لواحقین و متعلقین کو تسلی دیتا اور اس کی نازک حالت کو دیکھ کر اگر کوئی رشتہ دار اپنی آنکھ سے آنسو بہاتا ۔ تو وہ بڑے مضبوط دل اور واثق یقین سے اس کو تسلی دیتا اور کہتا کہ خدا کے فضل سے مایوس نہ ہو ۔ میں تو اس کی رحمت سے ناامید نہیں ہوں ۔ تم کیوں پریشان ہوتے ہو ۔ وہ اعلیٰ درجہ کے اخلاص اور ایمان کا نمونہ تھا ۔ حضرت مسیح موعود کو جس سے اس کو یہ دولت ملی تھی ۔ آخر وقت تک ہمیشہ یاد کرتا رہا ۔ اور اس کو آخیر ایام میں بڑی بھاری یہی آرزو تھی کہ حضرت مسیح موعود کی آخری قدمبوسی سے مشرف ہو ۔ اور مرنے کے وقت کلمۂ شہادت اور کل لوازمات ایمان کا اپنی زبان

سے انکار کرنے کے بعد اس نے کہا کہ میرا حضرت مسیح موعود امام آخر الزمان پر ایمان ہے
بس یہی اِس کے آخری کلمات تھے۔ اس کے بعد زبان بند ہو گئی۔ اور حضرت مسیح موعود کا خط
جن سے وہ کامل درجہ کا عشق رکھتا تھا۔ اس کی عین نزع کی حالت میں پہنچا۔ وہ خط اس
وقت اس عزیز کو جو خدا تعالیٰ کی خدمت میں حاضر ہونے کو بالکل تیار بیٹھا تھا سنایا گیا۔ اور وہ
اس پیارے امام کے مبارک ہاتھوں کی تحریر جس کو وہ چومنے اور آنکھوں سے لگانے کی نہایت
آرزو رکھتا تھا۔ اس کے منہ اور آنکھوں سے لگا کر اس کے سینے پر رکھ دیئے گئے۔ اس
کے بعد معاً وہ پاک روح ہمارے پاس سے پرواز کر گئی۔ گویا کہ اس کو صرف اس خط کی انتظار
تھی۔ یہ ایک شخص تھا جو اولیاء اللہ کی صفات اپنے اندر رکھتا تھا۔ اور اس کی زندگی انبیاء کے
طریق پر تھی۔ مروجہ علوم میں اس نے بی۔ اے تک تعلیم پائی تھی۔ مگر دین اور خدا شناسی میں وہ
اس ۲۵ سالہ عمر میں اس مرتبہ کو پہنچ گیا تھا۔ کہ کروڑہا مخلوقات کو وہ معرفت پیری میں بھی نصیب
نہیں ہوتی۔ اور اِس جہان میں ہی اس کا تعلق اس جہان سے نزدیک تر ہو گیا تھا۔ اور اس
کا دل اللہ تعالیٰ کی محبت سے ایسا پُر تھا کہ گویا وہ سارا ہی اس کا ہو گیا تھا۔ اِس لئے اس
رب السموات والارض نے اس کو اپنے ہی پاس بلا لیا۔ اور یہ سب فضل اور برکت اور
حسنِ خاتمہ اس امام مسیح موعود کے انفاس طیبات اور محبت اور دعا کا نتیجہ تھا۔ میں دعا کرتا
ہوں کہ ہم میں سے ہر ایک فرد اس مسیح موعود کا ایسا ہی سچا خادم اور جاں نثار ثابت ہو جیسا کہ
ہمارا مرحوم و مغفور ایوب بیگ تھا۔ خدا کرے کہ ہم میں سے ہر ایک کا ایسا ہی اچھا خاتمہ ہو
جیسا کہ اس عزیز کا ہوا۔ آمین

اِس عزیز نوجوان کی صلاحیت اور تقویٰ کی وجہ سے حضرت اقدس کو بھی اس سے
غایت درجہ کی محبت تھی۔ جو کہ حضرت مسیح موعود کے اپنے ہاتھ کے لکھے ہوئے دو گرامی ناموں
سے ظاہر ہو گا۔ جو ذیل میں درج ہیں۔ اول خط وہ ہے۔ جس کا پہلے ذکر کر آیا ہوں کہ وہ اس عزیز
کے دمِ واپسیں کے وقت ملا۔ اور دوسرا اس مخبر صادق کی طرف سے تعزیت نامہ ہے۔

حضرت اقدس کا تسلی دلانے والا مکتوب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہٗ و نصلی علی رسولہ الکریم

محبی عزیزی مرزا ایوب بیگ صاحب و محبی عزیزی مرزا یعقوب بیگ صاحب۔
اسلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہٗ اس وقت میں جو درد سر اور موسمی تپ سے یک دفعہ بیمار ہو گیا ہوں مجھ کو تار ملا۔ جس قدر میں عزیزی مرزا ایوب بیگ کے لئے دعائیں مشغول ہوں اس کا علم تو خدا تعالیٰ کو ہے۔ خدا تعالیٰ کی رحمت سے ہرگز نا امید نہیں ہونا چاہیئے۔ میں تو سخت بیماری میں بھی آنے سے فرق نہ کرتا۔ لیکن میں تکلیف کی حالت میں ایسے عزیز کو دیکھ نہیں سکتا۔ میرا دل جلد صدمہ قبول کرتا ہے۔ یہی چاہتا ہوں کہ تندرستی اور صحت میں دیکھوں۔ جہاں تک انسانی طاقت ہے اب میں اس سے زیادہ کوشش کروں گا۔ مجھے پاس اور نزدیک سمجھیں۔ نہ دُور۔ میرے پاس وہ الفاظ نہیں ہیں جن سے میں اس دردِ دل کو بیان کروں۔ خدا تعالیٰ کی رحمت سے ہرگز نا امید مت ہو۔ خدا بڑے فضل اور کرم کا مالک ہے۔ اس کی قدرت اور فضل اور رحمت سے کیا دُور ہے کہ عزیزی ایوب بیگ کو تندرستی میں جلد تر دیکھوں۔ اس علالت کے وقت جو تار مجھ کو ملا۔ میں ایسا سراسیمہ ہوں کہ قلم ہاتھ سے نکلی جاتی ہے۔ میرے گھر میں بھی ایوب بیگ کے لئے سخت بے قرار ہیں۔ اس وقت میں اُن کو بھی اس تار کی خبر نہیں دے سکتا۔ کیونکہ کل سے وہ بھی تپ میں مبتلا ہیں۔ اور ایک عارضہ حلق میں ہو گیا ہے مشکل سے کچھ اندر جاتا ہے۔ اس کے جوش سے تپ بھی ہو گیا ہے۔ وہ نیچے پڑی ہیں۔ اور میں اوپر کے دلان میں ہوں۔ میری حالت تحریر کے قابل نہ تھی۔ لیکن تار کے درد انگیز اثر نے مجھے اُٹھا کر بٹھا دیا۔ آپ کا اس میں کیا حرج ہے کہ اس کی ہر روز مجھ کو اطلاع دیں۔ معلوم نہیں کہ جو میں نے ابھی ایک بوتل میں دوا روانہ کی تھی وہ پہنچی یا نہیں۔ ریل کی معرفت روانہ کی گئی تھی۔ اور معلوم نہیں کہ مالش ہر روز ہوتی ہے یا نہیں۔ آپ ذرہ ذرہ حال سے مجھے اطلاع دیں۔ اور خدا بہت قادر ہے۔ تسلی دیتے رہیں۔ چوزہ کا شوربا یعنی بچۂ خورد کا ہر

روزنہ دیا کریں۔ معلوم ہوتا ہے۔ کہ دستوں کی وجہ سے کمزوری نہایت درجہ تک پہنچ گئی ہے۔
والسلام۔ ۲۵ ر اپریل سنہ ۱۹۰۰ئہ

حضرت اقدس کا تعزیت نامہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم
محبی عزیزی مرزا یعقوب بیگ صاحب

اسلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہٗ۔ آپ کا وہ تار جس کا چند روز سے ہر وقت اندیشہ تھا آخر کل عصر کے بعد پہنچا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ عزیزی مرزا ایوب بیگ جیسا سعید لڑکا جو سراسر نیک بختی اور محبت اور اخلاص سے پُر تھا اس کی جدائی سے ہمیں بہت صدمہ اور درد پہنچا۔ اللہ تمہیں اور اس کے سب عزیزوں کو صبر عطا کرے۔ اور اس مصیبت کا اجر بخشے۔ آمین ثم آمین۔ اس مرحوم کے والد ضعیف کمزور کا کیا حال ہوگا۔ اور اس کی بیوہ عاجزہ پر کیا گزرا ہوگا۔ ہم اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ سب کو اس صدمہ کے بعد صبر عطا فرمائے۔ ایک نوجوان صالح۔ نیک بخت جوادلیا، اللہ کی صفات اپنے اندر رکھتا تھا۔ اور ایک پودہ نشوونما یافتہ جو امید کے وقت پر پہنچ گیا تھا یک دفعہ اس کا کاٹا جانا اور دنیا سے ناپدید ہوجانا سخت صدمہ ہے۔ اللہ جل شانہٗ سوختہ دلوں پر رحمت کی بارش کرے۔ اس خط کے لکھنے کے وقت میں جو ایوب بیگ مرحوم کی طرف توجہ تھی کہ وہ کیونکر جلد ہماری آنکھوں سے ناپدید ہوگیا اور تمام تعلقات کو خواب و خیال کر گیا۔ کہ یکدفعہ الہام ہوا "مبارک وہ آدمی جو اس دروازہ کی راہ سے داخل ہو"۔ یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ عزیزی ایوب بیگ کی موت نہایت نیک طور پر ہوئی ہے۔ اور خوش نصیب وہ ہے۔ جس کی ایسی موت ہو۔ ایک دفعہ عزیزم مرحوم کی زندگی میں بکثرت اس کی شفا کے لئے دعا کی۔ تب خواب میں دیکھا کہ ایک سڑک ہے گویا وہ چاند کے ٹکڑے اکھٹے کر کے بنائی گئی ہے۔ اور ایک شخص ایوب بیگ کو اس سڑک پر سے لے جا رہا ہے۔ اور وہ سڑک آسمان کی طرف جاتی ہے۔ اور نہایت خوش اور چمکیلی ہے۔ گویا زمین پر چاند بچھایا گیا ہے۔ میں نے

یہ خواب اپنی جماعت میں بیان کی۔ اور تکلف کے طور پر یہ سمجھا کہ یہ صحت کی طرف اشارہ ہے۔ لیکن دل نہیں مانتا تھا۔ کہ اس خواب کی تعبیر صحت ہو۔ سو اب اس خواب کی تعبیر ظہور میں آئی۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔ میری طرف سے اپنے والد صاحب کو بھی تعزیت کا پیغام پہنچا دیں۔ خدا نے جو چاہا ہو گیا۔ اب صبر رضا درکار ہے۔ رب اغفر و ارحم و انت خیر الرحمین۔ والسلام۔"

"........ وہ عزیز اس تمام جماعت کا پیارا تھا۔ اور ہر ایک کی محبت اس کے دل میں تھی اس مرحوم متقی نوجوان کا آپ سب صاحبوں کو آخری سلام پہنچے۔ اس عزیز نے عمر تھوڑی پائی۔ مگر اس کی صلاحیت اور تقویٰ کا لمبا قصہ ہے۔ اور میں چاہتا ہوں کہ اس کو ایک کتاب کی صورت میں آپ صاحبان کی خدمت میں پیش کروں۔ اس کی زندگی اور موت تو نمونہ تھی ہی۔ اس کی وفات کے بعد کے حالات بھی عجیب ہیں۔ جو کہ کئی متقی اور صالح لوگوں نے کثرت سے اس کو اولیا اللہ و انبیا کی مجلس میں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مصاحبت میں جنت کے ثمار کھاتے اور خوش و خرم پھرتے عالم رویا میں دیکھا ہے۔ شاید کہ اس نوجوان کی پاک مثال سے کوئی دل متاثر ہو جائے۔ اور اس نور کے چشمہ کی طرف ہمہ تن رجوع کرے جو اس آخری زمانہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حوض کوثر سے نکلا ہے۔ تا کہ اس کا ایک گھونٹ اندر کے خفیہ در خفیہ معاصی کی آگ بجھانے کا کام دے۔ اور ایمان کا پودہ اس سے نشو و نما پا جاوے۔ اور یہ اس کی نجات کا موجب ہو جاوے۔ فقط والسلام

خاکسار۔ مرزا یعقوب بیگ بی۔ اے۔ ایل۔ ایم۔ ایس۔ اسسٹنٹ سرجن

از فاضلکا۔ ضلع فیروز پور ۱۵ مئی ۱۹۰۰ء

مکتوب تعزیت منجانب حضرت مولانا عبدالکریم صاحب علیہ الرحمۃ

قادیان ۳۰ اپریل ۱۹۰۰ء

برادرم اسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ'

ایوب بیگ ۔ رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ وادخلہ فی بہو جنۃ الجنان کی وفات کا صدمہ ایسا خفیف نہیں کہ اس کے بعد کوئی اس مرحوم کے وارثوں کو صبر کی ہدایت کرنے کی جرات کر سکے ۔ مگر یہ بات مرحوم کے متعلقین اور احباب کو پوری تسلی دیتی ہے اور معاً خوش کر دیتی ہے کہ وہ سیدھا بہشت میں چلا گیا ۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جس مسلمان کی نسبت چالیس آدمی گواہی دیں کہ وہ بہشتی ہے اس کے لئے بہشت واجب ہو جاتی ہے ۔ ایوب بیگ کے لئے ہمارا سارا سلسلہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام گواہی دیتا ہے کہ وہ بہشت میں داخل ہو گیا ۔ چھ ماہ اس سے قبل جو خواب حضرت مسیح علیہ السلام کو آیا تھا کہ ایک سڑک ہے جس پر چاند کے ٹکڑوں کا فرش ہے اور ایک بڑا ہی جمیل وجیہہ اور رحیم کریم شخص ایوب بیگ کا ہاتھ پکڑے اس سڑک پر سے آگے کو لیجا رہا ہے ۔ اس خواب سے سب کے سب یقیناً سمجھ گئے تھے کہ ایوب بیگ جنتی ہے اور وہ سڑک جنت کی ہے ۔ اور حضرت نے اسی روز فرمایا تھا کہ جو کچھ مقدر ہو مگر اس میں شک نہیں کہ ایوب بیگ کا خاتمہ بہت اچھا ہے ۔

میں اس وقت حلفاً کہتا ہوں کہ ایوب بیگ کے متعلقوں میں کوئی ایسا متنفس نہیں جس کی زندگی کی کسی شان کی نسبت مجھے غبطہ اور رشک ہو ۔ مگر ایک ایوب بیگ مرحوم ہے جس کے حسن خاتمت نے مجھے بہت بڑا رشک دلایا ہے ۔ وہ اس پاک ایمان پر مرا ۔ اس نے زمانہ میں امام زمان کو شناخت کیا اور اخیر دم تک اس ایمان پر ثابت قدم رہا اور آخری گھڑی تک خدا تعالیٰ کے مسیح کو یاد کرتا رہا ۔ اور ہم ہیں کہ ابھی ہمارے اعمال جاری ہیں اور ہماری حالت امید وبیم میں معلق

ہے اور سخت اضطراب میں ہیں کہ خاتمہ کیسا ہو۔ ہر مومن کو جو اندیشہ لگ رہا ہے وہ سوء خاتمت کا اندیشہ ہے۔ مگر ایوب بیگ یقیناً نیک خاتمہ کے ساتھ اس جہان سے اٹھا پس کسقدر مبارکی اور فخر اس کے اہل کو ہے جن میں کا ایک فرد ایسا گزرا ہے کہ اہل اللہ اور راست باز اس کی زندگی اور موت پر رشک کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی قسم میں بڑا ہی نااہل ہوں گا اگر میں مکرم مرزا نیاز بیگ کو دردمندی سے بھرا ہوا اور رُلا دینے والا خط لکھوں۔ حق یہ ہے کہ میں ان کو تہ دل سے مبارک باد دوں کہ انہوں نے اپنی پیٹھ سے ایک نمونہ ہم لوگوں کو دیا جس کی زندگی اور موت دونوں حالتیں برگزیدہ سلسلہ کے خدام کے لیئے نمونہ تھیں۔ مرزا نیاز بیگ صاحب کی طرف سے اس پاک جہان میں ایک نیک فرط چلا گیا ہے جو ان کے لیئے راہ صاف کرے گا۔ یہ جہان تو لابد گذاشتنی ہے مگر کیا ہی مبارک ہے وہ جو خدا تعالےٰ کی راہ میں گذرے۔

اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ اس وقت تک رہ رہ کر دل بھر بھر آتا ہے اور وہ سعادت اور فرخی کی موت آنکھوں کے سامنے پھر پھر جاتی ہے۔ وہ حیا سے آنکھیں نیچی کر لینا اور رہر امر کے آگے پورے انقیاد سے سر رکھ دینا اور ہمہ محبت چہرہ بار بار یاد آتا ہے۔ اور یہ ساری باتیں ان میں سے ایک ہی نامندمل زخم کرنے کے لیئے کافی ہوتی مگر ایک ہی اور صرف ایک ہی یقین تسلی دیتا اور تلافی کر دیتا ہے کہ جانا تو ضرور تھا مگر جانے والا گیا خوب ہے۔ حضرت رحیم کریم علیہ السلام کو بھی بڑا صدمہ پہنچا اور فرمایا ہمارا ایک بیٹا مر گیا ہے مگر یہی ایمان اور یقین آپ کی تسلی کا موجب بھی ہے کہ مرحوم کا انجام خوب ہوا۔ غفر اللہ لہ۔

میرا یہ نیاز نامہ اپنے والد صاحب اور اپنی والدہ مسکینہ کو سنائیں۔ شاید خدا تعالیٰ اس سے ان کے زخمی دل کو کوئی فائدہ پہنچائے۔ اگر مجھے ان کی معرفت کی نسبت یہ یقین ہوتا کہ وہ میری باتوں سے راحت پائیں گے تو میں اپنی باتوں کو بہت طول دیتا اور درحقیقت اپنی ارادت ہی بیان کرتا۔ مگر میں جانتا ہوں کہ ان کے حق میں یہ ایک ناقابل برداشت صدمہ ہے۔ خدا تعالیٰ

مرزا نیاز بیگ اور والدہ ضعیفہ اور بھائی ...ب کو صبر اور اجر بخشے۔

میں چاہتا ہوں کہ برادر یعقوب مفصل خط لکھیں کہ مرحوم نے آخری وقت میں کیا گفتگو کی۔

والسلام عاجز عبدالکریم طلوع آفتاب کے وقت

مکتوب حضرت میر حامد شاہ صاحب سیالکوٹیؓ مرحوم و مغفور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم — للہ ما اخذ و للہ ما اعطیٰ

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم — و کل شیٔ عندہ بمقدار

میرے مخلص برادر السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ میں نے اپنے پیارے اور بہت ہی پیار کرنے والے بھائی کے ہم سے جسمانی طور پر جدا ہو جانے کی خبر یہاں قادیان میں ہی سُنی۔ شام کی نماز کے واسطے بالائی صحن مسجد کی چھت پر احباب جمع ہو رہے تھے کہ بھائی محمدؐ علی صاحب نے تار پڑھا اور حضرت امام صادق کے پاس اندر بھیج دیا۔ حضور باہر تشریف لائے اور فرمایا کہ ایوب بیگ...... اذان ہو چکی تھی، جماعت کھڑی ہو گئی۔ دل رقت سے بھرے ہوئے تھے۔ مولوی عبدالکریم صاحب نے اسی رقت بھری آواز سے قرأت شروع کی۔ بے اختیار آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ پیارا بھائی ایوب جس سوز و گداز سے نماز پڑھا کرتا تھا وہی سماں بندھ گیا۔ رکوع میں سجدہ میں دعائیں ہوئیں اور اسی رقت میں نماز فریضہ ختم ہوئی۔

میرے بھائی کا پیارا چہرہ مجھ مہجور سے بہت دنوں سے چھپا ہوا تھا مگر میری امید کی آنکھیں اس اخلاص کے بھرے ہوئے منہ کو تاک رہی تھیں۔ مگر امید نے اپنے خیال میں اس کی جھلک تک تو پہنچایا مگر اب ان آنکھوں سے دائمی مفارقت میں ڈال کر اس چہرہ کو خاک میں چھپایا۔ اب ہمارے بھائی ایوب خدا کے حوالے ہو گئے۔ ہاں وہ تو ہمارے مسیح کی پناہ میں آ کر مدت سے خدا کے حوالہ ہو چکے تھے مگر اب اس دنیوی زیست کے دورہ کو کچھ عرصہ ہم سے پہلے ختم کر کے خدا کے جوار رحمت میں شامل

ہوئے ۔ ان کی عملی زندگی ختم ہوئی اور نہایت اطمینان سے ختم ہوئی ۔ گو ہم زندہ ہیں اور پیارے ایوب
سے اس سفر کے طے کرنے میں پیچھے ڈال دیئے گئے ہیں مگر میرے پیارے ایوب کے دردمند
متعلقین اور ہمارے مخلص برادران انجام بخیر ہونے اور اپنے پیارے مسیح کی اطاعت میں دم سپرد
کرنے کا خطرہ جس سے ہمارا پیارا ایوب نہایت احسن وجہ سے سبکدوش ہوا ہے ہم کو ابھی باقی ہے ۔
ہم نے دیکھ لیا اور خدا کے مخلص بندہ کی زبانی سن لیا کہ ایوب کا انجام بخیر ہوا ۔ ہاں پیارے مسیح نے
ایک رؤیا دیکھ کر مجلس میں فرما دیا کہ ہمارا ایوب واقعی نجات پا گیا اور خدا کی درگاہ میں مقبول و
مغفور ثابت ہوا ۔ ہاں ابھی ہم کو اس کا انتظار ہے اور یہی خطرہ ہے جو ہمارے لئے باقی ہے ۔ کون
اس سے زیادہ خوش نصیب ہے کہ جس کی کھیتی آخرت میں بار آور ہونے کا فیصلہ یہاں کر دیا گیا ۔
چونکہ ہم لوگ اپنے مسیح کے طفیل سے ایک ایسی کامل خدا کی ہستی پر ایمان لائے ہیں کہ جس کی نسبت
ہماری امیدیں اس کی جمیع صفات کے ساتھ کسی شک کی حالت میں نہیں رہ سکتیں ۔ پس ہمارا غم کسی
عزیز کی جدائی پر وہ رنگ ہرگز اختیار نہیں کر سکتا جو کسی محجوب انسان کا غم ہے ۔ ہمارا صدمہ کبھی بھی وہ
صدمہ نہیں ہو سکتا جو ہم کو اپنے عزیز بھائی کی صف ماتم پر اس اجر کا مستحق نہ کرے جس کے حاصل کرنے
کے واسطے ہم نمونہ کے طور پر اس آخری زمانہ میں اپنے ہادی محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے
مسیح اور مہدی کے دامن کے نیچے آ کر پیش ہوئے ہیں ۔ عزیز اور مغفور بھائی ایوب کی جدائی اس کے
لیے اور ہمارے لئے واقعی اجر کا باعث ہوئی اور انشاء اللہ تعالیٰ ہمارے قلبوں نے ایسا ہی رنگ
پایا ہے ۔ میں آپ کے اور آپ کے والد بڑے مرزا صاحب کی خدمت میں اس صدمہ سے متاثر
ہو کر اسی اجر و صبر کے پانے کی تحریک کرتا ہوں کہ جو ایسے عزیزوں کی اور نہایت پیارے عزیزوں
کے دردمند واقعہ موت کے وقت حاصل کرنے کا نمونہ ہم کو شریعت محمدیہ میں دکھلایا گیا ہے ۔

والسلام

خاکسار حامد سیالکوٹی حال قادیانی مسافر ۳۰ اپریل ۱۹۰۰ء

مکتوب حضرت مولانا سید محمد احسن صاحب امروہوی

محب مکرم و اخی اکرم جناب ڈاکٹر صاحب   اسلام علیکم و رحمتہ اللہ و برکاتہ'

خاکسار محمد احسن امروہوی نزیل قادیان بھی گذارش کرتا ہے کہ ان کے اخلاص اور کمالِ ایمان اور عرفان کا بیان میں نہیں کر سکتا ہوں - اور صفت سخا تو ان کی ایثار کے حد درجہ پر پہنچی ہوئی تھی - بوقت قیام خاکسار کے لاہور میں جس وقت کہ میں تحذیر المومنین لکھ رہا تھا نہایت اخلاص اور محبت سے باوجود شغل طالب علمی کے میرے پاس تشریف لایا کرتے تھے اور بڑے اخلاص کے ساتھ میری دعوت بھی چند مرتبہ کی تھی - اور میں نے بچشم خود دیکھا ہے کہ موسم برشگال اور شب ہائے تاریک میں بسبب غلبۂ جذبۂ اخلاص کے جو ان کو حضرت مسیح موعود کے ساتھ تھا قادیان میں بہ سبب نہ ملنے سواری کے جو اکثر موسم برشگال میں بوقت سفر بٹالہ میں دستیاب نہیں ہوا کرتی تھی پیدل تشریف لایا کرتے تھے -

ایک مرتبہ بوقت قیام قادیان کے میری ٹوپی گم ہو گئی تھی - انہوں نے جو سنا کہ اس کی ٹوپی گم ہو گئی ہے - اپنی ٹوپی ترکی قیمتی مجھ کو اوڑھائی - ہر چند کہ میں نے لینے سے انکار کیا مگر اس انکار کے مقابلہ میں ان کا اس قدر اصرار ہوا کہ میں مجبور ہو گیا حالانکہ اس وقت میں ان کے پاس بھی دوسری ٹوپی نہیں تھی کما قال اللہ تعالیٰ و یوثرون علی انفسھم ولو کان بھم خصاصہ - میں ان کی صفات حمیدہ کا بیان اس مختصر عریضہ میں کر نہیں سکتا ہوں -

والسلام خیر ختام

مورخہ ۱۶ اکتوبر ۱۹۰۵ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

مکتوب حضرت مولانا شیر علی صاحب

وعلیٰ عبدہ المسیح الموعود

حضرت مرزا ایوب بیگ رضی اللہ عنہ

جب میں جون ۱۸۹۵ء میں کالج میں داخل ہونے کے لیے لاہور آیا۔ تو ان دنوں حضرت مرزا ایوب بیگؓ اور ان کے بھائی ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب (جو اُن دنوں میڈیکل کالج لاہور میں پڑھتے تھے)۔ اور ملک شیر محمد خانصاحب (جو میرے ضلع کے رہنے والے اور سکول کے دنوں میں بھیرہ میں میرے ہم جماعت تھے) بھاٹی دروازہ سے باہر ایک مکان میں رہتے تھے۔ وہاں پہلی دفعہ حضرت مرزا ایوب بیگؓ سے ملاقات ہوئی۔ اور پھر یہ تعارف بڑھتا گیا۔ اور خوش قسمتی سے بہت جلدی ان کے ساتھ خاص تعلقات کا شرف حاصل ہوگیا۔ اس کے بعد اکثر ان کے ساتھ ملتا۔ اور ان کی نیک صحبت سے مستفیض ہوتا۔ چنانچہ پہلی دفعہ جب میں قادیان دارالامان میں آیا۔ تو انہی کے ہمراہ آیا۔ اس سفر میں حضرت مفتی صاحب محمدؐ صادق صاحب بھی ساتھ تھے۔ ۲۴ر مارچ ۱۸۹۷ء کو عشار کے قریب ہم بٹالہ اسٹیشن پر اُترے اور پھر اکٹھے رات کو ہی پیدل چلے آئے۔ جیسا کہ میرے ان دوستوں کا پہلے سے معمول تھا اور ۱۲ بجے کے قریب ہم قادیان پہنچے۔ راستہ میں جب حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے دار مبارک کی روشنی نظر آئی تو حضرت مرزا ایوب بیگؓ نے کہا کہ یہ "ہمارے" گھر کی روشنی ہے صبح عید الضحیٰ کا دن تھا۔ اور جمعہ بھی تھا۔ یہ وہی عید تھی جس کا ذکر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے اس الہام میں ہے سَتَعْرِفُ یَوْمَ الْعِیْدِ وَالْعِیْدُ اَقْرَبُ

ایک اور سفر میں نے حضرت مرزا ایوب بیگؓ کے ہمراہ قادیان سے بٹالہ کی طرف تنہا کیا۔ جب کہ ہم دونو اس سفر میں اکیلے تھے۔ اور پیدل سفر کر رہے تھے۔ ان دنوں میں ملک میں طاعون کا

زور تھا۔ حضرت مرزا ایوب بیگ رض نے فرمایا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ "سُبحَانَ اللّٰہِ وَ بِحَمدِہٖ سُبحَانَ اللّٰہِ العَظِیم"۔ اونچی آواز کے ساتھ پڑھنے سے طاعون کے کیڑے مرتے ہیں۔ چنانچہ قادیان سے بٹالہ تک سارے رستہ میں وہ بلند آواز سے "سُبحَانَ اللّٰہِ وَبِحَمدِہٖ سُبحَانَ اللّٰہِ العَظِیم" پڑھتے گئے۔ اور میں بھی ان کی تقلید میں ان کے ساتھ شامل ہو گیا۔

ایک دفعہ غالباً (۱۸۹۷ء یا ۱۸۹۸ء) میں حضرت مسیح موعود قادیان سے لاہور تشریف لے گئے۔ حضرت خلیفۃ المسیح اول رضی اللہ عنہ بھی ہمراہ تھے۔ حضور کشمیری بازار میں ایک مکان کی دوسری منزل میں قیام پذیر ہوئے۔ مجھے یاد پڑتا ہے۔ کہ حضرت مرزا ایوب بیگ رض اور خاکسار اس سفر میں حضور کے ساتھ تھے۔ لاہور میں حضرت مرزا ایوب بیگ رض نے فرمایا۔ کہ حضور کو انگور بہت پسند ہیں۔ آپ نے ۸؍ یا ۱۰؍ کے انگور خرید کر کے حضور کی خدمت میں پیش کئے جس سے حضور بہت خوش ہوئے۔ حضرت مرزا ایوب بیگ رض کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور حضرت مسیح موعودؑ کے تمام خاندان اور حضرت خلیفۃ المسیح اول رضی اللہ عنہ کے ساتھ خاص محبت تھی۔ بلکہ عشق تھا۔ چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے کئی مرتبہ اس کا اظہار مجلس میں بھی فرمایا۔ اور ایک دفعہ حضرت مسیح موعودؑ کی مجلس میں حضرت ایوب بیگ رض کے عشق کا ذکر آیا۔ تو حضرت خلیفۃ المسیح اول رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ کہ بسا اوقات ایسا ہوتا تھا۔ کہ میں درس دے رہا ہوتا تھا۔ تو مرزا ایوب بیگ رض پیچھے سے میرے کندھوں کو چومتا رہتا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو بھی حضرت مرزا ایوب بیگ رض کے ساتھ خاص محبت تھی۔ بلکہ حضور علیہ السلام کے اہل بیت بھی ان پر خاص شفقت فرمایا کرتے تھے۔ اور جب ایک دفعہ حضرت مرزا ایوب بیگ رض ایسی بیماری کے ساتھ جس سے آپ کی وفات ہوئی بیمار تھے۔ تو حضرت ام المومنین علیہا السلام خاص اہتمام سے خود ان کے لئے کھانا تیار کروا کر بھیجا کرتی تھیں۔ اور حضور علیہ السلام کی محبت کا اندازہ تو اس سے ہو سکتا ہے۔ کہ جب حضرت مرزا ایوب بیگ رض بیماری کے آخری مرحلہ میں فاضلکا میں اپنے

بھائی ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب کے پاس بیمار رہتے ۔ تو حضور علیہ السلام خود اپنے دست مبارک سے دوا تیار کر کے فاضلکا ڈاک میں روزانہ فرمایا کرتے تھے ۔ اور فرماتے تھے ۔ کہ دوا تو میں اس لیئے تیار کر کے بھیجتا ہوں ۔ کہ اس طرح دعا کی طرف توجہ رہتی ہے ۔ اور حضرت مرزا ایوب بیگ کے زندگی کے آخری ایام میں حضور نے اپنی طرف سے عیادت کے لیئے حضرت حکیم فضل الدین رضی اللہ عنہ بھیروی کو جو آپ کے خاص اور مخلص صحابہ میں سے تھے ۔ فاضلکا بھیجا ۔ اور فرمایا ۔ کہ میں خود اس لیئے نہیں جاتا ۔ کہ میں اس حالت میں اپنے ایک عزیز کو دیکھنے کی برداشت نہیں رکھتا ۔ مگر حکیم صاحب کے پہنچنے سے پہلے حضرت مرزا ایوب بیگ رضی اللہ عنہ اپنے محبوب حقیقی سے جا ملے ۔ (انا للہ وانا الیہ راجعون) اس لیئے وہ اپنے پیارے مسیح کے محترم قاصد اور آپ کے محبت نامہ کو اپنی جسمانی آنکھوں سے نہ دیکھ سکے ۔

یہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی دعاؤں کا ہی نتیجہ تھا ۔ جو آپ حضرت مرزا ایوب بیگ رضی اللہ عنہ کے لیئے کرتے رہے ۔ کہ آپ کو دکھایا گیا ۔ کہ ایک فرشتہ حضرت مرزا ایوب بیگ رضی اللہ عنہ کو ایک نورانی سڑک پر جو گویا چاندی کی بنی ہوئی ہے ۔ لے جا رہا ہے ۔ اور حضور کو الہام ہوا ۔ کہ مبارک ہے وہ جو اس دروازے سے داخل ہو ۔ پس یہ الہام اس شانِ بلند کو ظاہر کرتا ہے ۔ جو اللہ تعالیٰ نے حضرت مرزا ایوب بیگ رضی اللہ عنہ ۔ کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی دعاؤں کی برکت سے عطا فرمایا (ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَّشَاءُ) ۔ اللہ تعالیٰ نے برادرم مرزا ایوب بیگ رضی اللہ عنہ کو ایک خاص امتیاز عطا فرمایا ۔ جس میں جماعت احمدیہ کا کوئی فرد آپ کے ساتھ شریک نہیں ۔ آپ بہشتی مقبرہ کے قیام سے ایک لمبا عرصہ پہلے فوت ہو چکے تھے اور آپ بغیر صندوق کے مدفون تھے ۔ اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے "الوصیت" میں یہ حکم دیا ہے ۔ کہ جو شخص بغیر صندوق کے مدفون ہو ۔ باوجود وصیت کے اس کے جنازہ کو اپنے مدفن سے نہ نکالا جاوے ۔ لیکن حضرت مرزا ایوب بیگ رضی اللہ عنہ کے لیئے آپ نے اجازت دیدی ۔ کہ آپ کا جسم مبارک فاضلکا سے نکال کر قادیان میں بہشتی مقبرہ کے اندر داخل کیا جائے ۔ چنانچہ اب وہ اپنے پیارے مسیح کے

قدموں میں آرام کر رہے ہیں۔ اور یہ خاص نعمت آپ کو اس عشق کی بدولت حاصل ہوئی۔ جو آپ کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ساتھ تھا۔ خدا کرے کہ ہمیں بھی ایسا ہی عشق نصیب ہو۔ اللہ تعالیٰ ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب کو جزائے خیر دے۔ کہ انہوں نے اپنے مقدس بھائی کے جسم مبارک کو بہشتی مقبرہ پہنچایا۔ خدا کرے کہ یہ نعمت ان کو بھی حاصل ہو آمین۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے حضرت مرزا ایوب بیگ رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد یہ بھی فرمایا۔ کہ وہ ہمارے باغ کا ایک پکا ہوا پھل تھا۔

مقدمہ مارٹن کلارک کے دنوں میں حضرت مرزا ایوب بیگؓ برابر حضرت مسیح موعود کے ساتھ رہے۔ اور عدالت کے کمرہ میں آپ ضروری کاغذات کا بستہ لیکر جایا کرتے تھے۔ چنانچہ پہلے دن بھی جبکہ یہ مقدمہ عدالت کپتان ڈگلس میں بٹالہ کے ڈاک بنگلہ میں پیش ہوا۔ تو اس وقت بھی آپ حضرت مسیح موعودؑ کے قدموں میں عدالت کے کمرہ میں بیٹھے رہے۔ اور آپ کے ساتھ دوسرا شخص غالباً میرے محسن حکیم فضل الدینؓ بھیروی تھے۔ مجھے یاد ہے۔ کہ جب مقدمہ ختم ہوا۔ اور آخری دن حضرت مرزا ایوب بیگؓ عدالت کے کمرہ سے واپس جائے قیام پر دجو شیخ علی احمد وکیل کی کوٹھی تھی۔ جو انہوں نے دوستانہ تعلقات کی وجہ سے جو ان کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور حضرت مسیح موعود کے خاندان کے ساتھ تھے دے رکھی تھی) آئے۔ تو اس دن بوجہ بارش اور سردی کے حضرت مرزا ایوب بیگؓ کو ضعف ہو گیا۔ اور اس حالت میں جب وہ لیٹ گئے تو آپ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو ایک عطر کی شیشی دی۔ یہ اس خدمت کا صلہ تھا۔ جو آپ نے اس مقدمہ کے دوران میں نہایت اخلاص۔ محبت اور جانفشانی سے ادا کی۔

اس مقدمہ کے متعلق ایک چھوٹا سا واقعہ مجھے یاد آیا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنا ایک لمبا ڈیفنس خود تحریر فرمایا۔ اور اس کو خوشخط کر کے لکھا گیا۔ تاکہ وہ صاف نقل عدالت میں پیش کی جائے۔ جب وہ نقل حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی خدمت میں مسجد مبارک

میں پیش ہوئی - تو اس کی دوسری سطر کے ابتدا میں غلطی سے ل کا حرف لکھنے سے رہ گیا تھا۔ اور حضور علیہ السلام نے چاہا - کہ اس کو خود لکھ دیں - اس پر حضرت مرزا ایوب بیگؓ بولے کہ حضور یہ حرف کسی سے خوشخط لکھوا یا جاوے ۔ (یعنی حضور نہ لکھیں کوئی اور شخص اس کو خوشخط کرکے لکھے) تو حضور علیہ السلام نے فرمایا - کہ میں بھی خوشخط لکھ سکتا ہوں - چنانچہ حضور نے اپنے دست مبارک سے ایک خوبصورت ل لکھا۔

حضرت مرزا ایوب بیگؓ ایک پاک نفس نوجوان تھے - اور نہایت ہی اعلیٰ اخلاق سے آپ آراستہ تھے - جس شخص کا آپ سے واسطہ پڑتا ۔ وہ آپ کے اخلاق کو دیکھ کر آپ کا گرویدہ ہو جاتا - اور ان اخلاق کے اظہار میں کسی خاص قوم کی خصوصیت نہ تھی - احمدی - غیر احمدی - ہندو - سکھ سب سے آپ یکساں طور پر حسن اخلاق سے پیش آتے - اور میں نے کئی غیر احمدیوں کو دیکھا - کہ وہ بھی آپ کے اخلاق کی وجہ سے آپ سے محبت اور اخلاص کا تعلق رکھتے تھے - آپ شفقت علیٰ خلق اللہ کا اعلیٰ نمونہ پیش کرتے تھے - اور یہ باتیں آپ سے بغیر تکلف کے ظاہر ہوتی تھیں - اور آپ کی فطرت میں یہ چیزیں رکھی ہوئی تھیں - اور جس رنگ میں آپ سے حسن اخلاق کا ظہور ہوتا تھا وہ سوائے ایسے لوگوں کے جن کا اللہ تعالیٰ سے اعلیٰ درجہ کا تعلق ہو - کسی سے ظاہر نہیں ہو سکتا - وہ ایک مصفی شیشہ کی طرح پاکیزہ نفس رکھتے تھے - جس میں کسی قسم کی میل نہیں دکھائی دیتی تھی - وہ ایک فرشتہ تھا - جو زمین پر انسان کی شکل میں چلتا تھا۔

آپ کا جو تعلق اپنے مولیٰ کے ساتھ تھا - اس کو تو اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے - آپ میں کسی قسم کا ریا یا خود بینی نہیں پائی جاتی تھی - آپ ایک حلیم طبع اور بے نفس انسان تھے - میں نے آپ کی ایک نوٹ بک دیکھی - جو ایک رجسٹر کی شکل میں تھی - اور جس پر آپ نے بعض رویا لکھنے شروع کیے تھے - اس میں آپ نے اپنا ایک رویا لکھا ہوا تھا جس میں آپ نے بہت سے لوگوں کے ناموں کی ایک لمبی فہرست لکھنے کے بعد لکھا - کہ میں نے ان لوگوں کے لئے دعا کی - تو رویا میں ایک شخص کہتا ہے - وہ الفاظ مجھے یاد نہیں مگر ان کا مفہوم قریب قریب یہ تھا کہ آپ مستجاب الدعوات ہیں یا آپ

بڑی دعائیں کرتے ہیں اور ایک لفظ مجھے یاد ہے - وہ یہ تھا کہ اس شخص نے آپ کی طرف "یہ بزرگ" کر کے اشارہ کیا) اس فہرست میں میرے والد بزرگوار کا بھی نام تھا - میرے والد مرحوم حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی صداقت پر ابتدا سے ایمان رکھتے تھے - لیکن چونکہ پہلے انہوں نے ایک چشتی خاندان کے بزرگ سے بیعت کی ہوئی تھی (جو حضرت مسیح موعود کے ظہور سے پہلے فوت ہو چکا تھا) اس لئے وہ پرانے خیالات کے ماتحت بیعت میں متامل تھے - غالباً اسی امر کے لئے دعا کرنے کے واسطے میں نے حضرت مرزا ایوب بیگ رضی اللہ عنہ کو عرض کیا تھا - چنانچہ بعد میں خدا تعالیٰ کے فضل و رحم سے وہ بیعت میں شامل ہو گئے - اور بہت سے لوگ ان کے ذریعہ بیعت میں داخل ہوئے -

مجھے یہاں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی ایک بات یاد آئی ہے - اس کا اس مضمون سے تو کوئی تعلق نہیں مگر میں یہاں لکھ دیتا ہوں - آپ فرمایا کرتے تھے - جو گدی نشین لوگ اس زمانہ میں میرے دعویٰ سے پہلے فوت ہو چکے ہیں - میں ان کی نسبت حسن ظن رکھتا ہوں - کہ وہ نیک لوگ تھے - و اللہ تعالیٰ نے میرے دعویٰ سے پہلے ان کو اٹھا لیا - تا وہ میرا انکار کر کے ایمان سے محروم نہ ہو جائیں - یہی بات حضور علیہ السلام اپنے والد ماجد اور اپنے بڑے بھائی غلام قادر مرحوم کے متعلق فرمایا کرتے تھے - کہ ان کی میرے دعویٰ سے پہلے فوت ہونے میں بھی حکمت ہے - میں جو ان کے گھر میں پیدا ہوا تھا - ان کے لئے مجھے مسیح موعود قبول کرنا مشکل تھا - اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان کے ایمان کی حفاظت کیلئے میرے دعویٰ سے پہلے ہی ان کو وفات دے دی -

اب میں پھر حضرت مرزا ایوب بیگ رضی اللہ عنہ کے ذکر کی طرف عود کرتا ہوں - آپ جن دنوں لاہور ٹریننگ کالج میں پڑھتے تھے - آپ نے قادیان میں آ کر حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے عرض کیا کہ رات کو سٹڈی کرتے ہوئے ایک بج جاتا ہے - کیا اس وقت میں سونے سے پہلے تہجد پڑھ لیا کروں - تو حضور علیہ السلام نے جواب دیا - کہ تہجد کے معنے آرام کرتے (یعنی سونے) کے ہیں - اس لئے تہجد سو کر اٹھنے کے بعد ہی پڑھنی چاہیئے - کم از کم کچھ سو لیا کریں - اس کے بعد تہجد پڑھیں - آپ کو ان چیزوں سے محبت تھی - جن کی نسبت احادیث میں آیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کو پسند کرتے تھے - آپ کو سنت پر عمل کرنے کا بہت شوق تھا - ایک دن میں نے قادیان میں دیکھا

کہ وہ بہت ہی خوش ہیں۔ اور آپ نے حد درجہ کی خوشی کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا۔ کہ آج والد صاحب نے مہندی لگوانی منظور کر لی ہے۔ آپ کو اس وجہ سے خوشی تھی کہ آپ کے والد ماجد نے سنت نبوی پر عمل کیا ہے۔ جن دنوں میں آپ چیفس کالج لاہور میں ملازم تھے اور بورڈنگ میں سپرنٹنڈنٹی کی ڈیوٹی بھی آپ کے سپرد تھی۔ ان دنوں میں بھی باوجودیکہ کالج شہر سے کافی فاصلہ پر تھا۔ آپ اکثر مغرب کی نماز شہر میں آکر جماعت کے ساتھ ادا کرتے تھے۔ اور عشا کی نماز تک احباب کے پاس بیٹھے رہتے تھے۔ اور چونکہ بورڈنگ میں وقت مقررہ پر ان کی حاضری ضروری ہوتی تھی۔ اس لئے شہر سے نکل کر وہ سڑک پر دوڑتے ہوئے کالج کی طرف جاتے تھے۔ اور بندہ بھی ان کے ہمراہ دوڑتا ہوا جاتا تھا۔ اور جب وہ کالج کے نزدیک پہنچ جاتے۔ تو پھر میں واپس آجاتا۔

چیفس کالج کے زمانہ کا ایک واقعہ آپ کے اخلاق پر روشنی ڈالتا ہے۔ اس لئے میں اس کا یہاں ذکر کر دیتا ہوں۔ ان دنوں کالج کا پرنسپل مسٹر گاڈلے تھا۔ مسٹر بیل جو ان دنوں میں غالباً انسپکٹر یا ڈائریکٹر تھے۔ چیفس کالج کا معائنہ کرنے کے لئے آئے۔ مسٹر گاڈلے نے جو خود ایک قابل آدمی تھا اور غالباً مسٹر بیل کے ساتھ اس کے تعلقات اچھے نہ تھے۔ مسٹر بیل کی طرف کوئی توجہ نہ کی۔ اور وہ یہ بھی چاہتا تھا۔ کہ سٹاف کا کوئی آدمی بھی اس کی طرف توجہ نہ کرے۔ اور وہ خود ہی جماعتوں کا امتحان لے کر جس طرح آیا تھا۔ اسی طرح واپس چلا جائے۔ اور کالج میں کسی قسم کا اس کا اعزاز و اکرام نہ ہو۔ مگر مسٹر بیل حضرت مرزا ایوب بیگؓ کا استاد تھا۔ اس لئے آپ نے اپنے استاد کا اکرام و احترام کرنا ضروری سمجھا اور پرنسپل کی ناراضگی کی کچھ پرواہ نہ کی۔ آپ نے اس کا استقبال کیا۔ تمام کالج اسے دکھایا۔ اور جب تک وہ کالج میں رہا۔ آپ اس کے ساتھ رہے۔ اور صرف آپ ہی سٹاف کے ایک ممبر تھے۔ جنہوں نے اس کا اکرام کیا۔

حضرت مرزا ایوب بیگؓ کے خاص دوستوں میں سے بلکہ آپ کے خاص الخاص دوست حضرت مفتی محمد صادق صاحب تھے۔ حضرت مفتی صاحب نے ایک محب صادق کی طرح اب تک آپ کو فراموش نہیں کیا بلکہ دوستی کا حق اس وقت تک ادا کر رہے ہیں۔ آپ نے ایک دن فرمایا

کہ میں کوئی جنازہ نہیں پڑھتا جس میں مرزا ایوب بیگ رضی کے لئے دعا نہیں کرتا۔

میں نے یہ چند سطور اس محبت اور شفقت کی یادگار میں لکھی ہیں۔ جو اخویم حضرت مرزا ایوب بیگ رضی اللہ عنہ خاکسار کے ساتھ رکھتے تھے۔ اور دعا کرتا ہوں۔ کہ

اے خدا بر تربت او بارش رحمت ببار
داخلش کن از کمال فضل در بیت النعیم

نیز مارا از بلاہائے زماں محفوظ دار
تکیہ گاہِ ماتوئی اے قادر و رب رحیم

خاکسار

شیر علی عفی عنہ ۵ اگست ۱۹۳۵ء

سیرت ایوّب کا ایک ورق

اَیُّوبُ اَیُّھَا الصِّدِّیْقُ۔ لَقَدْ کُنْتَ مِنَ السَّابِقِیْنَ الْاَوَّلِیْنَ الَّذِیْنَ کَانُوا یُحِبُّوْنَ الْمَسِیْحَ الْمَوْعُوْدَ حُبًّا تَامًّا وَکَانُوْا لِحُکْمِہٖ طَائِعِیْنَ وَ نِعْمَہٗ مَا قِیْلَ " اِنَّ الْمُحِبَّ لِمَنْ یُحِبُّ مُطِیْعٌ "

اخی مکرمی حضرت ایوب بیگ صاحب۔ بارک اللہ لہٗ فی الدنیا والاخرۃ ان بے نظیر اور یتیمۃ الدھر ہستیوں میں سے تھے جن کو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا سچا اور صادق حواری کہا جاسکتا ہے۔ مجھے ان سے ۱۸۹۴ء کے مارچ میں بی اے کا امتحان دیتے وقت ملاقات کا شرف حاصل ہوا۔ اللہ تعالیٰ ان کو غریق رحمت کرے۔ امتحان کے ہال ہی میں وقفہ کے درمیان جب پرچہ لینے سے پہلے لوگ جمع ہوتے ہیں۔ آپ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ایک اشتہار ان کو اس جوش و خروش و صدق نیت و خلوص سے سنا رہے تھے کہ میں دیکھ کر حیران ہو گیا کہ یہ کیا جوش اور عشق ہے جو اس شخص کے رویہ سے عیاں

ہو رہا ہے۔ اس کے کچھ دن بعد جب بی اے کا نتیجہ نکل آیا تو ہم دونوں ٹریننگ کالج میں داخل ہو گئے۔ میں اس وقت تک حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دیدار اور بیعت سے مشرف نہ تھا۔ لیکن بھائی ایوب بیگ کے ساتھ یہاں کالج میں اکھٹا ہوتے پر ہر وقت مسیح موعود کی آمد اور صداقت پر بحث مباحثہ اور تکرار جاری رہا۔ اور اس حد تک جاری رہا کہ بالفاظ شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ کہا جا سکتا ہے کہ :-

"مرا در نظامیہ ادرار بود — شب و روز تلقین و تکرار بود"

ہر وقت کے بحث و مباحثہ کے بعد نوبت اس حد تک پہنچی۔ کہ اگست ۱۸۹۷ء کی تعطیلات میں برادر مرحوم مجھے قادیان اپنے ساتھ لے گئے۔ اور ان کی برکت کی طفیل میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ کی بیعت سے مشرف ہوا۔ فالحمد للہ علی ذالک میری بیعت مسجد اقصےٰ میں حضرت مسیح موعود نے لی۔ جمعہ کی نماز کے بعد یا قبل ٹھیک یاد نہیں اور میں نے لوگوں میں کھڑے ہو کر بڑے جوش سے صداقت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا اقرار کیا اور کہا کہ جیسے اس مسیح ناصری نے کہا تھا I am the light of the world, whosoever cometh unto me, shall not walk in darkness! ایسا ہی یہ مسیح بھی فرماتے ہیں

تافتن رُو، از خور تاباں کہ من — خود برآرم روشنی از خویشتن

این ہمہ آثار ناکامی بود — بیخ نخوت شقوت و خامی بود

بعد بیعت بھائی ایوب بیگ صاحب اور میں کچھ دن قادیان رہے۔ روانہ ہونے سے قبل حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ان کی گھر کی چھت پر بوقت عصر ملاقات کا موقعہ مجھے اور بھائی ایوب بیگ کو میسر آیا۔ بھائی مغفور و مرحوم کیا ہی راسخ الاعتقاد مرد تھے۔ پانچ چھ نب اپنے پاس سے نکال کر حضرت صاحب کو دیئے۔ کہ یا حضرت یہ سب دم کر دیویں کہ ہم نے امتحان دینا ہے۔ آپ کی برکت سے پاس ہو جاویں بھائی مرحوم کی خاطر حضرت

صاحب نے نب دم کر دیئے۔ بھائی مرحوم مغفور نے آدھے نب مجھے دیدیئے اور آدھے خود لے لئے۔ اور ہم نے جب S.A.V کا امتحان دیا تو ہم ہر دو اللہ تعالیٰ کے فضل اور مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی برکت کی طفیل فسٹ ڈویژن میں اچھے نمبروں پر پاس ہوئے۔ اس کے بعد ایوب صادق نوچیفس کالج لاہور میں ملازم ہوگئے اور میں بنوں جاکر ڈاکٹر پے نل کے ہاں بعہدہ سیکنڈ ماسٹر ملازم ہوگیا۔ ان کے ساتھ دوران ملازمت میں خط وکتابت رہی۔ لیکن ایوب صادق دو سال کی ملازمت کے بعد اپنے مالک حقیقی اور مولا سے جا ملے بڑی خوبیوں کے انسان تھے۔ اللہ تعالیٰ ان کو مغفرت کر کے غریق رحمت کرے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ مقولہ کہ "کم بزاید مادری با این صفا در یتیم" بدرجہ اولیٰ دائم ان پر صادق آتا ہے انہی کی روح کی طفیل ہمارا بھائی مرحوم کے خاندان سے اب اتنا گہرا تعلق ہے کہ گویا دونوں خاندان ایک فیملی کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ مبارک کرے۔ آمین ثم آمین جب قادیان جاتے تو اکثر حضرت صاحب کے گھر کے اردگرد عصا ہاتھ میں لیکر پہرہ دیا کرتے تھے۔ یہ فرط محبت کی نشانی تھی۔

خاکسار غلام محمد خاں ایم اے S.A.V
ریٹائرڈ ای اے سی میانوالی

محترم جناب ڈاکٹر صاحب دام لطفکم۔ السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ' گرامی نامجات ملے۔ مندرجہ مافیہا سے آگاہی ہوئی۔ عزیز برادرم مرزا ایوب بیگ سے پہلے پہل میری اس طرح واقفیت ہوئی کہ ایک دفعہ میں بھی قادیان گیا اور وہ بھی قادیان میں تشریف رکھتے تھے چھوٹی مسجد میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی معیت میں نماز پڑھی جاتی تھی۔ ایک دفعہ اسی مسجد کی چھت پر نماز پڑھی جا رہی تھی۔ میں بھی ان کے پاس ہی نماز ادا کر رہا تھا۔ میں نے یہ دیکھا کہ وہ سجدہ میں زار زار رو رہے تھے میں نے بعد نماز پتہ کیا کہ یہ کون صاحب ہیں معلوم ہوا کہ آپ کا اسم گرامی مرزا ایوب بیگ ہے پس میں نے بھی اس کے بعد ان سے واقفیت حاصل کی۔ یہ واقعہ مارٹن کلارک

والے سال سے غالباً پہلے سال کا ہے۔ مجھے سال ٹھیک یاد نہیں۔ یہ واقعہ ہے کہ میں نے ان کو نماز میں روتے ہوئے دیکھا اور بار ہا دیکھا۔ آپ کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے بڑی محبت تھی۔ اور وہ حضور کا نام بڑے ادب و احترام و خلوص سے لیا کرتے۔ میں نے بی اے کا امتحان ۹۸ء میں پاس کیا۔ میں ۹۹ء میں قانون کی جماعت میں داخل ہوا۔ اور میں چیفس کالج لاہور میں نواب لوہارو کے لڑکوں کا اتالیق تھا۔ اس وقت مجھے ان سے نیاز حاصل کرنے کا بھی اتفاق ہوتا۔ ایک دفعہ کالج کا پرنسپل مسٹر گاڈلے آپ سے کسی وجہ سے ناراض ہوگیا۔ اور ناراضگی کی باتیں کرتا۔ آپ کو یہ ناگوار گزرا۔ آپ نے دعا فرمائی درگاہ خداوندی سے جواب ملا۔ کہ چوں مادر مہربان خواہد شد۔ دوسرے دن وہ صبح کالج تشریف لے گئے تو وہ گاڈلے اُن سے نہایت محبت سے باتیں کرنے لگا۔ اور پھر اس کے بعد وہ ایسا ہی کرتا رہا۔ آپ اپنے والدین کے نہایت فرمانبردار تھے اس زمانے میں بی اے پاس کرنے سے پہلے بھی قانون کی جماعت میں ہر شخص داخل ہو سکتا تھا ان کو بھی میرے داخل ہونے پر خیال آیا۔ فرمانے لگے کہ میں اپنے والدین سے اجازت حاصل کر لوں۔ والدہ صاحبہ توقیفاً ان دنوں لاہور میں اُن کے پاس تھی۔ اور غالباً والد صاحب نہ تھے۔ اجازت حاصل کی۔ اور میرے ساتھ Preliminary کلاس میں داخل ہوئے اور جورس پر ڈنس on law Jurisprudence کے لیکچر لکھے۔ بعد میں بوجہ بخار جانا چھوڑ دیا جورس پرڈنس والی ان کی کاپی میرے پاس ہے کبھی کبھی میں اس کو دیکھا کرتا ہوں۔ اور یہ میرے پاس ان کی نشانی ہے۔ جس کی بڑی قدر میرے دل میں ہے۔ قریباً سو صفحہ ان کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے۔ جب بخار زیادہ ہوگیا تو آپ نے چھٹی ڈاکٹری سرٹیفکیٹ پر لی۔ نصف تنخواہ پر۔ میں ان کی جگہ کام کرتا رہا۔ میں بیس روپے لیتا رہا۔ میری عوضی کام کرانے پر وہ خوش تھے۔ مرض کے آخری مرحلہ پر آپ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو عریضہ لکھا۔ میں آپ کی زیارت کرنا چاہتا ہوں۔ آپ تشریف لا دیں تاکہ مجھے زیارت نصیب ہو حضرت صاحب نے جواب

میں لکھا۔ کہ میں بڑا رقیق القلب انسان ہوں۔ میں اپنے کسی عزیز کو تکلیف میں نہیں دیکھ سکتا۔ آپ نے اس خط کو اپنے سینے پر رکھا۔ ان کی وفات کے بعد جب اُن کی کتابیں سنبھالی گئیں تو وہ حضرت صاحب کا خط میں نے خود دیکھا۔ برادرم نے اپنے اُس عریضہ میں لکھا میں بوجہ بیماری اور کمزوری خود نہیں آسکتا۔ ورنہ میں خود قادیان حاضر ہوتا۔ چیفس کالج کا ہر فرد بوجہ نیکی و تقویٰ برادرم مذکور ان کا مداح تھا آپ کی بی بی کو ان کی وفات سے بڑا صدمہ ہوا۔ وہ مرحومہ بھی پریشان رہیں آخر وہ جلدی ہی فوت ہو گئیں۔ وہ اپنی وفات کے بعد ایک دفعہ مرزا نیاز بیگ صاحب کو خواب میں ملیں۔ اور ان سے کہا کہ جو موتی مجھ سے گم ہو گیا تھا وہ مجھے پھر مل گیا ہے۔ اور وہ اس موتی کے ملنے سے خوش تھیں۔ شیخ رحمت اللہ صاحب مالک بمبئی ہاؤس کو آپ سے مفتی صاحب سے بہت محبت تھی۔ کلارک والے مقدمہ میں بھی شیخ صاحب موصوف کے ساتھ بٹالہ قادیان گورداسپور میں حضرت صاحب کی خدمت میں حاضر رہا۔ اس کے بعد شیخ صاحب سے مجھے بھی نیاز حاصل ہو گیا۔ وہ مجھے بھی ان تہجد کی دعاؤں میں شامل فرماتے مجھ پر ان دعاؤں کا بڑا اثر ہوا۔

(دیری کیلئے معافی کا خواستگار عاجز حافظ عبدالعلی از سرگودھا)

داٰخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین ۶۰۸۰۳۵

برادرم مکرم حضرت مرزا صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ السلام علیکم رحمتہ اللہ برکاتہ۔

آپ سیرت ایوب تحریر فرما رہے ہیں۔ اور آپ نے سب دوستوں کو دعوت دی ہے کہ جس کسی کو برادر ایوب بیگ صاحب مرحوم کے حالات سے واقفیت ہو۔ وہ آپ کی خدمت میں لکھکر بھیج دے۔ اگر مناسب سمجھیں تو چند ایک سطور جو میں ذیل میں تحریر کرتا ہوں۔ درج کتاب زیر تجویز فرما دیں۔

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دعوے کا ابتدا تھا۔ اور میں بھی اپنی عمر کے ابتدائی منازل طے کر رہا تھا۔ اس وقت میری واقفیت برادر ایوب سے ہوئی۔ آپ

دونوں بھائیوں کو جس قدر عشق حضرت اقدس سے تھا۔ وہ احمدیہ جماعت میں ضرب المثل تھا۔ اور جب کبھی حضرت صاحب لاہور تشریف لایا کرتے آپ دونوں ہمیشہ حضرت صاحب سے قریب ترین جگہ پر بیٹھا کرتے تھے۔ اور آپ کے اخلاص اور محبت کو دیکھ کر اکثر احباب کہا کرتے تھے کہ یہ دونوں فرشتے ہیں۔ مجھے برادر مرحوم سے دلی محبت تھی۔ اور مجھے اب تک وہی محبت اور یگانگت کا نقشہ یاد آتا ہے۔ جو میرے اور اس کے درمیان تھی۔ برادر مرحوم حقیقت میں حضرت صاحب کے حکم کا کہ ایک دوسرے کے ساتھ حقیقی بھائیوں کی طرح سلوک کرو۔ عملی نمونہ ظاہر کرتے تھے۔ جب وہ مرض الموت میں گرفتار تھے۔ اس وقت میں قادیان میں حضرت صاحب کی خدمت میں حاضر تھا۔ اور مجھے یاد ہے کہ کس طرح حضرت صاحب برادر مرحوم کو یاد فرمایا کرتے تھے۔ ہر روز اس بیماری کا ذکر فرماتے۔ اور آپ کے خطوط کا نہایت بے صبری سے انتظار فرمایا کرتے تھے۔ جب موت کی خبر پہنچی۔ تو حضور کو بہت بھاری صدمہ ہوا۔ اور فرمایا کہ رونے کو دل چاہتا ہے مگر خدا کے حکم کے ماتحت اس کی رضا پر راضی ہیں۔ حضور کو تقریباً اسی قدر صدمہ ہوا تھا جس قدر ایک حقیقی فرزند کی موت سے ہوتا ہے۔ برادر ایوب میں بے شمار خوبیاں تھیں۔ اللہ تعالیٰ ان کے درجات کو بلند کرے۔ والسلام

خاکسار محمد اسمٰعیل (ڈپی سی ایس)

آہ مرزا ایوب بیگ مرحوم

دیکھا جاتا ہے کہ ہونہار بچے اپنی ہونہاری کا ثبوت گودمادر ہی میں دینے لگ جاتے ہیں منجملہ ان کے مرزا یعقوب بیگ اور مرزا ایوب بیگ صاحبان بطور مثال پیش کرتا ہوں۔ مرزا یعقوب بیگ و مرزا ایوب بیگ ہردو مرزا نیاز بیگ صاحب رئیس کلانور کے

بیٹے ہیں۔ مرزا صاحب موصوف ایک صوفی مزاج بزرگ تھے۔ ان کے اور بھی بیٹے ہیں لیکن
یہ ہر دو برادران اپنے دیگر بھائیوں سے بہت سی باتوں میں گوئے سبقت لے گئے ہوئے
تھے۔ میں اپنے قیام قادیان میں جہاں مجھے سال ہا سال جانے اور رہنے کا اتفاق ہوا تھا۔ ان
دونوں بھائیوں کے دیکھنے کا موقعہ ملا۔ ان کے چہرہ سے رشد اور سعادت کے آثار ہویدا
تھے۔ میں دیکھتا تھا۔ کہ حضرت مسیح موعود اور حضرت مولانا علامہ نورالدین ان کو بڑی شفقت
اور محبت سے پیش آتے تھے۔ اور کوئی مہینہ نہ گذرتا تھا جس میں یہ دونوں بھائی قادیاں نہ
آتے ہوں۔ اکثر اوقات ہر دو بھائی باہم مل کر آتے تھے۔ اور گاہے مرزا ایوب بیگ تنہا
اور بعض دفعہ کسی اور کلاس فیلو کے ساتھ آجاتا تھا۔ ان کی محبت اور عشق اور دلی لگاؤ کا اس
امر سے بخوبی ظاہر ہوتا ہے۔ کہ لاہور جیسے شہر میں قیام پذیر ہوں۔ عنفوان شباب ہو۔ طالب
علمی کی سخت مصروفیت مذہبی اور سیاسی جلسے سیر و تفریح کے سامان ہوں۔ ان سب سے مُنہ
موڑ کر اور سیر و تفریح سے دست بردار ہو کر بٹالہ سے قادیان تک دقیانوسی یکوں میں بیٹھ کر کچی
اور ناہموار سڑک پر جھکولے کھاتے ہوئے گرد و غبار سے آلودہ قادیان پہنچنا اور ان سب
تکالیف کو ہیچ سمجھنا اور پروانہ وار آستانِ مسیح موعود پر سر نیاز خم کرنا سعادت دارین تصور
کرنا اور زیارت حضرت مسیح موعود کو فرحت اور خوشی محسوس کرنا ان کی محبت و عقیدت
کا کیا کم ثبوت ہے۔ میں تمیز نہیں کر سکتا کہ آیا مرزا یعقوب بیگ صاحب کو زیادہ محبت
حضرت مسیح موعود و علامہ نورالدین مرحوم سے تھی یا مرزا ایوب بیگ مرحوم کی۔ مگر اتنا ضرور
ہے کہ غالباً ان ہر دو برادران کی شیفتگی کو دیکھ کر خاندان کے کل ممبران حضرت مسیح موعود سے
عقیدت رکھنے لگ گئے۔ اور بیعت میں داخل ہوئے۔ اس میں کلام نہیں کہ مرزا ایوب بیگ
فروتنی اور سادگی میں اپنے بھائی مرزا یعقوب بیگ صاحب سے ایک خاص امتیاز رکھتا
تھا۔ اور اگر زندگی وفا کرتی تو اپنے بھائی کی طرح خدمات دینی میں پیش پیش رہتا۔ ابھی تھوڑے
ہی دن سے کالج کی تعلیم سے فراغت پا کر ملازمت کے سلسلہ میں منسلک ہوئے تھے کہ ناگہاں

فرشتۂ اجل نے پیغام "مکن تکیہ بر عمر ناپائیدار" سنایا۔ پیغام خداوندی سن کر قالب
میں سے روح الوداع کہتی ہوئی رفیقِ اعلیٰ سے جا ملی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔
مرحوم محبت کا ایک مجسم پتلا تھا۔ جو شخص اس سے ملتا۔ اس کا ہمہ تن گرویدہ ہو جاتا تھا۔
مرزا یعقوب بیگ صاحب کے دو بڑے بھائی بھی (مرزا رسول بیگ و مرزا اکبر بیگ)
رحلت فرما عالم جاوداں ہو گئے ہیں۔ اب صرف ان کے چھوٹے بھائی مرزا سکندر بیگ
بقید حیات ہیں۔ وہ بڑے نیک اور مسکین طبع ہیں۔ انہوں نے تعلیم اعلیٰ نہیں پائی۔
مگر اخلاق نہایت پسندیدہ ہیں۔ البتہ ان کے فرزند ارجمند مرزا مسعود بیگ نے تعلیمی
کمی کو پورا کر دیا ہے۔ ایم اے پاس کر کے تبلیغ اسلام میں ایک معتدبہ عرصہ تک کام کرتے
رہے ہیں۔ اور اب وہ دفتر انجمن میں بیش بہا خدمات دینی سرانجام دے رہے ہیں۔
جزاہُ اللہ خیر الجزاء۔ یہ سارا خاندان نورٌ علیٰ نور ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کا حافظ و ناصر ہو۔

دستخط عاجز مرزا خدا بخش (مصنف عسل مصفیٰ)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم — نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

مکرمی و مخدومی جناب مرزا صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ واضح رائے عالی ہو۔ میں بہت چھوٹا سا تھا اور موری
دروازے کے باہر اچیسن سکول میں پڑھتا تھا۔ اور عبدالغفور اور داؤد بیگ دو
کلاسیں مجھ سے بالا تھے۔ اور میرے سکول فیلو اور عزیز دوست تھے۔ موری دروازے
کے باہر ایک لال کوٹھی تھی۔ اس میں میرے مذکورہ بالا دوست لے گئے۔ وہاں چند اور
لڑکے بھی تھے۔ سب نے مل کر کہا کہ آؤ بھئی گیند بلا کھیلیں۔ ہم نے کھیلنا شروع کر دیا۔
جب میری باری آئی تو میں برابر ۱/۲ گھنٹہ کھیلتا رہا۔ اور میرے محترم پیارے محترم

عزیز ترین بزرگ مرزا ایوب بیگ نے یہ دیکھ کر کہ تمام لڑکے تھک گئے ہیں۔ اور میں ابھی تک آؤٹ نہیں ہوا۔ ازراہ ہمدردی ان لڑکوں کی خاطر مجھے آؤٹ کرنے کیلئے آپ بول وینے شروع کر دیئے۔ پھر کیا تھا میں ۵ امنٹ میں آؤٹ ہوگیا۔ اتنے میں مولوی عبداللہ ٹونکی پروفیسر گورنمنٹ کالج ظہر کے وقت آگئے۔ ہم سب ایوب بیگ صاحب کو بھائی جان کہہ کر پکارا کرتے تھے۔ تو بھائی جان سے مولوی عبداللہ صاحب نے حضرت مرزا غلام احمد صاحب کے متعلق بحث شروع کر دی۔ ظہر سے عصر کا وقت آگیا۔ تو مولوی عبداللہ ٹونکی کہنے لگے کہ ایوب بیگ ہم تمہاری تسلی نہیں کر سکتے۔ بھائی جان یعنی ایوب بیگ صاحب نے کہا کہ مولوی صاحب آپ عربی کے پروفیسر اور میں تو عربی کا طالب علم بھی نہیں۔ صرف مرزا صاحب کی چند کتابوں کا مطالعہ کیا ہے۔ آپ یہ کہتے ہیں کہ تمہاری تسلی نہیں کر سکتا۔ پھر مولوی صاحب رخصت ہوگئے۔ اور آپ نے فرمایا آؤ بھئی عصر کی نماز پڑھیں۔ بھائی (مرزا ایوب بیگ) امام تھے۔ اور ہم مقتدی۔ مجھ پر یہ حالت طاری ہوئی کہ میں کہاں کھڑا ہوں یعنی محویت کا یہ عالم ہوگیا جب نماز سے فارغ ہوئے تو میرے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ جس کے تیسرے درجہ کے مریدوں کی یہ حالت ہے کہ وہ اس درجہ کو پہنچے ہوئے ہیں تو اس پیر کی کیا حالت ہوگی اس کے بعد میں والدین کو چھوڑ کر سیدھا قادیان کو سدھارا۔ اب تک خدا کے فضل سے پکا احمدی ہوں۔ اس احمدیت پر میں تن من دھن سے قربان ہوں۔

۲۔ ایک دفعہ ٹریننگ کالج میں بھائی جان پڑھتے تھے۔ میں آپ سے پڑھنے جاتا تھا۔ تو آپ نے مجھے مکھن چار اور قلچہ پیش کیا۔ کچھ تھوڑا مکھن نیچے گر گیا۔ میں نے اس کی چنداں پرواہ نہ کی۔ آپ نے اس کو دھو کے کھا لیا۔ اور مجھے فرمایا۔ بھائی صاحب خدا نے بارش برسائی زمیندار نے ہل چلائی۔ گھاس پیدا ہوئی۔ گاں نے کھائی۔ دودھ دھویا گیا۔ جمایا گیا۔ پھر اس سے مکھن نکالا گیا۔ اتنی پرسش قیامت کو ہوں گی

تب سے اب تک اگر ایسی غلطی ہو جائے تو ایسا ہی کرتا ہوں ۔

۳ ۔ جب میں قادیان میں بیعت کرنے کے لئے گیا ۔ تو لڑکوں نے یہ مشہور کر دیا کہ میں عیسائی ہو گیا ہوں ۔ اور میرے والد مرحوم ایوب بیگ صاحب کے پاس پہنچے ۔ کیونکہ میں بھائی جان کے اخلاق حسنہ کا والد صاحب سے ذکر کرتا رہتا تھا ۔ تو والد صاحب کہنے لگے میاں ایوب بیگ میں نے اسے حافظ کرایا تھا ۔ اللہ کی مرضی تو آپ نے میرے والد کو جواب دیا میاں صاحب خاطر جمع رکھیو آپ کا لڑکا کرانیوں کو قرآنی کر دینے والا ہے ۔ حافظ محمد حسین خاں برادر خاں بہادر عبدالرحمٰن خاں چغتائی کوچہ چابک سواراں ۔ لاہور ۔